فہرست

ابتدائی کلمات

منزل سوم میں سات سورتیں ہیں۔ ان سورتوں کی کل آیات ۶۶۵ ہیں۔

(۱) سورۃ یونس ۱۰ میں ۱۰۹ آیات ہیں۔
(۲) سورۃ ھود ۱۱ میں ۱۲۳ آیات ہیں۔
(۳) سورۃ یوسف ۱۲ میں ۱۱۱ آیات ہیں۔
(۴) سورۃ الرعد ۱۳ میں ۴۳ آیات ہیں۔
(۵) سورۃ ابراہیم ۱۴ میں ۵۲ آیات ہیں۔
(۶) سورۃ الحجر ۱۵ میں ۹۹ آیات ہیں۔
(۷) سورۃ النحل ۱۶ میں ۱۲۸ آیات ہیں۔

منزل سوم گیارھویں پارے میں سورۃ یونس سے شروع ہوتی ہے اور سورۃ النحل کے ساتھ چودھویں پارے میں پوری ہو جاتی ہے۔

خواتین و حضرات! تفسیر فاضلی حضوری کا راستہ دکھاتی ہے۔ حکم الٰہی کو سن کر ادب سے اس کی اطاعت کی جائے اور حسن بیان پر داد و تحسین کو کافی نہ سمجھ لیا جائے تو عمل صالح کے بعد علم حقیقی عطا ہو گا۔ اسی کو نور ہدایت کہتے ہیں۔ نور ہدایت کو جس قدر تقسیم کیا جائے یہ بڑھتا رہتا ہے۔ تقسیم نہ کیا جائے تو منبعِ نور کی طرف سے عطا کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔

منزل اول ۱۴۰۳ھ میں چھپی تھی۔ منزل دوم ۱۴۱۱ھ میں چھپی تھی اور منزل سوم ۱۴۱۴ھ میں چھپ رہی ہے۔ انشاء اللہ باقی چار منازل نسبتاً کم وقت میں آپ تک پہنچیں گی۔

یہ حقیقت بھی آپ کی نظر میں ہے کہ بہت کم تعداد میں چھپنے کے باوجود ایسی کتابیں پڑھنے والوں کے انتظار میں ہی رہتی ہیں۔

پروفیسر عبدالحفیظ صاحب نے پروف پڑھنے میں جس قدر محنت کی ہے، اجر کا سوال کرنے والوں کے لئے وہ ناقابل تصور ہوتی ہے۔

رشید احمد چودھری اور مکتبہ جدید پریس کے سب ارکان کا شکریہ کہ وہ اس کام کو بڑے ادب سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

تفسیر فاضلی کو آپ تک پہنچانے میں کچھ حضرات کا کام جلوت سے تعلق رکھتا ہے کچھ حضرات کا کام خلوت سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر یہ کتاب آپ کے لئے باعث راحت ہو، آپ کو اس سے فیض یاب ہونے کا شرف ہو، تو ان سب حضرات کو دعاء خیر سے یاد کیجئے جن کی سعی مشکور ہوئی۔

اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں فلاح عطا فرمائے۔

اشرف فاضلی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

سُوْرَةُ يُوْنُس

اٰيَاتُهَا ۱۰۹ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①

الٓرٰ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔

حروفِ مقطعات کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے معانی پر کلام کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہے، اور یہ منع فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک، کتاب حکیم ہے۔ علیم مطلق اور حکیم مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہے گی۔ اس کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو صد اڑتیس ہے۔ کتابِ حکیم کی آیات کو ہمیشہ دانائی کی انتہائی سند ماننا چاہئے۔ دانائی اور بھلائی کے نام پر ہونے والے ہر کام کے حق ہونے کی سند کتابِ حکیم سے پیش کی جائے تو کام ایسا پکا ہو گا، کہ اسے دوام حاصل ہو گا۔ کتابِ حکیم کی آیات میں جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ اخبار و قصص کو جس طرح اور جس قدر بیان فرمایا گیا ہے، اسی میں دانائی ہے۔

حاصل : کتابِ حکیم کی آیات، جب سند کے طور پر سامنے آ جائیں، تو استدلال کو ختم ہو جانا چاہئے۔ دانائی اور بھلائی کے نام پر ہونے والے ہر کام کو تبھی پکا سمجھا جائے گا، جب قرآنِ پاک اس کی تصدیق کرے گا۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کیا لوگوں کو عجیب لگا، کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی فرمائی کہ لوگوں کو ڈر سنا دے، اور ایمان والوں کو بشارت دے کہ ان کے لئے ان کے ربّ کے ہاں سچ کا مقام ہے۔ کافروں نے کہا بےشک یہ تو صریحاً جادو گر ہے۔

لوگوں کو اگر یہ عجیب لگا، کہ انہی میں سے ایک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے مرتبہ اولیٰ سے مشرّف فرمایا، تو یہ ان کی کم فہمی ہے۔ لوگوں کو حق کے خلاف کرنے کی صورت میں ڈر سنانے کے لئے، اور اللہ کے رسول سے محبت رکھنے کی صورت میں بشارت دینے کے لئے، بشر ہی بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ بشر ہی یہ بتا سکتا ہے، کہ کس مقام پر رضائے الٰہی کے لئے کس طرح بولنا ہے، یا کس طرح خاموش رہنا ہے۔ کس مقام پر کیا کرنا اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے، اور کیا پسندیدہ نہیں ہے۔ انسان کو اللہ نے جس

مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، وہ کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ مقصد حیات پورا ہونے کی صورت میں خوف و حزن سے نجات ملے گی، راحت حاصل ہو گی اور صدق کا مقام نصیب ہو گا۔ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ نے اطمینان کی نعمت سے نوازا ہے۔ اب ہمیں نہ خوف ہے نہ حزن ہے۔ ہونا اور نہ ہونا انسانی زندگی میں جاری رہتا ہے، ہم ہونے کی صورت میں شکر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں، نہ ہونے کی صورت میں صبر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ذکر الٰہی بہرصورت کرتے رہتے ہیں۔ اس پر کافروں نے کہا کہ ہم جیسے لوگوں کی کایاپلٹ کر رکھ دینے والا تو صریحاً جادوگر ہی ہو سکتا ہے۔ جادو اس لئے کہا گیا کہ کافروں کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم فوق العادت، مؤثر و بلیغ تو ضرور تھا، مگر وہ اس کے اثرات کو دائمی نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل : بشر کا رسول اللہ ہونا عجیب نہیں ہے۔ اللہ کی عنایت ہے، کہ اس نے انسان کو مقصد حیات کے پورا کرنے کے لئے، اپنا پسندیدہ اکمل نمونہ اس کے سامنے رکھا ہے۔ ہدایت دینے والے کا مرد ہونا ضروری ہے۔ ڈر سنانا اور بشارت دینا اس کا کام ہے۔ ماننے والے مقام صدق پر ہوتے ہیں۔ کافر کسی کو خوف و حزن کے دائرے سے باہر دیکھیں تو اسے جادوگر کہہ دیتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾

بے شک تمہارا ربّ اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایّام میں خَلق فرمایا، پھر عرش پر اُستویٰ فرمایا۔ کام کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس کے اِذن کے بعد۔ یہ ہے اللہ تمہارا ربّ۔ تو اس کی عبدیّت کرو۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اللہ ہی سب کا پالنے والا ہے۔ ربوبیت کے لئے لوازمات کا کلی علم انسان کو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کہ وہ ہر ایک کو پالتا ہے، اور بڑے علم سے پالتا ہے۔ رحم مادر میں پالنا خلوت کی صورت میں ہوتا ہے، اور وضع حمل کے بعد سے تاحیات پالنا جلوت میں ہوتا ہے۔ پالنا اتنا بڑا کام ہے، کہ اسے اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ایک جسم کی ضروریات، اس کے بعد اس نوع میں اس جسم کا مقام، پھر انواع میں اس نوع کی حیثیت، پھر ایک عالم میں ارکان کے درجات اور پھر تمام عالمین میں توازن و نظم، ان تمام مقامات پر ربوبیت اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ چھ دن ہمیشہ ماضی ہوتے ہیں، ساتواں حال ہوتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ اللہ نے سب کچھ چھ دن میں بنایا اور پھر سارے عالمین کی ربوبیت کے لئے عرش پر جلوہ فرما ہوا، جو اسی کی شان کے لائق ہے۔ اس بڑے انتظام کو چلانا بھی اسی کا کام ہے۔ کام کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے۔ اپنی مخلوق کو توفیق دینا، اس توفیق کے استعمال کی مہلت دینا، اس مہلت میں ان کے رخ کو دیکھنا، اور نتائج کو اپنی منشاء کے تابع رکھنا، یہ سب اس مدبر حقیقی کا کام ہے۔ اس کے سامنے شفاعت انہی کے اذن سے ہی ہو سکتی ہے۔ شفاعت کرنے والے شاہدین یہ شہادت دیں

کہ یا اللہ اس فرد نے یا جماعت نے ہمارا اتباع کیا، ہماری نصرت کی اور بصد احترام کی، اس کی کوتاہی یا کوتاہیاں کم علمی کی وجہ سے ہیں، یا اللہ تیرے نزدیک کم علمی سے ہونے والے اعمال قابل گرفت نہیں ہوتے، تو معاف فرمادے تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے، جو عالمین کو پالتا ہے۔ اسی کی بندگی حق ہے۔ دھیان کرنا یہ ہے، کہ اپنے آپ پر نظر کی جائے۔ حال پر پالنے والے کو دیکھا جائے، اپنے اندر اور باہر کے نظم کو دیکھا جائے، ماضی پر نظر کی جائے اعمال کے نتائج پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو دیکھا جائے، کائنات میں اپنی حیثیت کو سمندر کے ایک قطرے کی صورت سے دیکھا جائے، اور اس قطرے کے اندر کے سمندر کی وسعتوں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تصرف دیکھا جائے۔ دھیان ہو تو گیان ہوتا ہے، عرفان ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا گیا۔ ایام کار چھ ہوں تو ٹھیک ہے۔ بندے کو بھی نظر رکھنی چاہئے کہ وہ اللہ کی کائنات میں بلاواسطہ یا بالواسطہ بدنظمی یا خرابی پیدا کرنے کی سعی تو نہیں کر رہا۔ شفاعت کرنے والے شاہدین کا اتباع ادب و احترام سے ہونا چاہئے۔ اللہ کی بندگی دھیان سے کرنی چاہئے۔ اگر ہم اللہ کے ہو جائیں تو اس کی بندگی ہو گی ورنہ نہیں ہو گی۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

اسی کی طرف تم سب کو مراجعت کرنا ہے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے پہلی بار، پھر وہی دوبارہ بنائے گا، کہ ایمان والوں کو جنہوں نے صالح عمل کئے، انصاف کے ساتھ جزا دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا پانی اور المناک عذاب ہے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت ہو گی۔ اس دنیا میں آتے وقت اور یہاں سے جاتے وقت کسی کی پسند کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس نے انسان کو توفیق دی ہے، وہ اسی توفیق کی نسبت سے حساب بھی لے گا، جزا بھی دے گا۔ اس نے پہلے انسان کو عدم سے بنایا ہے، اسے مدارج تخلیق سے گزارا ہے۔ انسان کا علم تخلیق انسان کے متعلق بہت محدود ہے۔ مگر انسان اپنی تخلیق اور اس تخلیق کے مدارج کا انکار نہیں کر سکتا۔ جب ایک حقیقت کو مان لیا جائے، تو دوسری حقیقت ماننا بھی لازم ہے۔ موت کے بعد متفرق اور منتشر اعضاء کو جمع کرنا، ترکیب دینا، اور اسی بدن سے متعلق جان کو اس میں ڈال کر کھڑا کر دینا، پہلی بار بنانے کے مقابل چھوٹا کام ہے۔ ایمان والے، اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں، آپ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر عمل کرتے ہیں۔ اللہ ان کے صالح اعمال کی پوری جزا دے گا۔ جہاں بھی ان کا رخ درست ہو گا، وہاں ان کو پوری جزا دی جائے گی۔ یہی انصاف ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے وہ کیا جس کے کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان لوگوں نے حشر و نشر اور معاد کا انکار کیا۔ یہ اپنے آپ کو بعث بعد الموت سے بچا نہیں سکیں گے۔ ان کو ان کے برے اعمال کی جزا کھولتے

پانی اور دردناک عذاب کی صورت میں ملے گی، اور یہ اس جزا سے خود کو بچا نہیں سکیں گے۔

حاصل : اللہ کی طرف جانے کا احساس بہرحال رہنا چاہئے۔ ہمارا وعدہ بھی سچا ہو تو اللہ کو ماننے کا ثبوت ہو گا۔ جس نے پہلے بنایا ہے، اسے اعادہ کرنا آسان ہے۔ دارالعمل کے بعد دارالجزا ہو گا۔ پوری جزا دارالعمل کے بعد ہی ہو سکتی ہے، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت اور توفیق کا خاتمہ اس کے لئے شرط ہے۔ جس کا رخ درست ہے، اس کو اس نیکی کی پوری جزا دی جائے گی۔ کافروں کو یہاں حزن و ملال گھیرے رکھتا ہے، آخرت میں انہیں کھولتا پانی اور المناک عذاب ملے گا، مگر وہ سب ہو گا ان کے اعمال کی جزا۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

وہی ہے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور ٹھہرایا۔ اور ان کے لئے منزلیں مقرر کیں، کہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب کا علم ہو سکے۔ اللہ نے یہ سب کچھ یوں ہی نہیں بنایا، بلکہ حق سے بنایا ہے۔ علم والے لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو مفصّل بیان فرماتا ہے۔

خالق کل نے پوری کائنات میں ایک نظم رکھا ہے۔ سورج کا طلوع و غروب، دن میں وقت کے تعین کے لئے معیار ہے۔ سورج کی روشنی میں وہ حرارت بھی ہے جو تمام اشیاء پر ان کی جنس اور نوع کے مطابق اثر کرتی ہے، اور اس روشنی کے ساتھ حرارت کی گھٹتی بڑھتی مقدار سے موسموں کے تغیر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ انسانوں کی ضروریات زندگی کے لئے، حیوانوں اور دوسرے جانوروں کی ضروریات زندگی کے لئے، جو درکار ہوتا ہے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سورج کے ساتھ اللہ نے چاند کا جوڑا بنایا ہے۔ چاند کی روشنی میں خنکی ہوتی ہے۔ اس روشنی کا بھی تمام اشیاء پر ان کی جنس کے مطابق اثر ہوتا ہے۔ نباتات دن میں حاصل کی گئی خوراک کو سنبھالتی ہیں۔ حیوانات پر بھی اس روشنی کا پڑنا ضروری ہوتا ہے۔ پیدائش کے تمام مراحل سے لے کر زندگی کے خاتمے تک چاند کی روشنی حیوانی زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ جمادات پر بھی چاند کی روشنی کا اثر ہوتا ہے۔ اگر سورج یا چاند میں سے کوئی ایک روشنی کچھ عرصے کے لئے ناپید ہو جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ چاند کی منزلیں اللہ نے اس لئے مقرر کی ہیں کہ برسوں کی گنتی میں، مہینوں کی گنتی میں اور مہینوں کی بنیادی اکائیوں کی گنتی میں معیار، اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ بے خطا نظام ہو، تقویم بہرصورت درست ہو، اور علم الحساب کی بنیاد کسی مفروضے پر نہ ہو۔ چاند کی ہیئت و شکل ہر روز بدلتی ہے۔ چاند کی واضح روشنی نظر آنے لگے تو ایک منزل کی ابتدا ہوتی ہے، اور اگلے دن چاند کے واضح طور پر روشن ہونے تک یہ منزل پوری ہوتی ہے۔ اٹھائیس منزلوں میں مہینہ پورا ہوتا ہے۔ مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو چاند ایک دن چھپتا ہے، ورنہ دو دن چھپتا ہے۔ اللہ نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، بلکہ یہ سب کچھ اپنے علم مطلق سے حق کے ساتھ بنایا ہے۔ ہر شے کی ایک اہمیت ہے، کہ خالق کل علیم مطلق

ہے۔ انسان کو کسی شے کی اہمیت اور مقام کا علم ہو تو اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ علم والے لوگ اللہ کی نشانیوں کی تفصیل سے فیض پاتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی پسند کو حق کے ساتھ ملانے کے مرتکب نہیں ہوتے اور حق کو شاہدین کے حوالے سے مانتے ہیں۔

حاصل : شمس و قمر ایک جوڑا ہے، جو روشنی اور حرارت کی موزوں مقدار کے ساتھ، کائنات کے نظام کو درست رکھنے میں اپنا حق ادا کرتا ہے۔ چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں۔ ان کے حساب سے برسوں، مہینوں، ہفتوں اور دنوں کی گنتی ہوتی ہے۔ اللہ نے جو بھی بنایا ہے، بڑے علم سے بنایا ہے۔ علم والے ہی اس کی نشانیوں کو جان سکتے ہیں۔ علم والوں کو اللہ کی نشانیاں مفصّل معلوم ہوتی ہیں۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

لیل و نہار کے اختلاف میں، اور جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں خَلق فرمایا ہے اس میں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

لیل و نہار کے اختلاف میں، بدلتے رہنے میں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں اللہ نے جو خلق فرمایا ہے، اس میں جو حکمت ہے، اس ساری مخلوق کی پرورش جس طرح ہو رہی ہے، کئی اشیاء ایک دوسری کی ضد ہیں مگر اللہ نے ان کے اندر جیسا توازن قائم کر رکھا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ انسان اگر اپنی قوت کا کائنات کی کسی شے سے تقابل کر کے دیکھے، اس قوت کے استعمال میں اس شے کے محتاط رویئے کو دیکھے اور اپنی بے تدبیری اور عدم احتیاط کو بھی دیکھے، تو اسے یہ نظر آئے گا، کہ کوئی شے بھی اپنے منشاء تخلیق کے دائرے سے باہر نہیں جاتی۔ ہر شے اس حق کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہے، جس کے لئے علیم مطلق نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے، کہ انسان کو بھی اپنے منشاء تخلیق پر نظر رکھنی چاہئے، اور وہی کرنا چاہئے جس سے فلاح دارین حاصل ہو۔

حاصل : لیل و نہار کے اختلاف میں زندگی اور راحت کے لوازمات موجود ہیں، جن کے بغیر زندگی کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اپنے منشاء تخلیق کو پورا کرنے کے لئے اس دائرہ کار میں مصروف ہے، جو اللہ نے اس کے لئے رکھا ہے۔ انسان کو بھی تدبیر اور احتیاط کی طریقت سیکھنی چاہئے۔ اسی میں فلاح دارین حاصل ہو سکتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ

بے شک جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے، اور وہ حیاتِ دنیا پر راضی اور اسی پر مطمئن ہو گئے، اور جو لوگ ہماری آیات

هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ ﴿٧﴾ سے غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

جو لوگ اپنے منشاء حیات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، انہیں یہ امید نہیں ہوتی کہ انہیں توفیق دینے والا قادر مطلق کبھی ان سے پوچھے گا، کہ کیا میری عطا کردہ توفیق کو تم نے حق کے مطابق استعمال کیا، اب تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جو لوگ حیات دنیا اور اس کی متاع کو فانی جاننے کے باوجود اس پر راضی اور مطمئن ہیں، وہ شعوری طور پر اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جاودانی کے مقابل فانی کو اہمیت دینا اللہ کی نشانیوں سے غفلت برتنے والوں کا معمول ہوتا ہے۔

حاصل : جو لوگ جزا کا انکار کرتے ہیں، وہ حیات دنیا پر راضی اور مطمئن ہو کر اللہ کی نشانیوں سے سبق نہیں لیتے۔ غفلت انہیں خیر کی طرف نہیں آنے دیتی۔ غافل کو کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور اس کو کسی بھی صورت میں امام نہیں بنانا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾ ان لوگوں کا ٹھکانا آگ ہے، بدلہ اس کا جو کسب وہ کرتے تھے۔

حیات دنیا پر راضی ہو جانے والے، اس کو مقصود بنا لینے والے، اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اس سے سبق نہیں لیتے۔ ان کے قلوب میں ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ ان کی زبانوں سے حب دنیا کے سوا کوئی کلمات نہیں نکلتے۔ ان کے ہاتھ اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے پاؤں اسی طرف چلتے ہیں، جس طرف جانے میں دنیا و آخرت کا خسارہ رکھا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا آخرت میں جہنم ہو گا۔

حاصل : دیکھنا چاہئے، ہم کیا کسب کر رہے ہیں۔ اپنے کاموں میں جن کو اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی، آخرت میں آگ کے ٹھکانے سے بچ جانا بھی ان کے بس میں نہیں ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٩﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کا ربّ انہیں ایمان کی راہ دے گا، نعمتوں والے باغوں میں، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

ایمان لانا ایک دعویٰ ہے۔ یہ دعویٰ کرنے والا حال پر شاہد کی صداقت کو برملا مانتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہے، کہ جو کچھ بھی شاہد کی پاک زبان سے اس دنیا اور آخرت کے بارے میں، میں نے سنا ہے، میں اس پر بن دیکھے ایمان لاتا ہوں اور اسے حق جانتے ہوئے مانتا ہوں۔ جب اس دعوے کے ساتھ شاہد کے اسوۂ حسنہ کو معیار بنا کر توفیق ایزدی کو استعمال کیا جائے، تو صالح اعمال

ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کر دیں گے۔ اس کا انعام حیات دنیا میں یہ ملے گا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عطا فرما دی جائے گی، خوف و حزن سے نجات مل جائے گی۔ آخرت میں نعمتوں والے سدا بہار باغ عطا ہوں گے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے، اسے دنیا میں ہدایت ملتی ہے، آخرت میں جنت سے اسے نوازا جائے گا۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ع

ان کی دعا اس جگہ یہ ہو گی، سُبحانک اللّٰہم اور ملاقات ان کی سلام ہے۔ اور دعا کے آخر میں وہ کہیں گے، کہ حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

جنتی حضرات اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، ذکر کرتے رہتے ہیں، جنت میں بھی یہ حضرات اللہ کی تسبیح کریں گے، ملاقات میں ایک دوسرے کو ادب سے سلام کریں گے، ایک دوسرے کی تکریم کریں گے، اور آخر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربّ العالمین کہہ کر ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے۔ دنیا میں بھی پاک لوگوں کا طریقہ یہی ہے، کہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، تسبیح کرتے رہتے ہیں، آپس میں ملتے وقت میزبان، مہمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا جان کر اسے سلام و تکریم سے نوازتے ہیں، اور مہمان، میزبان کی خدمت کو عطائے الٰہی جان کر اس کی قدر کرتے ہیں اور میزبان کا ادب کرتے ہیں۔ اور جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، تو سب کی زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربّ العالمین کا کلمہ ہوتا ہے۔

حاصل : ہمیں اللہ کی تسبیح کرتے رہنا چاہئے۔ کسی بھی نعمت کو پا کر راحت ہو، تو سُبحانک اللّٰہم کہنا چاہئے۔ ملاقات میں ایک دوسرے کو سلام کرنا چاہئے، اور ایک دوسرے کی سلامتی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کی حسن نیت کا یقین ہو تو مکالمات ہمیشہ اچھے ہونگے، اور آخر میں یہی کہا جائے گا، کہ حمد اللہ ہی کی ہے جو رب العالمین ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ق (۵۰) میں ارشاد فرمایا ہے:
رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنے والوں سے اور رجوع کرتے ہوئے قلوب کے ساتھ حاضر ہونے والوں سے یہ فرمایا جائے گا، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو، یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ان کے لئے اس میں ہے جو وہ چاہیں، اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ

اور اگر اللہ لوگوں کو برائی پہنچانے میں جلدی کرتا، جیسے وہ خیر کو جلدی مانگتے ہیں،

بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

تو ان کی اجل پوری ہو چکی ہوتی۔ تو ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ عالمین کا پالنے والا ہے۔ لوگوں کی طلب کو ان کے قلیل علم کے حوالے سے اہمیت نہیں دی جاتی ورنہ کچھ لوگ تو حق کی تصدیق کے لئے عذاب الٰہی کی سند مانگنے لگتے ہیں۔ بے باکی کی حد یہ ہوتی ہے، کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہمیں مٹا کیوں نہیں دیا جاتا، کا تکرار کرتے ہیں۔ جس قدر بھلائی کے جلد پہنچانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، اسی قدر جلدی وبال کی طلب میں بھی دکھاتے ہیں۔ اللہ کا کام علم مطلق سے ہوتا ہے، وہ لوگوں کے ساتھ رافت و رحم کا سلوک کرتا ہے، ورنہ ان کو دی گئی مہلت ختم ہونے میں دیر ہی کیا لگ سکتی تھی۔ جو لوگ اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی کچھ نہیں سیکھتے انہیں اللہ سے ملنے کی امید نہیں ہوتی۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ وہاں بھی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر کو دیکھیں اور ان پر ناقابل اصلاح ہونے کی مہر نہ لگ چکی ہو، تو ہدایت کی طرف آنے کا امکان ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ لوگوں کی طلب اکثر علم سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ جو وہ چاہے کرتا ہے۔ جو حق کا صریحاً انکار کرنے لگے اسے چھوڑ دینا چاہئے، مگر اصلاح کے امکان کی موجودگی تک اس کی بھلائی پر نظر رکھنی چاہئے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، ہمیں پکارتا ہے، لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے۔ پھر جب ہم اس سے وہ تکلیف کھول دیتے ہیں چل دیتا ہے، گویا کسی تکلیف میں اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح مُسرفین کو اچھا لگا جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

انسانی کمزوری ملاحظہ ہو کہ کہیں تو انسان عذاب الٰہی کو حق کی تصدیق کے لئے بشکل نشانی مانگتا ہے، اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو اپنا سارا زور لگا کر اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کوئی راستہ نظر نہیں آتا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اس طرح دعا کرتا ہے، کہ لیٹے ہوئے بھی اللہ کو پکارتا ہے، بیٹھے ہوئے بھی پکارتا ہے اور کھڑے ہوئے بھی پکارتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تکلیف کو کھول دیا جاتا ہے، تو وہ سجدۂ شکر نہیں بجالاتا، بلکہ وہاں سے اس طرح چل دیتا ہے جیسے کبھی اس

نے تکلیف میں اللہ کو پکارا ہی نہ ہو۔ اسے اپنی کارکردگی پسندیدہ نظر آتی ہے۔ اس کا غرور اور غفلت بڑھ جاتے ہیں۔ مُسرف کی نشانی ہے، کہ تکلیف میں مبتلا ہونے کی صورت میں اس کا رویہ اور ہوتا ہے، تکلیف دور ہونے پر اس کا رویہ بدل جاتا ہے، وہ حدود اللہ کا احترام کرنے سے بھاگتا ہے۔

حاصل : انسان کو مُسرف فرمایا گیا ہے، اور مُسرف اللہ کو پسند نہیں ہوتا۔ تکلیف کو باذن اللہ جان کر دعا کی جائے تو صبر کو قائم رہنا چاہیئے، اور تکلیف کے دور ہونے پر سجدۂ شکر کے ساتھ، اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔ اپنے عمل میں خوبی نظر آئے تو اسے بڑا خطرہ جاننا چاہیئے۔ صحیح سوچ والے خرابی کو اپنے اندر اور خوبی کو اللہ کے کرم کی بدولت جانتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾

اور بے شک ہم تم سے قبل کئی قرون کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں اور رسول ان کے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے اور وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ ہم قوم مجرمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

سابقہ امتوں کی ہلاکت ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتی رہی ہے۔ فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور جب کوئی قوم ظلم کو اپنا شعار بنالے تو پھر وہ ہلاکت سے بچ نہیں سکتی۔ روشن نشانیاں اس لئے ہوتی ہیں، کہ حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنا آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قریئے کو، کسی قرن کو کبھی ہلاک نہیں کیا گیا، جب تک وہاں ڈر سنانے والے حضرات، نصیحت کرنے والے حضرات، اپنا حق ادا نہ کر چکے ہوں۔ ناصحین سے محبت ہو، تو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ خلوت و جلوت میں عدم تضاد ہو اور استکبار سے نفرت ہو، تو ڈر سنانے والے محسن نظر آتے ہیں، ورنہ مجرم تو ناصحین کو اپنا انتہائی دشمن جانتے ہیں۔

حاصل : فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور ظلم باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ ناصحین سے محبت ہو تو ایمان نصیب ہوتا ہے، اور ایمان کا شرف مجرم لوگوں کو نہیں ہوا کرتا۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾

پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفے ٹھہرایا تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے، ان کے فسق کی وجہ سے، اور ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا جا چکا ہے۔ اب حال پر جن لوگوں کو اللہ نے زمین پر بسایا ہے، اور ان پر خلاف حق کرنے کے لئے کوئی جبر موجود نہیں،

اور شاہدین کی صورت میں اکمل نمونۂ حیات بھی ان کے سامنے موجود ہے، انہیں جس قدر توفیق دی گئی ہے، اسی قدر ان سے پوچھ ہوگی۔ خالق کل کے جو حقوق ہم پر مخلوق و مملوک ہونے کے اعتبار سے عاید ہوتے ہیں، ان کو ہم کس نیت کے ساتھ اور کس طریقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جارہا ہوتا ہے۔ اور اس کی مخلوق کے جو حقوق ہم پر اس کی مقرر کردہ حدود کی وجہ سے عاید ہوتے ہیں، انہیں ہم کس نیت کے ساتھ اور کس طریقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جارہا ہوتا ہے۔ اگر راستہ وہی اختیار کیا جائے، جس پر جانے والے پہلے ہلاک کئے جا چکے ہیں، تو نتیجہ ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ کیا جائے جو حق کے حوالے سے کیا جانا چاہئے، تو دنیا و آخرت میں فلاح حاصل ہوگی۔

حاصل : ہمیں دیکھنا چاہئے، کہ لوگوں پر ان کی انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر خلاف حق کرنے کے لئے کوئی جبر موجود نہ ہو، انہیں شاہدین کے حوالے سے پتہ ہو کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنے ہر ہر عمل میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھنا چاہئے، کہ وہ بہر حال ہمیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

اور جب ان پر ہماری آیاتِ بیّنات تلاوت کی جاتی ہیں، وہ جنہیں ہم سے ملنے کی امید نہیں کہتے ہیں، اس کے سوا کوئی قرآن لائیے، یا اسے بدل دیجئے۔ فرما دیجئے، میرا کام اسے اپنی طرف سے بدلنا نہیں، میں اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جائے، اپنے ربّ کی نافرمانی سے یوم عظیم کے عذاب کا ڈر ہے۔

جو لوگ حیات دنیا کے لذائذ و مرغوبات کو مقصد بنا لیتے ہیں اور جزا کا یقین نہیں رکھتے، جب ان کے سامنے قرآن پاک کی واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ کہتے ہیں، یہ قرآن ایک طرف رکھ دیجئے، کیونکہ اس میں بیان کردہ اصول و ضوابط پر عمل کرنے سے ہمارا تعلق ماضی سے منقطع ہو جانا یقینی ہے، اس میں بیان کردہ نظام معیشت ہمارے نظام معیشت سے متصادم ہے، اس میں بیان کردہ طریق زندگی میں لوگوں کی تکریم وسعت مال کے حوالے سے نہیں ہوتی، اس میں ہمیں خواہشات کی پیروی چھوڑنے کا حکم نظر آتا ہے، جو نظام ہماری خواہشات پر استوار ہے، وہ اس قرآن کو ماننے سے ناپید ہو جائے گا، آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیے، یا اس میں ہماری پسند کے مطابق تبدیلیاں کر دیجئے، ہم آپ کی قیادت تسلیم کرلیں گے، آپ کی سیادت تسلیم کرلیں گے۔ کافروں کا یہ کہنا، نظر آنے والے انقلاب کو بدلنے کی ایک کوشش تھی۔ جواب میں یہ فرمایا گیا، قرآن پاک علیم مطلق کا فرمان ہے، علم مطلق سے ہے، اس سے بہتر طریق زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کہ اس طریق کا ذکر خالق کل نے کیا ہے۔ میں وہی کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے، اور جس کا حکم دیا جاتا ہے، اسی کے کرنے میں فلاح ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو ایک بڑے دن کے عذاب سے، اس نظام حیات کی بیخ کنی ہو جائے گی جس کو تم عزیز رکھتے ہو۔

حاصل : جن لوگوں کو جزا کا یقین نہیں ہوتا، وہ حق کے مطابق ہونے کی بجائے حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاہد کا حق یہی ہے، کہ وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جواب دے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

فرما دیجئے، اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر تلاوت نہ کرتا، نہ وہ تمہیں اس کی خبر کرتا۔ تو بے شک میں اس سے قبل تم میں ایک عمر رہ چکا ہوں۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

اللہ نے یہ چاہا کہ اس کا فرمان، اس کے رسول کی زبان پاک سے لوگوں تک پہنچے، اس لئے ایسا ہوا۔ اگر اللہ یہ نہ چاہتا تو یہ نہ ہوتا۔ مشیّت اللہ کی قدرت ہے جس سے نتائج اس طرح مرتب ہوتے ہیں، جیسے اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مشیّت یہ تھی کہ قرآن پاک، اس زبان پاک سے لوگوں تک پہنچے، جس کی صداقت و عفّت، شکوک و شبہات سے بالا ہو۔ اور اس کی مشیت یہ بھی تھی، کہ قرآن پاک واضح عربی زبان میں ہو۔ اس کی مشیّت یہ بھی تھی کہ سامعین اسے سمجھ جائیں، اس کے محاسن کو جان جائیں، اس میں پیش کردہ نظام زندگی کے تمام پہلو انہیں احساس دلائیں، کہ وہ جس راستے پر جارہے ہیں، وہ ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ پورے عالم کو سلامتی کے ساتھ حسن معاشرت کے اس مقام پر پہنچانا، جہاں انسان ہر شے کا مطلوب ہو، اور بندوں کی تکریم تقوٰے کے حوالے سے ہو، کسی دوسرے صاحب کے پیش نظر تھا ہی نہیں۔ اللہ کا کلام بے مثل، اس کلام کا پہنچانے والا صداقت کا نمونۂ اکمل، پھر اس کی حیات طیبہ کے چالیس برس ان لوگوں کے سامنے ہوں جو اس کے ارشاد گرامی کے پہلے سننے والے ہوئے، تو پھر عقل کا تقاضا یہ نہیں ہو گا کہ اسے عام سی بات جان کر اہمیت نہ دی جائے، بلکہ یہ ہو گا، کہ اللہ کے پاک کلام کو سنا جائے، اس کی صداقت کو مانا جائے، زندگی کی مقصدیّت کو دیکھا جائے، اس کو پورا کرنے کے لئے شاہد کا اتباع کیا جائے۔ خوف و حزن سے نجات مل جائے تو یہ ہدایت پانے کی سند ہو گی۔

حاصل : اللہ کی مشیّت کو ادب سے ماننا چاہیئے۔ قرآن پاک سمجھ میں آنے والی کتاب مبین ہے۔ عقل کرنے والے وہی ہیں، جو اپنی زندگی کو حق کے مطابق بناتے ہیں۔ جو خلاف حق کرتے ہیں، وہ عقل نہیں کرتے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے، یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ بے شک مجرم فلاح نہیں

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

پاتے۔

جو فرمان خداوندی کے خلاف حکم کرے وہ ظالم ہوتا ہے، اور جو کسی بات کو گھڑ کر، اپنی پسندیدہ بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے، وہ اظلم ہوتا ہے۔ اس کی آیات کو جھٹلانے والا بھی سب سے بڑا ظالم ہوتا ہے، جو کسی آیت پاک کو غلط تو کہہ دیتا ہے، مگر کوئی سند پیش نہیں کرتا، اور یہ بھی نہیں بتا سکتا، کہ صحیح کیا ہے۔ اظلم ہمیشہ مجرم ہوتے ہیں، اور مجرم فلاح نہیں پاتے۔ فلاح وہ راحت ہے، جو حق کی ادائیگی کے بعد حق ادا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ جسے فلاح نصیب ہو، وہ مدح کو سن کر اللہ کا شکر کرتا ہے کہ فیض پانے والوں کو سکھ ملا ہے، اور ذمّ کو سن کر پریشان نہیں ہوتا، اور یہ جا ہے کہ زاویہ نگاہ کے صحیح ہونے تک ان لوگوں کی زبان سے مذمت کے کلمات ہی نکل سکتے ہیں۔ یہ استقلال، یہ استقامت فلاح پانے والوں کی شان کے ہی لائق ہے۔

حاصل : اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے بھی اظلم ہوتے ہیں، اور اس کی آیات کی تکذیب کرنے والے بھی اظلم ہوتے ہیں۔ اظلم ہمیشہ مجرم ہوتے ہیں، اور مجرم فلاح نہیں پاتے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ انہیں ضرّر پہنچا سکیں اور نہ نفع اور کہتے ہیں، کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ فرما دیجئے، کیا اللہ کو وہ خبر دیتے ہو، جو اس کے علم کے مطابق نہ آسمانوں میں ہے، اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور ان کے شرک سے بہت بلند ہے۔

کافر اپنی تجاویز کو متشکّل کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی تجاویز سے جو شکل بھی بنے گی، وہ تو اپنی ذات کے لئے بھی بنانے والوں کی محتاج ہوگی، چہ جائیکہ اسے نفع و ضرّر پر قادر مان لیا جائے۔ نفع و ضرّر پر جس ذات پاک کو قدرت ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، وہ ذات پاک خالق کل اور لاشریک ہے۔ کافروں کا یہ خیال کہ ان کی خواہشات اور تجاویز سے بننے والی صورتیں، مورتیں، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گی، اور یہی مورتیں لائق عبادت ہیں، بے بنیاد ہے۔ خالق کل نے یہ مقام ہی نہیں رکھا، کہ خواہشات کی پیروی کرنے والے گمراہی سے بچ سکیں، اور اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا اذن پانے کے بغیر کوئی شفاعت کا مقام پا سکے۔ شاہدین، شہادت دیتے چلے آ رہے ہیں، کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اس کے فرمان کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دینا شرک ہے، اور ظلم عظیم ہے۔ اس لئے شفاعت کرنے والوں کو معبود بنا لینا بھی قطعاً ان کی تعلیمات کے منافی ہے۔ اللہ کے قریب ہونے کی صورت یہی ہے، کہ جو اس کے قریب ہیں، ان کا قرب حاصل کیا جائے۔ اللہ کو دوست بنانے کر

لئے ضروری ہے، کہ اللہ کے دوست کو دوست بنالیا جائے۔ جو مقام خالق کل نے رکھا ہی نہیں، وہ نہ آسمانوں میں ہو سکتا ہے، نہ زمین میں ہو سکتا ہے، اور نہ آسمان و زمین کے مابین کہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، شان صمدیت کا مالک ہے، یوم الدین کا مالک ہے، علیم مطلق ہے۔ کسی کو بھی اس کا شریک ٹھہرانا، انتہائی جہالت اور بے ہودگی ہے۔

حاصل : انسان کی تجویز اسے کبھی نفع اور ضرر نہیں دے سکتی۔ نفع اور ضرّر باذن اللہ ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا اختیار اسے ہوتا ہے، جسے اللہ یہ شرف عطا فرمائے۔ غیر واقعی کسی کے کہنے سے واقع نہیں ہو سکتی۔ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، انتہائی جہالت اور بے ہودگی ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾

اور لوگ امت واحدہ تھے، پھر مختلف ہوئے۔ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہو نہ چکی ہوتی، تو ان کے مابین فیصلہ ہو جاتا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا دین ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے، اور ہر نبی کے منکرین کے خاتمے کے بعد بھی لوگ ایک ہی امت تھے۔ جہاں بھی حق میں لوگوں نے اپنی خواہشات کو شامل کیا، وہ اختلاف کرنے والے ہوئے اور حق سے الگ ہو گئے۔ جب بات حق کی ہو اور حال پر شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہو گی۔ یہ وہ کلمہ ہے، جس کی وجہ سے اس امت کو مہلت دی گئی ہے، ورنہ اللہ کو حق اور ناحق کے مابین فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل : جب بات حق کی ہو، اور حال پر شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب حق میں اپنی پسند کو شامل کیا جائے، تو پھر حق سے اور اہل حق سے اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہو گی۔ اس کلمے کی وجہ سے رعایت دی جا رہی ہے، ورنہ اللہ کو حق اور ناحق کے مابین فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾

اور کہتے ہیں، ان پر ان کے رب کی طرف سے کیوں نشانی نازل نہیں ہوئی۔ تو فرما دیجئے کہ غیب تو اللہ کا ہے، تو انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

سابقہ امتوں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے، کہ اللہ کے نبی ان کے پاس تشریف لاتے، وہ لوگ ان کی صداقت کی نشانی بشکل معجزہ طلب کرتے، اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھا دیا جاتا، پھر منکرین کو معجزہ دیکھ لینے کے بعد تھوڑی مہلت ہی دی جاتی تھی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح کی نشانی طلب کی گئی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا، کہ اثبات نبوت کے لئے حقائق موجود ہیں، تمہاری مطلوبہ نشانی تو اللہ تبھی عطا کرے گا، جب اس کی مشیت ہوگی۔ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ جب انسان کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم بالکلیہ ناکام ہو جائیں گے، تو پھر علم الٰہی کی جستجو ہوگی۔ تب سکھ کے متلاشی دیکھ پائیں گے، کہ وہ دلائل جن کو نہیں مانا جاتا رہا، دلائل قطعیہ ہیں اور وہ براہین جن کو نہیں مانا جاتا رہا، براہین نیرہ ہیں۔

حاصل : لوگوں کی مطلوبہ نشانی انہیں دکھا دی جائے، تو پھر انہیں حق کے انکار کے بعد مہلت نہیں دی جاتی۔ دلائلِ قطعیہ اور براہینِ نیرہ اثبات نبوت کے لئے موجود ہیں۔ جب انسان حقائق کو پانے کی طرف آئے گا، تو یہ روشن نظر آئیں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلِ ٱللَّهُمَّ فَاطِرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ عَٰلِمَ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِى مَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾ فرما دیجئے، اے اللہ، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، نہاں اور عیاں کے جاننے والے، تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا، جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں کسی دکھ کے بعد جو انہیں پہنچا تھا، وہ ہماری نشانیوں کے ساتھ مکر کرنے لگتے ہیں۔ فرما دیجئے، اللہ کی خفی تدبیر جلد ہو جاتی ہے۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔

دکھ میں انسان اپنی بے بسی کو دیکھ کر رجوع الی اللہ ہوتا ہے، اور یہ مانتا ہے، کہ نتائج باذن اللہ ہوتے ہیں۔ دکھ دور ہونے کے بعد جب اللہ اسے اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے، تو پھر وہ اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ دکھ تو انسانی زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں، پہلے لوگوں کی زندگی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ یہ کہنا اس لئے ضروری نظر آتا ہے، کہ دکھ کے وقت جس حق کو تسلیم کیا تھا، اس حق پر قائم رہنا محال نظر آتا ہے۔ ایسے وقت میں انسان، اللہ کی ان نشانیوں کے معنی بدلنے کی کوشش کرتا ہے، جن کو دکھ کے وقت اس نے صحیح تناظر میں دیکھا تھا۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد سے مکر جانا مکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم کرتا ہی نہیں۔ جب اللہ یہ چاہے کہ لوگوں کا مکر ان پر پڑے تو پھر دیر ہی کیا لگے گی۔ نتائج ہمیشہ باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ علیم مطلق کے جاننے کا مقام تو

بے مثل ہے، اس نے یہ انتظام بھی کر رکھا ہے، کہ اس کے فرشتے انسانوں کا عہد کرنا اور اس سے مُکر جانا، اس طرح اللہ سے مکر کرنا باقاعدہ لکھ رہے ہیں۔

حاصل : اللہ کی رحمت کا شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے، کہ دکھ میں جس حق کو مانا تھا، اس پر صداقت سے قائم رہا جائے۔ اپنے نفس کو اس کی بے بسی کا احساس دلاتے رہنا چاہئے۔ اللہ کو نتائج کی شکل بدلتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کی بدعہدی کا ریکارڈ تیار ہوتا رہتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾

وہی ہے جو تمہیں بر و بحر کی سیر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کشتی میں ہو، اور وہ انہیں طیّب ہوا سے لے کر چلے اور انہوں نے اس سے فرحت پائی، ان پر سخت ہوا کا جھونکا آیا، اور ہر طرف سے موج نے انہیں آ لیا، انہوں نے جان لیا کہ وہ گھر گئے، اللہ کو پکارنے لگے خالص اسی کے دین کے ہو کر، اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دی تو ضرور ہم شاکر رہیں گے۔

بر و بحر میں سفر کرنا انسانی ضرورت ہے۔ قطع مسافت کے لئے قدرت دینے والا، اس کے لئے اسباب مہیا کرنے والا اور سلامتی کے ساتھ سیر کے دائرے کو مکمل کرنے میں ہر مقام پر مدد دینے والا، اللہ ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بری سفر پیدل ہو یا سواری پر ہو، اللہ کی قدرت کے مظاہر اس میں ضرور ہوتے ہیں۔ بحری سفر میں جب کشتی ذریعہ سفر ہو اور موافق ہوا اسے لے کر ساحل مراد کی طرف جا رہی ہو، تو اس سے بڑی فرحت ہوتی ہے۔ متوقع منافع خوشی کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر اچانک ہوا ناموافق ہو جائے، اور ہر طرف سے آنے والی موج کشتی کو گھیرتی ہوئی نظر آئے، اور یہ معلوم ہونے لگے، کہ موت کے گھیرے میں آ چکے ہیں، جہاں سے فرار کی قوت بھی ہم نہیں رکھتے، اسباب بھی نہیں رکھتے، ایسے وقت میں رجوع الی اللہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اسباب سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اسباب کے مالک کو خالص اسی کے دین کے ہو کر پکارا جاتا ہے اور یہ دعا کی جاتی ہے، یا اللہ ہم پر واضح ہو گیا ہے، کہ تیری قدرت کا احاطہ ہر جگہ موجود ہے، اگر موجودہ مشکل سے تو ہمیں نجات دے دے تو تا حیات شکر گزار رہیں گے، اور غفلت میں کبھی نہیں پڑیں گے۔

حاصل : بر و بحر میں سامانِ سفر عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ قطع مسافت کی قدرت اور ذرائع مہیا کرنے والا جو بھی فرماتا ہے، ماننے والوں کی اس میں بھلائی ہوتی ہے۔ انسان موافق سے فرحت پاتا ہے، ناموافق سے گھبراتا ہے۔ جب اسباب پر سے اعتماد اٹھ جائے، تو اسباب کے مالک کی

طرف رخ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب موت کے گھیرے سے فرار ناممکن نظر آئے، تو اللہ سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے، اگر تو ہم کو اس سے نجات دے دے تو ہم تاحیات شاکر رہیں گے۔ اس وعدے کا ایفا کرنا بڑا حق ہے۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر جب انہیں نجات دی، جبھی زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔ اے لوگو، تمہاری زیادتی تمہیں پر ہے۔ حیات دنیا کی متاع ہے، پھر تمہیں ہماری طرف مراجعت کرنا ہے، تو ہم تمہیں خبر دیں گے جو عمل تم کرتے تھے۔

موت کے احاطے سے نجات پانے کے بعد، نجات دینے والے سے کیا ہوا عہد اسی کو یاد رہتا ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو ہر جگہ دیکھ لیا ہو، مان لیا ہو۔ جس نے اپنی وقتی مجبوری کے پیش نظر نجات کی درخواست کی ہو، اس کی وقتی مجبوری دور ہوتے ہی اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ طوفان سے نجات پا کر انسان، اللہ کی قدرت کے احاطے سے نکل تو نہیں جاتا، مگر یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالات میں کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لئے زمین میں ناحق بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، کہ تمہاری بغاوت، تمہاری شرارت، تمہیں پر پڑے گی۔ یہ حیات دنیا کی متاع ہے۔ تم اسے برت رہے ہو۔ تمہارا ہر عمل دیکھا جا رہا ہے، لکھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف تم اپنی واپسی کو روک لینے پر قادر نہیں ہو۔ وہاں تمہیں یہ بتا دیا جائے گا کہ تمہیں پتہ تھا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے، مگر تم اس کے خلاف کرتے رہے ہو۔ اس وقت عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا، اس لئے سوائے افسوس اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کو ہر جگہ دیکھنا چاہئے۔ زمین میں خلاف حق کرنا انسان کے لئے باعثِ عذاب ہو گا۔ حیاتِ دنیا کی متاع ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی یقیناً ہو گی۔ وہاں یہ بتا دیا جائے گا، کہ وہ کیا عمل کرتا رہا ہے۔ ہر ایک کو اسی کے اعمال کی خبر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي

حیاتِ دنیا کی مثل تو ایسی ہے، جیسے پانی کہ ہم نے آسمان سے نازل فرمایا، تو زمین کی نبات اس سے رَل مل کر نکلی، جو کہ آدمی اور جانور کھاتے ہیں، حتیٰ کہ جب زمین نے

إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَٰدِرُونَ عَلَيْهَآ أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

اپنا سنگھار لے لیا اور مزیّن ہو گئی، اور اس کے اہل کو گمان ہوا، کہ ہم اس پر قادر ہیں، ہمارا امر اس پر آیا رات میں یا دن میں، تو ہم نے اسے کاٹ کر ڈھیر کر دیا گویا کل تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم آیات کو مفصّل بیان کرتے ہیں تفکّر کرنے والے لوگوں کے لئے۔

حیات دنیا کی مثال بیان فرما کر انسان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے۔ وہ حقائق جن سے انسان کو واسطہ ہوتا ہے، ان پر غور و فکر سے انسان اس کائنات میں اپنی حیثیت اور قدرت کا تعین کر سکتا ہے، اور بھلائی کی راہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مردہ زمین کے اندر روئیدگی کی قوت نہیں ہوتی۔ اس زمین پر آسمان سے پانی برسا کر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرتا ہے، اور زندہ زمین سے نبات پیدا ہوتی ہے۔ اس سے انسانوں اور جانوروں کو خوراک ملتی ہے۔ زندگی کے تمام لوازمات کا عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جب زمین پر فصل خوب ہو، تو زمین اس سے سج جاتی ہے، اور اہل زمین کو یہ نظر آتا ہے کہ ہماری فصل خوب ہوئی ہے، اور عنقریب ہم اسے سنبھال لیں گے، تو اللہ کے امر سے اسے کٹا ہوا ڈھیر کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ کا امر کسی بھی وقت آ سکتا ہے، اور وہ زینت جو زمین پر بھلی لگتی ہے، ایسے ختم ہو جاتی ہے، جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ مردہ زمین کو زندہ کرنا، اللہ کا کام ہے۔ بیج سے پودے کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ زمین کو اس کی پیداوار سے زینت دے کر انسان کے غور و فکر کو دیکھنا بھی اللہ کا کام ہے۔ انسان ہر مقام پر اپنے عجز کو دیکھتا رہے تو حدود عبدیت کے اندر رہتے ہوئے اس دنیائے ناپائیدار کی بے ثباتی میں مست ہونے سے بچ جاتا ہے۔

حاصل : حیات دنیا کی مثال سے اپنے مقام، اپنی حیثیت اور اپنی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ حدود عبدیت کے اندر رہنے میں ہی سلامتی ہے۔ جو ماضی کا بھی مالک ہے، حال کا بھی مالک ہے، مستقبل کا بھی مالک ہے، غور و فکر کا تقاضا یہی ہے، کہ اسی کے فرمان کو مانا جائے، اور اسی کے ساتھ سے راحت حاصل کی جائے۔

وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَٰمِ وَيَهْدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عطائے بے بہا سے نوازنے کے ساتھ آگاہ بھی فرمایا ہے، کہ خلاف حق کرنے سے دنیا میں خوف

حزن کے دائرے سے نکلنا ناممکن ہو گا، اور آخرت میں آگ کا عذاب ہو گا۔ اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ سلامتی کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے، جو حیات دنیا میں حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں، اپنے قول و فعل میں رضاء الٰہی کو مقصود رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور بے شک آپ ان کو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ ہدایت اسے ہو گی، جسے اللہ چاہے گا۔ اللہ کے چاہنے کا معیار یہ ہے، کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سن کر اسے اپنے لئے دعوت فلاح مان لے، اور اپنی پسند کو ناصح کے ارشاد کے سامنے ہیچ جانے، اس منیب کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔ پھر جسے اللہ ہدایت دے، اس کو گمراہ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کے گھر کے لئے بلاوا سب کو ہے۔ صراط مستقیم کی طرف ہدایت اسے ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔ اور رجوع وہی لاتا ہے، جو دعوت خیر دینے والے سے جڑ جائے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

جنہوں نے بھلائی کی، ان کے لئے بھلائی ہے اور زیادہ بھی۔ اور ان کے منہ پر سیاہی اور ذلت نہ چڑھے گی۔ وہی اصحاب جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جن لوگوں نے صراط مستقیم کو حال بنا لیا ہو، وہ سلامتی کے گھر کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ وہ کسی مقام پر بھی اپنی پسند کو اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دیتے، رضاء الٰہی کے حصول کے لئے دوسروں کو آسانیاں مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حیات دنیا میں اس بھلائی کا بدلہ آخرت میں ان کو بھلائی کی شکل میں ملے گا۔ اللہ انہیں بڑی آسانیاں عطا فرمائے گا، بڑی رحمتوں سے نوازے گا۔ زیادت یہ ہو گی، کہ منبعِ راحت سے قرب نصیب ہو گا۔ ان لوگوں کے رخ حیاتِ دنیا میں درست ہونے کی وجہ سے آخرت میں سیاہی اور ذلت سے بلند ہوں گے، پر نور ہوں گے۔ آخرت پر یقین رکھنے والے کا رخ حیات دنیا میں درست ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کو اللہ ایسی راحت سے نوازے گا جو دائمی ہو گی۔

حاصل : رضاء الٰہی کے حصول کے لئے دوسروں کو سکھ دینا بھلائی ہے۔ اس کی جزا بھی بھلائی ہو گی۔ زیادت یہ ہو گی، کہ منبعِ راحت سے قرب ملے گا۔ جن کا رخ حیات دنیا میں ٹھیک ہو، وہ آخرت میں سیاہی اور ذلت سے بچ سکیں گے۔ اصحاب جنت کو دائمی راحت سے نوازا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ

اور جنہوں نے بُرے کسب کئے، برائی کی جزا اسی کی مثل ہو گی، اور انہیں ذلّت ڈھانپ لے گی۔ انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ گویا ان کے چہروں پر

قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧﴾

اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں۔ وہ دوزخ والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ خلاف حق کرتے ہیں، وہ کفر کرتے ہیں۔ انہیں حق سے آگاہی ہوتی ہے، مگر وہ عطاء الٰہی کو کفر، فسوق اور عصیاں پر لگاتے ہیں۔ یہی برے کسب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزا دینے کا ایسا علم رکھتا ہے، جو اسی کی شان بے مثل کے لائق ہے۔ برائی کی جزا کو برائی کی مثل رکھنا بہت بڑی بات ہے۔ انسان اپنے کئے کا بدلہ ہی پائے، اور اس پر حکم دینے والے قادر مطلق کی نافرمانی عذاب کو نہ بڑھائے، بہت بڑی بات ہے۔ برے کسب کرنے والے، حیات دنیا میں ظلمات کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ نور سے بھاگنے والوں کو قیامت کے دن ذلت ڈھانپ لے گی۔ وہ دن ان پر ایسا بھاری ہو گا، ایسا تکلیف دہ ہو گا، اس قدر ذلت آمیز ہو گا، کہ کوئی بھی ان کو اللہ سے بچا نہیں سکے گا۔ ان لوگوں کی روسیاہی اس درجے کی ہوگی، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں۔ ان کے اعمال ان کے چہروں سے عیاں ہوں گے۔ وہ دوزخ والے ہیں، وہاں سے نکل جانا ان کے بس میں نہیں ہو گا۔

حاصل : کفر، فسق اور عصیاں سب برے کسب ہیں۔ ان کی جزا انہی کی مثل ہوگی اور اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ ذلت اور روسیاہی بداعمال کا نتیجہ ہوگی۔ جو حق کا کلی انکار کرتے ہیں، وہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا۟ مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے، پھر مشرکوں سے فرمائیں گے، اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک کھڑے ہو، تو ہم انہیں جدا کر دیں گے، اور ان کے شریک کہیں گے، تم ہماری بندگی تو نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جزا کے لئے اٹھائیں گے۔ جو لوگ فرمان خداوندی کو مانتے تھے جیسے ماننے کا حق تھا انہیں اس دن خوف و حزن نہیں ہو گا۔ جو لوگ حیات دنیا میں شرک کرتے رہے ہوں گے ان کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔ جب مشرکوں کو ان کے شرکاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا، تو ان کے اور ان کے شرکاء کے مابین تعلق ختم ہو جائے گا۔ اور جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر مشرک شرک کرتے رہے، وہ پکار کر کہیں گے، کہ تم لوگ ہماری بندگی تو نہیں کرتے تھے۔ ہماری بندگی تب تھی، جب ہمارا دعویٰ ربوبیت کا ہوتا، ہم جزا دینے پر قادر ہونے کا دعویٰ کرتے، ہم حدود بندگی کا تعین کرتے، ہم اپنی پسند کے معیار کو شاہد بنا کر تمہارے پاس بھیجتے اور کہتے کہ فلاح کے لئے اس کا اتباع کرو۔ یہ سب اللہ کی شان ہے، جس کی کوئی مثل نہیں تم جو بھی کرتے رہے، وہ تمہاری اپنی خواہشات کی پرستش تھی، اسے ہماری بندگی کہنا غلط ہے۔

حاصل : خالق کل اللہ ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ مشرک کا معبود اس کی خواہش سے بنتا ہے۔ قیامت کے دن غیر حقیقی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر مشرک، شرک کرتے ہیں، وہ پکار کر کہیں گے، تم لوگ اپنی خواہشات کی پرستش کرتے تھے، یہ قطعاً ہماری بندگی نہ تھی۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو ہمارے اور تمہارے مابین اللہ کی شہادت کافی ہے، کہ ہمیں تمہاری بندگی کی بالکل خبر نہ تھی۔

جن ہستیوں کو مشرک لوگ، اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہ یہ کہیں گی، کہ اللہ کی گواہی ہی خلوت و جلوت میں کفایت کرتی ہے کہ نہ ہمارا اللہ سے کچھ مخفی ہے نہ تمہارا اللہ سے کچھ مخفی ہے۔ ہم اس امر کی شہادت دیتے ہیں، کہ ہمیں تمہاری بندگی کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہم تو بندگیٔ خدا کرتے رہے ہیں۔ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ نتائج کو اس کی مشیت کے تابع مانتے رہے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے رضاء الٰہی کو مقصود جانتے رہے ہیں۔ ہماری طریقت تو اظہار بندگی سے آگے کچھ نہ تھی۔ اگر تم نے ہمارا اتباع کیا ہوتا تو ہمیں یقیناً اس کی خبر ہوتی۔ جو کچھ تم کرتے رہے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

حاصل : عباد مخلصین کی شان اظہار بندگی ہے۔ جو ان کا اتباع کرتا ہے وہ ان کے ساتھ ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے، وہ گمراہ ہے۔ گمراہ سے مخلصین کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

النصف ۸

یہاں ہر نفس جانچ لے گا، جو اس نے پہلے کیا تھا، اور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا حقیقی مولا ہے، اور ان سے جاتا رہے گا جو افترٰی وہ باندھا کرتے تھے۔

جب تمام خلق کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا، تو ہر نفس کو پتہ چل جائے گا، کہ اس نے کیا کیا تھا، اور فلاح پانے کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ جس مالک کل نے انہیں توفیق دی تھی اور حیات دنیا کے اصول و ضوابط مقرر کئے تھے، اسی مالک کل کی خدمت عالیہ میں حساب کے لئے پیش ہونا پڑے گا، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ جزا دینے والا اللہ ہی ہے۔ اس دن مکذبین حق سے وہ افترٰی جو وہ حیات دنیا میں باندھا کرتے تھے، گم ہو جائیں گے۔ جب عبرتناک انجام اپنی آنکھوں سے نظر آ رہا ہو، اور اس سے بچ جانے کا کوئی امکان بھی نہ ہو، تو پھر بے اصل باتیں بنانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

حاصل : جب آخرت میں جزا کے لئے لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا، تو ہر نفس کو پتہ چل جائے گا، کہ اس

نے پہلے کیا کیا تھا۔ جزا دینے والا مالک کل ہے۔ بے اصل باتیں، ناقص خیالات، بے سند اندازے قیافے اور حق کے انکار کے لئے گھڑی گئی سب کہاوتیں، اس دن ناپید ہو جائیں گی، اس لئے انہیں حال پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ النمل (۲۷) میں ارشاد فرمایا ہے:

مَن جَآءَ بِٱلۡحَسَنَةِ فَلَهُۥ خَيۡرٞ مِّنۡهَا وَهُم مِّن فَزَعٖ يَوۡمَئِذٍ ءَامِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوهُهُمۡ فِي ٱلنَّارِ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ إِلَّا مَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ﴿٩٠﴾

جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر صلہ ہے اور انہیں اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے۔ اور جو بدی لائے ان کے منہ اوندھائے گئے آگ میں۔ تمہیں کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل تم کرتے تھے۔

قُلۡ مَن يَرۡزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ أَمَّن يَمۡلِكُ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡأَبۡصَٰرَ وَمَن يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتَ مِنَ ٱلۡحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلۡأَمۡرَۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُۚ فَقُلۡ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾

پوچھئے، تمہیں کون رزق دیتا ہے، آسمان اور زمین سے، یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کر مردے سے اور کون نکالتا ہے مردے کو زندہ سے، اور کون امر کی تدبیر کرتا ہے، تو کہیں گے 'اللہ' تو فرما دیجئے پھر ڈرتے کیوں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا ہے کہ اپنی پسند کو اہمیت دینے والوں سے پوچھئے، کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے۔ یہ رزق آسمان سے بارانِ رحمت کے سبب سے ملتا ہے۔ چاند اور ستاروں کے نباتات پر اثرات کی بدولت بھی ملتا ہے۔ زمین سے نباتات اگتی ہیں۔ اس کے لئے مناسب نمی، مناسب درجہ حرارت اور مناسب ماحول لوازمات ہیں۔ اپنے وجود پر نظر کر کے کان اور آنکھوں کی اہمیت کو دیکھو۔ کان سے سنتے ہو اور اس سننے کی وجہ سے تمہیں کتنے فائدے ہوتے ہیں۔ آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ کیسی کیسی زینت اور راحت کا سامان مہیا کرتے ہو۔ یہ نعمتیں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ بیج سے پودے کو پیدا کرنے والا کون ہے، اور پودے سے پھر بیج کو پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس دائرے کو قائم رکھنے کی تدبیر کون کرتا ہے، اور اگر یہ دائرہ قائم نہ رہے تو کون ہے جو ضروریات زندگی کا بندوبست کر سکے۔ سب کام کس کے ہیں۔ جواب دیں گے، اللہ کے ہیں۔ جب وہ تسلیم کر لیں کہ یہ سب اللہ ہی کرتا ہے، تو پھر فرمایئے کہ اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو۔ اس سے ڈرنے کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ اس کی رضا کے لئے جس میں یقیناً ماننے والوں کی بھلائی کا ثبوت موجود ہوتا ہے شاہد کا اتباع کیا جائے۔ اور کسی بھی مقام پر من مانی نہ کی جائے۔

حاصل : دعوت غور و فکر دینے کے لئے، انسان کے تجربے اور مشاہدے کو ذریعہ بنانا چاہئے۔ اور جب

وہ تسلیم کر لے کہ اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے والی قوت اللہ کے پاس ہے، تو پھر یہ کہنا چاہئے، کہ اس سے ڈرنے میں تغافل بھی نہیں ہونا چاہئے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

تو یہ ہے اللہ تمہارا سب سے بڑا پالنے والا۔ پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ تو کہاں پھرے جاتے ہو۔

خالق کل، مالک کل، رب مطلق اللہ ہی ہے، جو کسی کا محتاج نہیں، اور جس کے سب محتاج ہیں۔ جس نے سب کو پیدا کیا اور جو کسی سے پیدا نہیں ہوا، جس کی کوئی مثل نہیں، جو ہر شے کا مالک ہے مگر کسی بھی شے کی احتیاج نہیں رکھتا۔ جو سب کو پالتا ہے اور بڑے علم سے پالتا ہے۔ جس نے سب کو توفیق دی ہے، وہی حساب بھی لے گا۔ جب حق کو جو اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے تسلیم کر لیا جائے، تو فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ اور حق کا انکار کر دیا جائے تو پھر گمراہی سے بچنا ناممکن ہے۔ ان روشن براہین کے بعد اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا صریحاً بے عقلی ہوگی۔

حاصل : ربِّ مطلق اللہ ہے، جو سب پالنے والوں کو پالنے والا ہے اور جس کی کوئی مثل نہیں۔ جس نے توفیق دی ہے، جس نے انسان پر حق کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے، وہی جزا دینے والا ہے۔ جب اس کے احاطہ قدرت سے باہر جانا ممکن ہی نہیں تو پھر اس کا انکار خلاف عقل ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح تمہارے رب کی بات فاسقوں پر پوری ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فاسقین کو کبھی ہدایت کی طلب ہی نہیں ہوتی، اس لئے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔ جو بھی اللہ کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ کرے اور عملاً اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہے، اسے شاہد سے، ناصح سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ حالت فسق و منافقت میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ فسق سے بچنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے، اسی لئے ہر ایک پر فسق سے بچنے کا حق عائد ہوتا ہے۔ جو فسق و فجور سے بچتا ہے، اسے اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ جو فسق و فجور کو اپنا شعار بنالیتا ہے، اسے اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ راستے کا انتخاب انسان کرتا ہے۔

حاصل : شاہد کو رواجاً مانا جائے، تو اس سے محبت کا رشتہ استوار نہیں ہوتا۔ ناصح سے محبت نہ ہو، تو ایمان لانے کا مقام آتا ہی نہیں۔ اللہ کی بات ہر ایک کے متعلق ہر حال میں پوری ہوتی ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

فرمایئے، تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو خلق کو اول بنائے، پھر اعادہ کرے۔ فرما دیجئے، اللہ خلق کو پہلے بناتا ہے، پھر اعادہ کرے گا، تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ اس نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ مقصدیت کے تعین کے ساتھ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے نہ ہونے سے بنایا ہے۔ انسان کو اللہ نے عبودیت کے لئے خلق فرمایا ہے۔ اس کے لئے ارکان کو جمع کر کے نطفہ بنایا گیا۔ پھر اس کی پرورش کے کئی مدارج آئے۔ رحم مادر میں ایک معین وقت تک رکھنے کے بعد حمل وضع کرایا گیا۔ اور یہاں پیدائش کے عمل کی تکمیل ہوئی۔ اس پیدائش میں کسی مقام پر انسانی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔ حیات دنیا کے خاتمے کے بعد موت واقع ہوتی ہے، اور ہونے کے بعد نہ ہونے کا مقام آجاتا ہے۔ جس طرح پہلے اللہ نے انسان کو نہ ہونے سے بنایا ہے، اسی طرح موت کے بعد وہ اس کو نہ ہونے سے ہونا بنا دے گا۔ یہ اعادہ ہو گا، اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والے کو یہ نظر آتا ہے، کہ یہ اسی قادر مطلق کے لئے ممکن ہے۔ اور کسی کو تو یہ دعویٰ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب مبداء میں اللہ کی مطلق قدرت نظر آتی ہے، تو معاد پر اس کی قدرت کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر معاد پر اس کی مطلق قدرت کو مان لیا جائے، تو حق سے پھر جانے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : مبداء، خلقِ اول ہے۔ معاد، موت کے بعد حیات ہے۔ مبداء پر نظر ہو تو معاد سے انکار ممکن نہیں اور معاد کو مان لیا جائے تو مبداء اور معاد کے درمیان تمام مقامات پر رضائے الٰہی کو مقصود ہونا چاہئے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرمایئے، تمہارے شرکاء میں کوئی ہے، جو حق کی طرف راہ دکھائے۔ فرما دیجئے، اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف راہ دکھائے اس کا اتباع بڑا حق ہے، یا اس کا جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک اسے راہ نہ دکھایا جائے۔ تو تمہیں کیا ہوا، کیسا حکم لگاتے ہو۔

فلاح کی راہ دکھانے والا وہی ہو سکتا ہے، جو حق کا علم رکھتا ہو، اس کی احسن ادائیگی کی طریقت کو جانتا ہو، اور اللہ کے فرمان کو ادب سے مانتا ہو۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان میں کون ہے جو مشرکین کو یہ کہہ سکے کہ شرک کرتے چلے جاؤ اور اس کے نتیجے میں تم فلاح پاؤ گے۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ بشارت و انذار کے لئے شاہدین بھی اسی کی طرف

سے بھیجے گئے ہیں۔ شاہدین حق عبودیت کو اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ ان کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہوتی ہے، اور ان کا اتباع، اللہ کا اتباع ہوتا ہے۔ ان کا اتباع بڑا حق ہے، یا ان کا جو حقیقت کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ اپنے گمان کی پیروی کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے، وہ کیسی بات کر رہے ہیں۔ ایک طرف حق، اسناد کے ساتھ موجود ہے، دوسری طرف محض ان کی تجویز ہے، گمان ہے، جس کے ساتھ کوئی سند نہیں۔ حق کے مقابل بے سند تجویز کو اہمیت دینا صریحاً ظلم ہے۔

حاصل : مشرکین سے پوچھنا چاہئے، کون ہے تمہارے شرکاء سے جو حق کی طرف راہ دکھا سکتا ہے۔ حق کی راہ علم الٰہی کے تابع ہے۔ حق کی راہ دکھانے والے کا اتباع بڑا حق ہے، یا حقیقت کا کچھ بھی علم نہ رکھنے والوں کا۔ تقابل علم سے ہونا چاہئے، اور بات سند سے ہونی چاہئے۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

اور وہ اکثر تو ظن کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ بے شک ظن، حق میں کچھ بھی کام نہیں دیتا۔ بے شک اللہ کو علم ہے جو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین ہمیشہ اپنے ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ جو انہیں پسند ہوتا ہے، وہی کرتے ہیں، اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں، وہی درست ہے۔ حالانکہ وہ ہوتا ان کا گمان ہی ہے۔ ظن انسانی اندازے، قیافے سے تعلق رکھتا ہے، حق، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ظن کے ساتھ کبھی شہادت موجود نہیں ہوتی، حق کو بیان کرنے والا ہمیشہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ ظن کی حقیقت اندھیرا ہے، حق نور ہے۔ ظن میں وقتی راحت پیش نظر ہوتی ہے، حق کی ادائیگی میں دائمی راحت پیش نظر ہوتی ہے۔ ظن کا اتباع کرنے والا راہ عمل کا تعین کرنے میں خود کو آزاد جانتا ہے، حق کا اتباع کرنے والا ادب سے شاہد کی پیروی کرتا ہے۔ ظن کا اتباع کرنے والا آخرت کا انکار کرتا ہے، حق کا اتباع کرنے والا آخرت کا یقین رکھتا ہے۔ ظن کسی بھی مقام پر حق کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس کو فاعل کی نیت کا بھی علم ہوتا ہے، اس کے فعل کا بھی علم ہوتا ہے، اور اس کے نتائج بھی اللہ کی مشیّت کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا، کہ اس نے اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے گمان کی پیروی کی ہے۔

حاصل : مشرکین ہمیشہ ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ ظن کبھی حق کی ادائیگی میں کام نہیں آتا۔ حق جس کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اسی کے فرمان کی روشنی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ سے نہ نیت چھپی ہوتی ہے نہ فعل چھپا ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ کوئی اللہ کے مقابل اسے گھڑ لے۔ لیکن جو اس سے پہلے ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اُس کی تصدیق کرتا ہے، اور جو چیزیں تم پر لکھی گئی ہیں ان کو مفصّل بیان کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

ظنون و اوہام تو انسان افتریٰ سے بنالیا کرتے ہیں، لیکن حقائق و معارف کو بیان کرنے والی کتاب مقدس قرآن مجید کی کسی ایک سورۃ کے مثل لانے سے تمام جن و انس عاجز ہیں۔ جو کتابیں قرآن پاک سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں، قرآن پاک ان کی تصدیق کرتا ہے۔ کتب سابقہ کے وہ حصے جن کی تصدیق قرآن پاک سے ہوتی ہے، ان کی صداقت کو ماننا حق ہے۔ جو حقوق و فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو خاتم النبین ہیں، کی امت پر نازل فرمائے گئے ہیں، قرآن پاک میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ وہ زبان پاک جس کی صداقت کا اعتراف منکرین کو بھی تھا، گواہی دیتی ہے، کہ قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس میں بیان کردہ احکامات کو ماننے میں فلاح ہے، اس کے انکار میں خسارہ ہے۔ رب العالمین کے فرمان کو ماننے میں ہی فرد کی بھلائی ہے، اور اسی فرمان کو ماننے سے ہی اجتماعی بھلائی حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کے مقابل انسانی تخمین سے جو بھی اصول و ضوابط وضع کئے جائیں گے، اجتماعی بھلائی ان سے کبھی نہیں ہو سکے گی۔

حاصل : قرآن پاک انسانی گمان سے نہیں بنا۔ کتب سابقہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہے، حقائق و معارف کو بیان کرتا ہے، اور یقیناً رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس کو ادب سے پڑھنا، ادب سے ماننا، اور ادب سے رکھنا، باعث رحمت و برکت ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ کہتے ہیں، کہ یہ افتریٰ ہے۔ فرما دیجئے، ایسی ایک سورۃ لاؤ، اور اللہ کے مقابل جن کے بلانے کی تمہیں استطاعت ہو، بلالو، اگر تم صادق ہو۔

قرآن پاک کو افتریٰ کہنے والوں کو دعوت فکر دی گئی ہے، کہ افتریٰ کبھی بے مثل نہیں ہوتا۔ انسانی سوچ سے جو بات بنے گی، وہ کبھی بے مثل نہیں ہو سکتی۔ پھر فرد کی بات کے مقابل جماعت کی سوچ میں زیادہ لوگوں کی صلاحیتیں کام آئیں گی، اور فرد کی بات کے مقابل بہتر بات کرنے کا امکان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے اس اعجاز کو بیان فرمایا ہے، کہ اگر یہ انسانی گمان سے بنایا گیا قرآن ہے، تو تم اس کی مثل لے آؤ، بلکہ کسی ایک سورۃ کی مثل ایک سورۃ لے آؤ، اور انفرادی ہی نہیں اجتماعی کوشش بھی کر دیکھو جو بھی تمہارے بس میں ہو، اگر تم ایسا کر سکو تو یہ بات تمہاری صداقت کو ثابت کرے گی، اور اگر تم اپنے دعوے کے ساتھ مطلوبہ ثبوت کو پیش نہ کر سکو گے، تو یہ بات تمہارے کذب کو اور تمہارے افترے کو ثابت کر دے گی۔

حاصل : افترٰے کی مثل لانا کبھی ناممکن نہیں ہوتا۔ فرد کے مقابل جماعت بڑا افتریٰ لا سکتی ہے۔ قرآن پاک کا اعجاز دیکھئے کہ اسے افتریٰ کہنے والے کبھی بھی اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکے۔ اس کی کسی ایک سورۃ جیسی سورۃ لانے سے بھی عاجز لوگ قرآن پاک کی صداقت کی خاموش مگر بڑی روشن نشانی ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

بلکہ تکذیب کی جس کے علم پر انہیں احاطہ نہیں۔ اور ابھی ان کے پاس اس کی تاویل نہیں پہنچی۔ اسی طرح ان سے قبل والے بھی تکذیب کرتے رہے۔ تو نظر کرو ظالمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

قرآن پاک کو افتریٰ کہنے والے، علوم قرآن مجید سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا قرآن پاک کے متعلق بیان ان کی جہالت، سفاہت اور ان کے عدم تدبر کو ہی ظاہر کرے گا۔ قرآن پاک کے انکار سے لوگ مشکلات میں گھرتے چلے جائیں گے، اور انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم کو اہمیت دینے والے، اس طرح عاجز ہو جائیں گے، کہ ان کی سب تدبیریں اور اجتماعی بھلائی کی سب کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس وقت انہیں قرآن پاک کی تاویل کی ضرورت ہوگی، اور وہی تاویل، تفسیر اس وقت مسائل کا حل بھی دے سکے گی۔ اس سے پہلے بھی منکرین حق یہی کرتے رہے ہیں، کہ حق کی تکذیب کرتے کرتے وہ خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے تھے۔ فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والوں کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔ انہیں ایسی سزا ملی جس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت موجود تھی۔

حاصل : جس شے کے بارے میں ہمارا علم پورا نہ ہو، اس پر تبصرہ کرنا خلاف حق ہے۔ قرآن پاک کے بیان کردہ حقائق کے انکار سے مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی، اور بالآخر قرآن پاک کو ماننا پڑے گا۔ مکذبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی، اس لئے سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ ع

اور ان میں سے کوئی اُس پر ایمان لاتا ہے، اور کوئی ایمان نہیں لاتا، اور تمہارا رب مفسدین کو خوب جانتا ہے۔

قرآن پاک پر ایمان لانا یہ ہے، کہ اسے فرمان خداوندی مان کر، اس کے مقابل اپنی پسند کو چھوڑ دیا جائے، اور حکم خداوندی کو ماننے کے لئے، اسے خوب اچھی طرح جاننے کی شرط نہ لگائی جائے۔ حکم خداوندی کو مانا جائے، تو اس کو جاننے کا مقام آئے گا، ورنہ اس کی حقیقت کا کبھی پتہ نہیں چلے گا۔ جو لوگ قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے، وہ اس کو پڑھتے بھی ہوں، سنتے بھی ہوں، تب

بھی کرتے وہی ہیں، جو انہیں پسند ہو۔ یہ پتہ ہو، کہ حق کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئے، مگر اس کے خلاف کیا وہی جائے، جس کا نفس امر دے، تو یہی فساد ہے، اور ایسا کرنے والے مفسدین ہیں۔ اللہ ان کو خوب جانتا ہے، اس لئے مفسدین اپنے اعمال کی جزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

حاصل : قرآن پاک پر ایمان لانے والا جہاں بھی ہو، رحمت و برکت کا موجب ہو گا۔ قرآن پاک پر ایمان نہ لانے والا، فساد ہی کرے گا۔ مومن اور مفسد کو ایک جیسا جاننا خلاف حق ہے۔ مفسد کو قدر و منزلت دی جائے تو فساد بڑھتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر (۵۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اللہ کو بھلا بیٹھے، تو اللہ نے انہیں ان کے انفس سے بھلا دیا، وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

اور اگر وہ آپ کی تکذیب کریں، تو فرما دیجئے، میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے الگ ہو جو عمل میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو عمل تم کرتے ہو۔

حق کی روشن نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی اگر لوگ شاہد کی تکذیب کریں، اور فساد کی راہ اختیار کریں، تو ان سے یہ کہہ دینے کا حکم ہے، کہ حق کی تبلیغ کا فرض ادا کر دینے کے بعد اور تمہارے جھٹلانے کو دیکھ لینے کے بعد ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ میرے لئے میرا عمل ہے، تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم اس سے الگ ہو، جو میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو تم کرتے ہو۔ سب اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔ کسی کے عمل پر دوسرا ماخوذ نہیں ہو گا۔ جو نصیحت کو نہیں مانتے اور ہدایت کو قبول نہیں کرتے، ان کا وبال انہی پر پڑے گا۔

حاصل : شاہد کی شان یہی ہے، کہ حق کی تکذیب کرنے والے سے یہ کہے، کہ میرے لئے میرا عمل تمہارے لئے تمہارا عمل، تم اس سے الگ ہو جو میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو تم کرتے ہو۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ اگرچہ وہ عقل نہ کرتے ہوں۔

مکذبین میں سے کچھ لوگ شاہد کے ارشادات گرامی کو سنتے ہیں، مگر یہ سننا اگر بغض و عداوت کو بڑھا رہا ہو، اور عامل اپنی قوتوں کو خلاف حق استعمال کرنے سے نہ رکے، تو سننے میں اس نے سنجیدگی کا ثبوت نہیں دیا۔ ایسے بہرے کو حق کا سننا کیسے نفع دے سکتا ہے۔ عقل انسان کو تضاد سے پاک ہونے میں مدد دیتی ہے۔ عقل کرنے کا ثبوت اسی طرح ملتا ہے، کہ وقتی راحت کے بدلے دائمی دکھ نہ خریدا جائے، اور تھوڑی تکلیف سے بچتے ہوئے، بڑے عذاب کو اپنے لئے مقدر نہ کر لیا جائے۔ اگر رویہ اس کے خلاف ہو، تو یہ بے عقلی ہوگی۔ اور بہرہ اگر بے عقل بھی ہو، تو پھر اس کا کان لگانا اس کو کب نفع دیتا ہے۔

حاصل : جو شاہد کے ارشادات گرامی کو دل کے کانوں سے سنے وہ مانتا ہے۔ جو بظاہر سنے اور نصیحت اسے نفع نہ دے وہ بہرہ ہے۔ عقل کرنا، پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ عقل نہ کرنے کی حقیقت خسارے میں پڑنا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اور ان میں بعض آپ کی طرف نظر کرتے ہیں، تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے، اگرچہ وہ سوجھ نہ کرتے ہوں۔

شاہد کی طرف دیکھنے سے کچھ لوگوں کو یہ نظر آتا ہے، کہ شاہد کی صداقت کے دلائل ناقابل تردید ہیں اور تبلیغ حق میں اس کی کوئی غرض بھی پوشیدہ نہیں، مگر آنکھیں کیا اندھی ہوں گی، دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں، اور دل کے اندھے کو راہ دکھانا ممکن نہیں۔ جسے راہ حق کے دیکھنے کی طلب ہی نہ ہو، اس کو راہ حق دکھانا ممکن نہیں۔ آنکھیں اندھی ہوں اور دل اندھا نہ ہو تو راہ حق کا دیکھنا بھی ممکن ہے، نور ہدایت سے فیض پانا بھی ممکن ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔ دل کے کان بھی ہوتے ہیں، دل کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ تشریح الاعضاء کے اعتبار سے انسانی علم ابھی اس مقام پر نہیں پہنچا، کہ دل کے کانوں کا ظاہری کانوں سے، اور دل کی آنکھوں کا ظاہری آنکھوں سے تعلق دیکھا جا سکے۔ مگر مشاہدہ یہی ہے کہ ناصح سے محبت ہو، تو اس کا اسوۂ حسنہ حسن اخلاق کا اکمل نمونہ نظر آتا ہے۔ محبت نہ ہو تو شاہد کا مرتبہ بھی نظر نہیں آتا، اس سے نور ہدایت لینے کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ جس بات کو ٹھیک مان لیا جائے، اس پر عملاً پورا رہنے کی طریقت مطلوب ہو، تو سوجھ ہوگی، اور سوجھ کے بعد بوجھ کا مقام آتا ہے۔

حاصل : دل کے اندھے کی ظاہری آنکھیں بھی ہوں تو نور ہدایت سے استفادہ نہیں کر سکتیں۔ حق پر پورا رہنے کی طلب ہو، تو سوجھ کا مقام آتا ہے۔ سوجھ کے بعد بوجھ آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا،

النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴

ولیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل حق کا اثر قبول نہیں کرتے، ان کے دلوں میں موجود بغض و عداوت انہیں فساد کی راہ سے ہٹنے نہیں دیتا۔ نور ہدایت سے استفادہ نہ کرنا، قوائے ادراکیہ کو ناکارہ کر لینا، قبول حق کی طبعی استعداد کو ساکن کر لینا، اور حقائق کے مشاہدات کے بعد فرمان خداوندی کے خلاف چلنا، یہ لوگوں کا اپنے اوپر آپ ظلم کرنا ہے۔ اللہ کی یہ شان نہیں، کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے۔ وہ تو لوگوں کے ساتھ رافت و رحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔

حاصل : اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ رافت و رحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ لوگ جو قبول حق کی طبعی استعداد کو ضائع کر لیتے ہیں، مخلصین سے بغض و عداوت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں، صریحاً خسارے کی راہ اختیار کر کے اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵

اور جس دن انہیں اکٹھا کرے گا، گویا وہ دن کی ایک گھڑی ہی رہے تھے، ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بےشک وہ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھلایا خسارے میں پڑے، اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

حشر کے دن لوگوں کو موت کے بعد اٹھایا جائے گا، اور انہیں موقف حساب میں حاضر کرنے کے لئے جمع کیا جائے گا، تو لوگ محسوس کریں گے، کہ اس سے پہلے گزرا ہوا وقت تو بہت ہی مختصر تھا۔ تکلیف کے لمحات سامنے ہوں اور ان کا خاتمہ بھی نظر نہ آ رہا ہو، تو اس کے مقابل آرام کے لمحات بہت مختصر معلوم ہوتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے، مگر ہر ایک کو اپنی ذات کی جزا کے بارے میں فکر لاحق ہوگی۔ جن لوگوں نے اللہ سے ملنے کا انکار کیا، وہ لقاء اللہ کے انکار کی وجہ سے صریحاً خسارے میں پڑیں گے۔ وہ ہدایت پانے والے جو نہ تھے، آخرت پر عدم یقین ہی انہیں من مانی کرنے کی طرف لے گیا تھا، اب اسے سامنے پا کر کس قدر افسوس کریں گے وہ بیان میں کب آ سکتا ہے۔

حاصل : لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔ ایک دوسرے کی پہچان تو ہوگی، مگر فکر اپنی اپنی لاحق ہوگی۔ لقاء للہ کے منکر خسارے میں پڑیں گے۔ جو ہدایت یافتہ نہیں اس کا مستقبل تاریک ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

اور اگر ہم آپ کو اس میں سے کچھ دکھائیں جس کا انہیں وعدہ دے رہے ہیں، یا آپ کو وفات دیں، تو ہماری ہی طرف ان کی مراجعت ہوگی۔ تو اللہ دیکھ رہا ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔

اسلام کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے، کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ اسی طرح کافروں کو عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھانے کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے بیان ہوا ہے، وہ پورا ہے، اور پورا ہو گا۔ آپ کی حیات طیبہ میں ہو یا بعد از وفات ہو، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کس وعدے کو کس قدر پورا کرنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور مراجعت تو سب کی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی۔ وہ سب کی خلوت و جلوت کو دیکھ رہا ہے۔ کسی کا کوئی کام اس سے مخفی نہیں ہے۔ عذاب آخرت کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کو آخرت میں پورا کر کے دکھایا جائے گا۔ جزا دینے والا بہر حال دیکھ رہا ہے، کہ کیا کیا جا رہا ہے، اور کیا کیا جانا چاہیے تھا۔

حاصل : شاہد کی بات ہمیشہ حق کی بات ہوتی ہے، اور ہمیشہ پوری ہوتی ہے، اس کی حیاتِ طیبّہ میں ہو یا بعد از وفات ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اسی کی طرف سب کی مراجعت ہوگی۔ وہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ کوئی اللہ سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

اور ہر امت کا ایک رسول ہوا۔ پھر جب ان کے پاس رسول پہنچتا ان پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان پر ظلم نہیں ہوا۔

ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اس نمونہ اکمل کو رسول فرمایا گیا ہے، جس کا اتباع دنیا میں خوف و حزن سے نجات دلائے، آخرت میں نار جہنم سے بچائے، عطاء الٰہی کے استعمال کی طریقت بتائے، جس سے اخلاق حسنہ اور تقویٰ تکریم کا پیمانہ بنے، اور وسعت مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم اور قدر و منزلت معمول نہ بنے۔ جب بھی کسی قوم کی طرف رسول خدا تشریف لائے، انہوں نے حق تبلیغ ادا کیا، تو ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو گئے۔ ماننے والوں نے یہ دیکھا، کہ رسول خدا نے اجر کا سوال نہیں کیا، جو کچھ فرمایا ہے، اس میں ماننے والوں کی بھلائی ہے، اور وہی زندگی گزارنے کا احسن طریقہ ہے، اس لئے انہوں نے محبت اور ادب کے ساتھ رسول خدا کی اطاعت کی۔ نہ ماننے والوں نے یہ کہا، کہ ہم تو وہی کریں گے، جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو کرتے دیکھا ہے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کہ اپنی خواہشات کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے۔ جس نے جو رخ

حمید کیا، اسے اسی کی جزا دی گئی۔ کسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہوا۔ انصاف کے ساتھ ہونے والے فیصلے میں منصف حق کو روشن کرتا ہے، کسی کی خوشی، ناخوشی کو نہیں دیکھتا۔

حاصل : اتمامِ حجت اللہ کی سنّت ہے، جو ہمیشہ پوری ہوتی رہی ہے۔ جو عنداللہ معیار ہے، اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلم و مجرم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، اللہ کی شان ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ عبادِ مخلصین کو بھی فیصلہ کرتے وقت حق کو روشن کرنا چاہئے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾

اور کہتے ہیں، کب ہے یہ وعدہ اگر تم صادق ہو۔

شاہد کی زبان پاک سے عذاب کی وعید سن کر کافر کہتے ہیں، کہ عذاب کی جو دھمکی آپ دے رہے ہیں، یہ کب پوری ہوگی۔ اگر آپ سچے ہیں، تو اس عذاب کو لے آیئے۔ بےوقوفی ملاحظہ فرمایئے، کہ عذاب کے آنے پر شاہد کی صداقت کو مان لینا نافع نہیں ہوتا، اور یہ کافر عذاب الٰہی کو ہی شاہد کی صداقت کی سند کے طور پر طلب کرنے لگتے ہیں۔

حاصل : کافر اتنی عقل بھی نہیں کرتے، کہ اپنی بیخ کنی کو شاہد کی صداقت کی سند جانتے ہیں۔ عذاب الٰہی کے آ جانے کے بعد شاہد کی صداقت کو مان لینا نفع نہیں دیتا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

فرما دیجئے، میں اپنے نفس کے ضرّر اور نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک اجل ہے، جب ان کی اجل آ جائے گی، تو نہ ایک ساعت پیچھے سرک سکیں گے اور نہ آگے سرک سکیں گے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پاک سے یہ ارشاد فرمایا، کہ میں اپنی ذات کے لئے ضرر اور نفع کا مالک نہیں۔ ضرر اور نفع مشیّت الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے عذاب لے آنا میرا کام نہیں۔ عذاب کو آتا دیکھ کر اس سے آگاہ کر دینا میرا کام ہے۔ ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ یہ مہلت جب ختم ہو جاتی ہے، تو پھر اس کے آگے پیچھے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ حق کو مانتے ہیں، انہیں نہ ماننے والوں سے الگ کر لیا جاتا ہے، اور نہ ماننے والوں کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر وہ بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں۔

حاصل : ضرر اور نفع مشیّتِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ شاہد کی شان یہی ہے، کہ وہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے آگاہ کر دے، عذاب لا کر دکھانا اس کا کام نہیں ہوتا۔ جب کسی امت کو دی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے، تو

پھر وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہیں ہوتا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے، بھلا دیکھو تو اگر تم پر اس کا عذاب رات کو آئے یا دن کو آئے تو اس میں مجرموں کو جلدی کس چیز کی ہے۔

حق کے نہ ماننے والوں کو مجرم کہتے ہیں۔ وہ عذاب الٰہی کو اس طرح ب کرتے ہیں، کہ شاہد کی صداقت اس سے کم کسی سند سے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے، جس کے کھوکھلے پن کا انہیں احساس بھی ہوتا ہے، یہ کہتے ہیں، کہ عذاب لاکر دکھایئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ وہ تم پر رات کو آئے یا دن کو آئے، تم کیا بچاؤ کر سکو گے۔ جب بچاؤ نہیں کر سکو گے، تو پھر جلدی کس چیز کی ہے۔ دعوت تدبر کے اعتبار سے یہ بہت فکر انگیز بات ہے۔

حاصل : عمل کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہو جانے کے بعد حق کو مان لینا نفع نہیں دیتا۔ عذاب الٰہی رات کو آئے یا دن کو کسی تدبیر سے کسی علم سے اسے روکا نہیں جاسکتا۔ مجرمین کے رویئے میں بے عقلی واضح طور پر نظر آتی ہے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کیا جب واقع ہو جائے گا، اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب قائل ہوئے ہو اور تمہیں تو اس کی بہت جلدی تھی۔

عذاب الٰہی کے واقع ہو جانے کے بعد، حق پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ حق پر ایمان بالغیب کا مقام ہی گزر جائے، تو وہ ایمان نافع نہیں ہو سکتا۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر اگر مان لیا جائے کہ شاہدین کا ارشاد عین حق تھا، اور اس طرح اس عذاب سے بچنے کی تدبیر کی جائے، تو دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ اس عذاب کی تکذیب و استہزاء کرتے ہوئے مجرمین یہ کہتے رہے کہ اسے جلد لے آیئے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد قائل ہونا کسی کو سچا نہیں ثابت کر سکتا۔ قول، عمل کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔

حاصل : عذاب کے واقع ہو جانے پر عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر حق کو نہ ماننا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ماننا فائدہ نہیں دیتا۔ مجرمین دیکھتے نہیں کہ حق کی تکذیب و استہزاء سے وہ کس طرف جا رہے ہیں۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

پھر ظالموں سے فرمایا جائے گا، دائمی عذاب چکھو، تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو کسب تم کرتے تھے۔

قیامت کے دن ظالموں سے فرمایا جائے گا، کہ حق کی تکذیب کا نتیجہ، دائمی عذاب کی صورت میں تمہیں اپنی گرفت میں لے رہا ہے۔ یہ اسی کی جزا ہے، جو تم حیات دنیا میں کرتے رہے ہو۔ حق کو ماننے کی صورت میں فلاح کی بشارت بھی تم نے سنی تھی، اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب کی وعید بھی تم نے سنی تھی۔ تم نے حق کے انکار کا راستہ اختیار کیا، اور تم شعور کے ساتھ خلاف حق کرتے رہے۔ یہ تمہارے کئے کی پوری پوری جزا ہے۔

حاصل : آگ میں جلانے کی سزا دینا صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ دائمی سزا، اللہ ہی دے سکتا ہے۔ جس کو سزا دی جائے اس کو بتانا چاہئے، تم نے خلاف حق کیا اور جان بوجھ کر کیا، تم اس کی سزا سے آگاہ تھے، اس لئے سزا پاؤ۔

وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾

اور آپ سے پوچھتے ہیں، کیا یہ حق ہے۔ فرما دیجئے، ہاں اور میرے رب کی قسم! وہ یقیناً حق ہے، اور تم عاجز نہیں کر سکو گے۔

بعث بعد الموت کے بارے میں کافر یہ پوچھتے ہیں، کہ کیا یہ حق ہے۔ موت کے بعد خاک میں مل جانا اور وجود کے اجزا کا منتشر ہو جانا تو انہیں نظر آتا ہے، ان اجزا کو جمع کر کے زندہ وجود کو جزا کے لئے کھڑا کر دینا، یہ کافروں کو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ شاہد کی زبان پاک سے نکلا ہوا کوئی کلمہ خواہش نفس کے تابع نہیں ہوتا۔ اس زبان پاک سے حق کو بیان کرنے کے لئے اپنے ربّ کی قسم کھائی جائے، اور سامعین کو یقین دلانے کی کوشش کی جائے تو سامعین کو اپنے قیاس کے درست ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ بعث بعد الموت کے متعلق فرمایا گیا ہے، اس کو روک دینے پر کون قادر ہے۔ جو کچھ پہلے ہو رہا ہے، اس میں اللہ کی مشیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آئندہ ہو گا، اس میں بھی اللہ کی مشیت کا انکار نہیں ہونا چاہئے۔

حاصل : بعث بعد الموت، ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اللہ کی مشیت کا حال پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کو عاجز کرنا ناممکن ہے، کہ وہ قادرِ مطلق ہے، باقی سب کی قدرت اس کی عطا کردہ ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے۔
مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾
جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ

پھیرا تو ہم نے آپ کو ان کی حفاظت پر مامور نہیں کیا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اگر ہر ظالم نفس کے پاس ہوتا جتنا کچھ زمین میں ہے، تو وہ خود کو چھڑانے میں دے دیتا۔ اور عذاب کو دیکھ کر انہیں ندامت کا احساس ہو گا۔ اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہو گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

حکم خداوندی کے خلاف کرنا ظلم ہے۔ اور جب ظالم خود کو گرفت میں دیکھتا ہے، تو گرفت کی نسبت سے اپنی ملکیت سے خرچ کرتا ہے، مگر فدیئے میں اپنی بہت پسندیدہ چیزوں کو دے دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نفس کی خوشی اسی میں ہوتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اگر ظالم کے پاس مال و متاع کا خزانہ ہو، دفینہ ہو، اور بے حساب ہو، تو بھی وہ اسے اپنے فدیئے کے طور پر دینے کو تیار ہو گا۔ گرفت اتنی بڑی اور شدید نظر آئے گی، کہ وہاں نفس کو اپنی سلامتی کے علاوہ کچھ درکار ہی نہ ہو گا کہ وہ عذاب، حیاتِ دنیا میں جس کا انکار کیا جاتا رہا، جب سامنے ہو گا، تو ندامت بہت ہو گی اور وہ نفس جو حق کے انکار میں راحت تلاش کرتا تھا، عذاب کو سامنے پا کر انتہائی شرمندگی محسوس کرے گا۔ مگر یہ شرمندگی بے سود ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ انصاف سے ہو گا، اور حق کے مطابق ہو گا۔ وہی ہو گا، جس کا ڈر انہیں حیاتِ دنیا میں سنا دیا گیا تھا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی گرفت کا موازنہ کسی دوسری گرفت سے نہیں کیا جا سکتا۔ نفس انتہائی خطرے میں ہی سب کچھ فدیئے میں دے دینے کو تیار ہوتا ہے۔ جس عذاب کا انکار کافر کو من مانی کی طرف لے جاتا ہے، اسے سامنے پا کر ندامت بہت ہو گی۔ انصاف یہی ہے، کہ عامل اپنے عمل کی جزا پائے اور جزا دینے والے کی رنجش سزا کو بڑھاوا نہ دے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

سن لو، بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سن لو بے شک، اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

اپنی جان چھڑانے کے لئے فدیہ دینے کا مقام تو تب ہو، جب کافر کسی شے کا مالک ہو۔ مگر حقیقت میں تو سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جو کچھ انسان کے تصرف میں دیا جاتا ہے، وہ ایک محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ اس محدود وقت میں انسان اللہ کی رضا کو مقصود بناتا ہے، تو جزا کا یقین اس کے اعمال میں جھلک رہا ہوتا ہے۔ اور اگر اس کا رخ اس کے

خلاف ہو تو وہ یوم الدین کا منکر ہوتا ہے۔ یہ وعدہ تو اللہ کا ہے، کہ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ اس سے لاعلمی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ چونکہ پہلے جس نے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے، اس کے لئے دوبارہ بنانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے، اور جس نے توفیق دی ہے، جس سے ہمارا کوئی حال مخفی نہیں ہے، اس کے احاطہ قدرت سے بھاگ جانا بھی ناممکن ہے۔

حاصل : جو کچھ ہمارے تصرف میں ہے، اسے اللہ کی عطا جان کر استعمال کرنا چاہئے۔ یہی یقین ہو، کہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ہمارے وعدے کو بھی حق کے مطابق ہونا چاہئے، اور پورا ہونا چاہئے۔ حق کو نہ مانا جائے تو اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔

هُوَ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٥٦

وہی حیات دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، اور اسی کی طرف مراجعت ہو گی۔

نہ ہونے سے ہونا پیدا کر دینا، اللہ کی شان ہے۔ زندگی کے ارکان کیا ہیں، انسانی علم اس کے بارے میں قلیل تھا، اور قلیل ہی رہے گا۔ انسان کو حیات دنیا کی صورت میں ایک مہلت بھی ملتی ہے، متاع بھی ملتی ہے، اور اس کے بعد اس پر موت بھی آتی ہے۔ موت سے بچ جانا کسی طرح ممکن نہیں۔ جب حیات دینے والا ہی موت بھی دیتا ہے، تو پھر اس کے احاطۂقدرت کو پورا ماننا لازم ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہو گی۔ مقصد حیات کو خالق کل نے متعین کیا ہے، اور وہ ہے، انسان حال پر پاک رہے، اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے عباد مخلصین کے قدموں پر چلے۔ خواہش نفس کی پیروی مقصدیت کا انکار ہے۔ شاہدین کی معیت مقصد حیات ہے۔

حاصل : اللہ ہی حیات و موت دیتا ہے۔ جس نے توفیق دی ہے، وہی جزا دینے والا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہو گی۔ مقصد حیات پیش نظر ہو، تو پھر خواہشات کا اتباع نہیں ہوتا، اور لوگوں کی خوشی کے مقابلہ میں اللہ کی رضا کو مقصود بنایا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٧

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت آئی اور سینوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت و رحمت۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعظت ہے۔ وعظ کی حقیقت بھلائی کی طرف رغبت دلانا اور خطرات سے بچنے کے لئے شعور کو بیدار کرنا ہے۔ دل جو تدبر کرتے ہوں، اور تضاد سے پاک رہنا چاہتے ہوں، ان کو اس موعظت سے شفا ملتی ہے، نور ہدایت ملتا ہے۔ جو دل شفا یاب ہو جائیں، ان میں شک اور تردد کا گزر نہیں ہوتا۔ دل کی آنکھوں سے دیکھا جائے، تو حقائق کا پتہ لگتا ہے، اور ایمان لانے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ایمان والوں کے لئے قرآن پاک ہدایت و رحمت ہے۔ مومنین اللہ کے

فرمان کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا راستہ ہدایت کا راستہ ہوتا ہے۔ جو قرآن پاک سے ہدایت لے، اس کو وہ آسانیاں ملتی ہیں، وہ سکون ملتا ہے، جو منکرین حق کے لئے ناقابل تصور ہے۔

حاصل : وعظ وہی ہے، جس کی سند قرآن مجید سے ملے۔ قرآن پاک میں امراض قلبی کی شفا رکھی گئی ہے۔ جو دل شفا پا جائیں، ان میں شک اور تردد کا گزر نہیں ہوتا۔ قرآن پاک مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہدایت پانے والا ہی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

فرما دیجئے، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے، اور اسی پر انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو، اور اس کا احساس بھی ہو، تو پھر کبھی بے چینی نہیں ہوتی۔ دل کو جو راحت اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں مل ہی نہیں سکتی۔ اللہ کا فضل یہ ہے، کہ استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہا جائے، مومنین کے ساتھ نرم رویہ ہو، کافروں کے ساتھ نرم رویہ نہ ہو، اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو۔ (۵.۵۴) رحمت یہ ہے، کہ دل کی آنکھوں سے عطاء الٰہی کو اپنی ضرورت سے زیادہ نہ دیکھا جائے اور خیرات میں سبقت کی جائے۔ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے فرحت حاصل ہو تو استکبار کبھی نہیں ہو گا۔ نفس کی خوشی کے لئے جو جمع کیا جاتا ہے، اس سے جو فرحت حاصل ہوتی ہے، اس کی بنیاد ہی استکبار ہوتا ہے۔ حیات دنیا میں بھی جو راحت اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوتی ہے، وہ کسی مال و متاع سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں تو خوشی پاک لوگوں کے لئے ہی ہو گی۔

حاصل : اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی موجودگی میں رویہ ایسا ہونا چاہئے، کہ خود چکھا ضرور جائے، مگر اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کو کھلایا جائے۔ جو راحت اس طرح حاصل ہو گی، وہ کسی دوسری صورت میں ممکن ہی نہیں۔ مال و متاع کے جمع کرنے سے بھی نفس کو خوشی ہوتی ہے، مگر نہ وہ ہمہ وقتی ہوتی ہے، نہ پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہے، اس کا انجام دکھ ہی ہوتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

فرما دیجئے، بھلا دیکھو تو جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا، پھر تم نے اس میں سے حرام اور حلال ٹھہرا لیا، فرمایئے، کیا اللہ نے تمہیں اس کا اذن دیا یا اللہ پر

افترٰی باندھتے ہو۔

دعوت فکر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ رزق کا عطا کرنے والا تو اللہ ہے۔ وہ رزق جو ہمیں زمین سے ملتا ہے، اس کا بھی آسمان سے ایک تعلق ہوتا ہے۔ منشاء ایزدی کے باہر تو کوئی شے ہو ہی نہیں سکتی۔ جب معطی مطلق ہی رزق دیتا ہے، تو کسی دوسرے کو حرام و حلال ٹھہرانے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ مرسلین اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کو بیان کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کے حکم لگاتے ہیں، انہیں اپنی حیثیت پر نظر کرنی چاہئے، کیا انہیں یہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قطعاً وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ دوسری صورت صرف یہی رہ جاتی ہے، کہ وہ اللہ پر افترٰی باندھتے ہیں۔

حاصل : رزق دینے والا معطی مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے، وہ حرام ہے، جس شے کو اس نے حلال فرمایا ہے، وہ حلال ہے۔ تحریم و تحلیل کا حق کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، وہ افترٰی باندھتے ہیں۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ۧ

اور اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والوں کا یوم قیامت کے متعلق کیا خیال ہے۔ بےشک اللہ تو لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن وہ اکثر شکر نہیں کرتے۔

اللہ پر جھوٹ سے افترٰی باندھنے والے اپنی پسند کو اللہ کی رضا کا نام دے دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی گھڑی ہوئی باتیں ان کو کہاں لے جائیں گی؟ یہ یقیناً اللہ کا فضل ہے، کہ وہ حق کی تبلیغ کے بعد مہلت دیتا ہے، اور خلاف حق کرنے والوں کو جلدی نہیں پکڑتا۔ لوگوں کے اپنے تجربات اور مشاہدات میں ان کے سیکھنے کو بہت کچھ رکھا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ نظر آتا ہے، کہ جو توفیق ہمیں حاصل ہے، اللہ کی قدرت کے سامنے یہ ہیچ ہے۔ بڑی بڑی قوت والوں میں سے کوئی اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہوا۔ جب ماضی سے سبق لیا جا سکتا ہو، حال پر حق کو ماننے والے خوف و حزن سے پاک نظر آئیں، اور نہ ماننے والے خوف و حزن میں مبتلا نظر آئیں، تو اپنے حال کی اصلاح کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ اللہ کے فضل سے موجود ہوتا ہے۔ جو لوگ ناشکری کے راستے پر چل پڑیں، وہ اللہ کے فضل سے استفادہ نہیں کر سکتے۔

حاصل : جزا کے دن افترٰی باندھنے والے کہاں ہوں گے، اپنے حال کو دیکھنے کے ساتھ، اس حال کے بعد آنے والے مستقبل کو بھی دیکھنا چاہئے۔ انسان کے غلط فیصلوں کے باوجود اسے بچنے کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ اسے سابقہ تجربات سے سبق لینے کے لئے آسانیاں دی جاتی ہیں۔ خواہشات کے پورا نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والے خدشات غیر حقیقی ثابت ہو جاتے ہیں۔ طیب و خبیث کا فرق واضح ہو جائے تو یہ بھی اللہ کا فضل ہے، اور اس کے باوجود خبیث کو ہی اختیار کیا جائے تو یہ ناشکری ہے۔

شہادت : سورۃ طور (٥٢) میں منکرین قیامت کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ مشغلے اور کھیل میں پڑے ہیں۔ یہ اس دن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، اور ان سے فرمایا جائے گا، یہ ہے وہ آگ جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ اَفَسِحۡرٌ هٰذَآ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿١٥﴾ تو کیا یہ جادو ہے، یا تمہیں نظر نہیں آرہا۔ حکم ہوگا اس میں چلے جاؤ۔ اب صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ بے شک تمہیں اسی کی جزا ہے جو عمل تم کرتے تھے۔

وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ‌ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰ لِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٦١﴾

اور تم کسی حال میں ہو، اور تم اس کی طرف سے قرآن پاک کی تلاوت کرو۔ اور تم لوگ کوئی بھی عمل کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں، جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور تمہارے رب سے ذرہ بھی چھپا ہوا نہیں، زمین میں اور آسمان میں، نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا، مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔

فرد ہو یا جماعت، کسی کا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے اوجھل نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کا وقت مقرر نہیں کیا گیا، قرآن پاک کی تلاوت ہر وقت ہو سکتی ہے۔ تلاوت کے وقت طہارت کا ہونا لازم ہے۔ حکم خداوندی کا پتہ لگ جانے کے بعد اسے ادب سے ماننا چاہئے۔ یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ ہماری نیت بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اور ہمارا عمل بھی اس کے سامنے ہے۔ جو لوگ قرآن پاک سے روشنی نہیں لیتے، اور اپنی پسند کی راہ کو اپناتے ہیں، ان کا بھی کوئی حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اور جہاں ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپا ہوا نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی ذرہ بھی چھپا ہوا نہیں، چھوٹی اور بڑی کوئی شے بھی اس سے مخفی نہیں، تو مکذبین حق کے احوال بھی اس کے سامنے ہیں۔ اسی نے سب کو توفیق دی ہے، وہی سب کو جزا دے گا۔ جزا سے بچ جانا بھی کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ کتاب مبین میں سب کچھ ہے۔ ماننے والوں کے لئے بشارت موجود ہے، نہ ماننے والوں کے لئے انذار موجود ہے۔ ہر عامل کو اس کے ہر ہر عمل کی جزا دی جائے گی۔ جس نیت سے کوئی عمل کیا گیا ہو گا، اسی نیت کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : پاک لوگوں کی زندگی قرآن پاک کے احکام کے مطابق ہونی چاہئے۔ کسی بھی مقام پر حکم خداوندی کا پتہ لگ جانے کے بعد من مانی کرنا بے ادبی ہے اور مومنین کی طریقت کے خلاف ہے خلاف حق کرنے والے کسی مقام پر ہوں، کسی حال میں ہوں، جزا دینے والے کے سامنے ہوتے ہیں۔

کتاب مبین میں سب کچھ روشن کر دیا گیا ہے۔ کوئی فیض پاتا ہے یا نہیں پاتا، اپنے کئے کی جزا پائے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

سن لو، جو اللہ کے دوست ہیں، نہ ان پر خوف ہے اور نہ انہیں حزن ہے۔

جو حضرات یہ مان لیں کہ اللہ کا فضل ان کے شامل حال ہے، وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس صاحب کو تلاش کرتے ہیں، جو انہیں تزکیہ عطا کر دے۔ جب انہیں شاہد سے تزکیہ حاصل ہو جائے، تو پھر وہ اس قدر راضی ہو جاتے ہیں، اتنے مطمئن ہو جاتے ہیں، کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، وہ مخالفین چاہے ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا ان کے عزیز ہوں۔ ان حضرات کو اپنی ذاتی ضروریات میں اللہ کی کفالت کا پورا احساس ہوتا ہے، اس لئے انہیں کوئی خوف نہیں رہتا۔ اپنے متعلقین کے ساتھ یہ اپنا حق ادا کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، اور ان کے مستقبل کا کوئی غم نہیں رکھتے۔

حاصل : اللہ کے دوست پاک ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے اللہ تعالیٰ کو کفیل جانتے ہیں، اس لئے خوف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اپنے متعلقین کے لئے جو حال پر کیا جانا چاہئے، وہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، اور ان کے مستقبل کا غم نہیں رکھتے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں

اللہ کے دوستوں کی نشانی بیان فرمائی گئی ہے، کہ وہ حق کو مانتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔ اللہ سے ڈرتے ہیں، اور حق کی ادائیگی کے باوجود یہ کہتے ہیں، کہ یا اللہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے ہمارا عمل بہت چھوٹا ہے، قبول ہو جائے تو تیری مہربانی ہے۔

حاصل : ایمان اور تقویٰ پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ ایمان ہو تو بات ہمیشہ حق کی ہو گی، تقویٰ ہو تو کبھی اپنے عمل کو خوب نہیں کہا جائے گا۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾

ان کے لئے بشارت ہے حیات دنیا میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات بدلتے نہیں۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

اللہ کے دوستوں کو حیات دنیا میں خوف و حزن سے پاک ہونے کی بشارت ملتی ہے۔ آخرت میں ان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ اللہ ان کو جن حالات سے مطلع کرنا چاہتا ہے، ان کو دکھا دیتا ہے، اور تائید ایزدی کے ساتھ وہ سبھی مقامات سے گزر جاتے ہیں۔ اللہ کی نصرت سے بڑھ کر بندے کے لئے کچھ نہیں ہوتا، اور یہ نصرت مومنین کو حاصل ہوتی ہے اور بہر حال حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے کلمات ہیں، اور اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہوگی، کہ حیات دنیا میں رضاء الٰہی کے حصول کا یقین ہو، اور شاہدین کی معیت حاصل ہو، آخرت میں بھی شاہدین کی معیت کا شرف حاصل ہو جائے۔

حاصل : حیات دنیا میں نصرت الٰہی کے یقین کے ساتھ اپنا حق ادا کرتے رہنا، اور شاہدین کی معیت میں رہنا، اور آخرت میں شاہدین کی معیت کا حاصل ہو جانا عظیم کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

اور آپ کو ان کے قول پر حزن نہ ہو۔ بے شک عزت سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ سننے والا و علم رکھنے والا ہے۔

کافروں کا قول تکذیب حق کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔ وہ اللہ کی روشن نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کی باتوں کو سن کر شاہد کو دکھ اس لئے ہوتا ہے، کہ انہیں منکرین حق مستقبل میں خسارے کے مقام پر نظر آتے ہیں۔ حق کو بیان کرنے والے توجہ کرتے ہیں، رضاالٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ اور عزت سب ہے ہی اللہ تعالیٰ کے لئے، اس لئے حق کے پہنچانے والوں کی عزت میں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عزت اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے۔ اب جو مومنین کے زمرے میں شامل نہیں، اس کا عزت سے کیا تعلق رہ جاتا ہے۔ اللہ مکذبین کی باتوں کو سنتا ہے، اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا۔

حاصل : مکذبین حق کی باتیں سن کر ان کا مستقبل شاہدین کو نظر آتا ہے، جو صریحاً خسارہ ہوتا ہے۔ مکذبین کے خسارے کو دیکھ کر شاہد کو دکھ ہوتا ہے۔ مکذبین کو کبھی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عزت سب اللہ کے لئے ہے۔ بندوں میں سب سے بڑی عزت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اس کے بعد مومنین کی ہے۔

أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کس کا اتباع کرتے ہیں یہ جو اللہ کے مقابل شرکاء کو پکار رہے ہیں۔ وہ تو اپنے ظن ہی کا اتباع کرتے ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑاتے

ہیں۔

خالق کل ہونے کا دعویٰ بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔ سب اسی کے خلق کئے ہوئے ہیں، اسی کے مملوک ہیں، اور مملوک معبود نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اللہ کے مقابل کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہیں، انہیں دیکھنا چاہیئے، جس کو وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، وہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جو پیدا کیا گیا ہے، وہ سب کو پیدا کرنے والے کا شریک نہیں ہو سکتا۔ مشرکین کس کا اتباع کرتے ہیں، کس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اللہ کا شریک ہوں اور تمہیں توفیق بھی میں نے دی ہے، جزا بھی میں دوں گا۔ اور پھر مشرکین نے تو ربوبیت میں شریک کیا شرکاء ٹھہرا رکھے ہیں۔ یہ محض ان کا اپنا ظن ہے، جس کے پیچھے وہ لگے ہوئے ہیں، اور صرف اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ کہتے ہیں، ہو سکتا ہے یہ ہو، تو انہیں یہ بھی احساس ہوتا ہے، ہو سکتا ہے یہ نہ ہو۔

حاصل : مملوک کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔ مشرکین کسی کا اتباع نہیں کرتے، اپنے ظن کے پیچھے ہی لگے رہتے ہیں۔ اٹکلیں دوڑانے والے کبھی یقین سے بات نہیں کر سکتے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں سکون پاؤ، اور دن کو دکھلانے والا ٹھہرایا۔ بےشک اس میں سننے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

رات کو علیم مطلق نے سکون کے لئے بنایا ہے۔ جو سکھ بدن کو رات میں ملتا ہے، وہ دن میں نہیں مل سکتا۔ سارے دن کی مصروفیات سے بدن جس قدر متاثر ہوتا ہے، رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے ہوئے سکون سے اس میں اگلے دن کے کاموں کے لئے ایک تازگی آ جاتی ہے۔ دن کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے، کہ ہمارے ماحول کے اعتبار سے ہماری حرکات کیا ہونی چاہئیں، جس سے ہم پر عاید ہونے والے فرائض احسن طور پر ادا ہوں۔ جس نے رات کو ہمارے سکون کے لئے اور دن کو ہمارے کاموں کے لئے موزوں کیا، جس کی دی ہوئی توفیق سے ہم سب کچھ کرتے ہیں، اس کی رضا کو ملحوظ نہ رکھنا کتنی بےہودگی ہے۔ جس نے حقائق کو سن کر بےپرواہی کا مظاہرہ کیا ہو اس نے سنا ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : رات میں سکون پانا، انسان کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ دن کو کام کرنا انسان کی ضرورت ہے۔ رات کی ابتدا سے وقت کو شمار کرنا چاہیئے۔ رات اور دن کے معمولات میں رضاء الٰہی کو مقصود ہونا چاہیئے، ورنہ حق کو سننے کا ثبوت ہی کیا ہو گا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ

کہتے ہیں، اللہ نے بیٹا ٹھہرا لیا۔ وہ تو اس سے پاک ہے۔ وہ بےنیاز ہے۔ اسی کا

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ جو تم کہتے ہو تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں۔ کیا اللہ کے متعلق وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اسرائیلی روایات یہی ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عزیز علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ انتہائی جہالت کی بات ہے کہ اللہ کے لئے اولاد کی بات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے پاک ہے، اس لئے اس کے ساتھ ولد کا تصور ہی درست نہیں۔ وہ کسی بھی کام کے لئے کسی کی احتیاج نہیں رکھتا، وہ کسی بھی اعانت سے بے نیاز ہے، اس لئے ولد کی بات اس کی شان کے خلاف ہے۔ پھر جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے تمام خلق اللہ کی مملوک ہے، اور بیٹا وارث ہوتا ہے مملوک نہیں ہوتا۔ یہ تین اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمائی گئی ہیں، جن سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ولد ٹھہرانا انتہائی قبیح بات ہے۔ جو لوگ اللہ کے متعلق ولد کی بات کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، کوئی سند نہیں۔ سند وہ حقیقت ہوتی ہے، جس کا انکار ممکن نہ ہو۔ اللہ کے متعلق کوئی بھی بات کی جائے، وہ اس کے نازل کئے ہوئے حق کے حوالے سے ہونی چاہئے، اور شاہدین کی پاک زبان سے بیان ہونی چاہئے، یا ان کے حوالے سے اس کا ذکر ہونا چاہئے، ورنہ اس بات کو بے علمی کی بات ہی کہا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعین سے پاک ہے، احتیاج سے پاک ہے، اور مالک کل ہے، اس لئے اس کے ساتھ ولد کا ٹھہرانا خلاف حق ہے۔ علم سے بات ہو تو حق کے حوالے سے ہوگی۔ حق کے حوالے سے نہ ہو تو بے علمی کی بات ہوگی۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ

فرما دیجئے جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترٰی باندھتے ہیں، فلاح نہیں پاتے۔

اللہ کے لئے ولد ٹھہرانا، اللہ پر جھوٹا افترٰی باندھنا ہے۔ اللہ کے متعلق کسی بے سند بات کا کرنا بھی افترٰی ہی ہے۔ مفتری کبھی مومن نہیں ہو سکتا، اس لئے فلاح نہیں پا سکتا۔ مومن کو شاہد کی معیت میں جو راحت ہوتی ہے، مفتری اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اور آخرت کے نہ ماننے والوں کو آخرت میں تو عذاب ہی ہو گا۔

حاصل : اللہ کے متعلق بے سند بات کرنا، اللہ پر افترٰی باندھنا ہے۔ مفتری کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فلاح نہیں پا سکتا۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

دنیا میں متاع ہے، پھر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے، تو ہم انہیں شدید عذاب چکھائیں گے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

اللہ کے متعلق بے سند باتیں کرنے والے، افتریٰ باندھنے والے لوگ ہیں۔ دنیا میں انہیں جو کچھ دیا گیا ہے، یہ ایک وقت کے لئے متاع ہے۔ اس متاع پر فخر کرنے کی بجائے، اس کے عطا کرنے والے پر یقین کرنا چاہئے تھا۔ اس متاع کو جیسے بھی استعمال کیا جائے اس کے بعد جزا دینے والے کی طرف لوٹنا یقینی ہے۔ منکرین حق کی کوئی تدبیر انہیں لوٹ کر جانے سے روک نہیں سکتی۔ وہاں انہیں ان کے اعمال کی جزا شدید عذاب کی صورت میں ملے گی۔ مستقبل میں اگر عذاب شدید سے بچنا مقصود ہو، تو اس حال پر اس راستے کو، اس طریق زندگی کو چھوڑ دینا چاہئے، جس میں انسان کی اپنی پسند، اللہ کی رکردہ حدود کے مقابل اسے اہم نظر آتی ہے۔

حاصل : دنیا میں جو کچھ بھی کسی کو دیا گیا ہے، ایک وقت تک کے لئے ہے، اس کے بعد جزا دینے والے کی طرف لوٹ کر نہ جانا کسی کے بس میں نہیں۔ کافروں کو ان کے کئے کا بدلہ عذاب شدید کی صورت میں ملے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السباء (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾

فرمایئے، انہیں پکارو، جن کا اللہ کے مقابل تمہیں زعم ہے۔ وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴿٧١﴾

ان پر نوح علیہ السلام کی خبر پڑھئے، جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم، اگر میرا مقام اور اللہ کی آیات سے نصیحت دلانا تم پر بھاری ہے تو میں اللہ پر توکّل کرتا ہوں۔ پھر تم اور تمہارے شرکاء مل کر اپنا کام کرو، پھر تمہیں اپنے کام میں شبہ نہ رہے، پھر جو تم سے ہوسکے کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی خبر سنانے کا منشا یہ ہے، کہ حال پر سننے والے خسارے کی اس صورت سے بچیں، جس میں نوح علیہ السلام کی قوم مبتلا ہوئی تھی۔ آپ کی قوم کو آپ کا حق کے اظہار کے لئے کھڑا ہونا، اور اللہ کی نشانیوں سے نصیحت دلانا ناگوار ہوا۔ قوم کے سرداروں نے یہ کہا کہ ہمیں تو یہی نظر آ رہا ہے، کہ صرف کمینے لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں، اور ہمیں تم میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی، اور ہمیں گمان ہے کہ تم سچے نہیں ہو۔ آپ نے فرمایا میں اللہ پر توکّل کرتا ہوں، اور تم سے یہ کہتا ہوں، کہ تم اور تمہارے شرکاء مل کر کام کرو، پھر ایسی کوشش کرو، کہ تمہارے کام میں کوئی شبہ نہ رہے، پھر جو تم سے ہو سکے کر گزرو، اور میرے ساتھ بالکل رعایت نہ کرو، مجھے مہلت نہ دو۔

حاصل : ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ حق کے اظہار کے لئے کھڑے ہونے والے کا ساتھ دینا چاہئے۔ اللہ پر توکل ہو تو دشمن سے مرعوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دشمن کو اپنا کام پکا کرنے کی ترغیب دینا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے، جب تائید ایزدی کا یقین شامل حال ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

پھر اگر تم منہ پھیرو، تو میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر اللہ پر ہے، اور مجھے امر ہے کہ ماننے والوں سے ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے منکرین حق سے یہ فرمایا، کہ تم اگر منہ پھیرو گے تو نقصان تمہارا ہو گا۔ میں تو تم سے کسی اجر کا سوال ہی نہیں کرتا۔ میں جو کرتا ہوں، اس میں اللہ کی رضا مقصود ہے، اور وہی اس کا اجر دینے والا ہے۔ میرا کام امر الٰہی کی بجا آوری ہے۔ خدمت تبلیغ میں مبلّغ کی غرض موجود ہو، تو تبلیغ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں۔ اگر اس کے امر کی تعمیل کی جائے، تو لوگوں کا رویہ تبلیغ کے کام کو متاثر نہیں کرتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس کے بندے بھی خدمت تبلیغ میں اجر کا سوال نہیں کرتے۔ حق کے ماننے میں ہمیشہ ماننے والے کا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اور جسے اپنے فائدے کی پہچان بھی نہ ہو، وہ یقیناً جاہل ہوتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

پھر انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو ہم نے آپ کو اور آپ کی معیّت میں کشتی والوں کو نجات دی۔ اور ہم نے انہیں خلیفے ٹھہرایا۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں ہم نے غرق کر دیا۔ تو نظر

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ کرو ان کی عاقبت کیسی ہوئی، جنہیں ڈرایا گیا تھا۔

منکرین حق نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور کہا، کچھ بھی ہو ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ان پر اللہ نے عذاب بھیجا جو سیلاب کی صورت میں تھا۔ منکرین اس میں غرق کر دیئے گئے، اور ان کی کوئی تدبیر انہیں عذاب الٰہی سے بچانہ سکی۔ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی معیت میں تھے، انہیں آپ نے کشتی پر سوار کر لیا، جسے آپ نے اللہ کے حکم سے بنایا تھا۔ اللہ نے ان سب صاحبان کو نجات دی، اور یہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اترے۔ انہی حضرات کو زمین میں خلافت دی گئی۔ انہی سے نسل انسانی آگے بڑھی۔ حق کی تبلیغ کرنے والے کی طرف سے بشارت ہو یا انذار، مقصود اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ جس کے ڈرانے کا منشاء امر الٰہی کی تعمیل ہو، اس کا انکار کرنے والے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ یہی پہلے ہوتا رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔

حاصل : حق کی تکذیب کرنے والے جاہل ہوتے ہیں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے کو نہیں مانتے۔ ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ جس مبلّغ کی بات میں اس کی غرض و غایت نہ ہو، اس کی بات کو اللہ کی بات ماننا چاہئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر ہم نے ان کے بعد ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے، تو وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لائے۔ پھر یہ نہ ہوا کہ وہ ایمان لے آئیں اس پر جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ ہم اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے قلوب پر مہر لگا دیتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کے ساتھیوں کو اللہ نے بہت بڑھایا، اور ان کی رشد و ہدایت کے لئے رسول بھیجے جو اپنی اپنی قوم کے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے۔ مگر یہ نہیں ہوا، کہ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو مان لیا ہو۔ بلکہ یہی ہوا کہ جس طرح پہلے لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی، یہ لوگ بھی اسی طرح مکذبین میں شامل ہوئے، اور اپنے بڑوں کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے سن لینے کے باوجود ان کا رجحان فلاح کی طرف نہیں ہوا۔ جو لوگ حق کی تکذیب کو اور حق کے پہنچانے والے کے ساتھ عداوت کو اپنا مقصد حیات بنالیں، وہ لوگ کسی بھی تجربے سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ یہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

حاصل : حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والے لوگوں کی ذرّیّت کے پاس رسول روشن نشانیوں کے ساتھ آتے رہے، مگر ناصحین سے لوگوں کو محبت نہ ہوئی، اور اپنی خواہشات کی پیروی میں

انہوں نے ناصحین سے عداوت کو اپنا مقصد حیات بنالیا۔ یہ حد سے تجاوز ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کے قلوب پر مہر لگادی جاتی ہے، پھر وہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ، تو انہوں نے تکبّر کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے مرسلین کی مثال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے، کہ ان حضرات کو فرعون اور اس کے درباری سرداروں کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا، اگر تم سچے ہو، تو اپنی صداقت کا ثبوت لاؤ۔ ان حضرات گرامی قدر نے اللہ کی دی ہوئی نشانیاں دکھائیں، مگر ان لوگوں نے حق کو ماننے کی بجائے تکبر کی راہ اختیار کی، اور فرعون اور اس کے درباری قبول حق کی طرف نہ آئے۔ تکبّر بڑا جرم ہے، اور اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ حق کو سن کر، اس کی روشن اسناد کو دیکھ کر اس کا انکار کر دیا جائے، اور من مانی کی جائے، تو یہ تکبر ہے اور جرم ہے۔

حاصل : تکبّر بڑا جرم ہے۔ اللہ کے ہاں جب تکبّر کے جرم ہونے میں کوئی شک نہیں، تو ہمیں تکبر کو جرم ماننا بھی چاہئے، اس سے بچنا بھی چاہئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا، تو کہنے لگے، یہ تو صریحاً جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جو بھی فرمایا، حکم خداوندی سے فرمایا۔ اس میں ان کی کوئی غرض موجود نہ تھی، اور اس فرمان میں یقیناً فرعون اور آل فرعون کے لئے بھلائی کی دعوت تھی۔ مگر ان لوگوں نے حق کو سن کر یہ کہا کہ ثبوت لاؤ کہ تم جو کہتے ہو وہ مامور من اللہ کی بات ہے۔ ثبوت کے طور پر اللہ کی عطا کردہ اسناد دکھائی گئیں، جو یقیناً فوق العادت تھیں، تو تکبر سے منکرین نے اسے صریحاً جادو کہہ دیا۔

حاصل : حق کو سن کر استکبار کرنے والے مانا نہیں کرتے، فوق العادت اسناد نظر آئیں تو جادو کہہ کر انکار کی راہ لیتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا حق کے متعلق ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا، کیا یہ جادو ہے۔ اور جادو گر فلاح نہیں پاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ہونے کی جو شہادتیں پیش کیں، انہیں دیکھ کر فرعون اور آل فرعون نے جادو کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا، یہ نشانیاں اس حق کے ساتھ ہیں، جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ تمہیں پتہ ہے جادو کیا ہوتا ہے، اور جادوگر کیسے ہوتے ہیں۔ علیم مطلق نے جو تمہارے پاس بھیجا ہے، اس کا تمہارے حال سے بڑا تعلق ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ یہ تعلق تمہاری سمجھ سے بالا ہو۔ جادو گر ہمیشہ کافر ہوتے ہیں۔ ناپاک ہوتے ہیں، آخرت کے انکار پر اپنے معمولات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ رضائے الٰہی کبھی انہیں مقصود نہیں ہوتی۔ خوف و حزن کا ان پر تسلط رہتا ہے۔ اس لئے جادوگروں کو فلاح اور اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، جو اللہ کے ہاں کامیابی ہے۔

حاصل : حق پہنچانے والے کو یہ کہنا چاہئے، کہ جو حق تمہارے پاس آ چکا ہے، یہ علیم مطلق کی طرف سے ہے، اور اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے صحیح رخ اختیار کرنا کامیابی ہے، اور یہ کبھی کافر کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو، کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا، اور ملک میں تم دونوں کو بڑائی ملے۔ اور ہم تمہیں ماننے والے نہیں۔

آل فرعون نے یہ کہا، کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں تمہاری اس تبلیغ میں ایک غرض نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ تم ہمیں اپنے باپ دادوں کے دین سے پھیرنا چاہتے ہو، اور اپنے پیچھے لگانا چاہتے ہو۔ اس طرح سرداری تم دونوں کے پاس رہے گی، اور ہم تم دونوں کو سردار ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حاصل : جو لوگ بڑائی کے طالب ہوتے ہیں، وہ حق کو پانے کی اہلیت کھو دیتے ہیں۔ اور حق کو روشن کرنے والوں کی سعی میں بھی انہیں بڑائی کی طلب ہی نظر آتی ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾

اور فرعون نے کہا، ہر علم والے جادو گر کو میرے پاس حاضر کرو۔

بڑائی کی طلب میں پھنسے ہوئے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا، کہ ہم تمہاری سرداری نہیں مانتے۔ تو اس کے ساتھ فرعون نے یہ کہا، کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے، اور جسے ہم نے جادو کہا ہے، اس کے تصفیے کے لئے ہم بندوبست کرتے ہیں۔ ملک سے ہر بڑے جادو گر کو بلا لیتے ہیں۔ ان دونوں حضرات سے ان کا مقابلہ ہو جائے گا، اور لوگ یہ جان جائیں گے، کہ جس مشاہدے سے انہیں مرعوب کیا گیا ہے، وہ جادو ہے، اور بات وہیں ختم ہو جائے گی۔

حاصل : متکبّر اپنی سرداری کو قائم رکھنے کی بڑی تدبیریں کیا کرتے ہیں، اور سرداری کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾

پھر جب جادو گر آئے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے۔

فرعون نے پورے ملک سے مشاق جادو گر بلائے، اور انہیں اپنے انتہائی کمالات دکھانے کو کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، جو تمہیں ڈالنا ہے ڈالو، اس لئے کہ کفر کو اظہار کا پورا موقع دینا چاہئے، تاکہ لوگ دیکھ لیں، کہ جادو کی انتہا کیا ہے، اور علم الٰہی کے سامنے جادو کی حیثیت کیا ہے۔

حاصل : کفر سے جب بھی مقابلہ ہو، تو اسے موقعہ دینا چاہئے، کہ جس قوت کا اسے زعم ہے وہ اس کا اظہار کرے، اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ علم الٰہی ہمیشہ کفر پر غالب ہوتا ہے۔

فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾

پھر جب انہوں نے ڈالا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہ جو تم لائے ہو، یہ جادو ہے۔ ابھی اللہ اسے باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدین کے کام سنوارتا نہیں۔

جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا، تو وہ لوگوں کو سانپوں کی طرح حرکت کرتی ہوئی نظر آئیں، اور وہ بڑا جادو لائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہ ہے جادو، جسے جادوگروں نے پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد کفر کی قوت کو ظاہر کرنا ہے، لوگوں کو ان کی خواہشات کی پیروی کی ترغیب دینا ہے، اور گمراہ کرنا ہے۔ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا، اس میں فلاح کی طرف بلاوا تھا۔ حق کو ماننے والوں کے لئے بشارت تھی، نہ ماننے والوں کے لئے انذار تھا۔ لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی سے منع کیا گیا تھا۔ اس پیغام کے ساتھ جو اسناد آپ نے دکھائیں وہ جادو نہیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا، اس جادو کو ابھی اللہ باطل کر دے گا، کہ اللہ مفسدین کے کاموں کو سنوارا نہیں کرتا۔ آپ نے اپنا عصا زمین پر رکھا، تو جادوگروں کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ جادوگر مغلوب ہو گئے، حق روشن ہو گیا، اور مفسدین کا کام بگڑ گیا۔

حاصل : منکرین حق کے عمل کو دیکھ کر کہنا چاہئے، کہ یہ باطل ہے، اور باطل حق کے سامنے آ کر مٹ جایا کرتا ہے۔ ہمیں مفسدین کے کاموں میں ان کی مدد نہیں کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کو ناپسند ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، اور اگرچہ مجرموں کو اس سے کراہت ہو۔

اللہ نے اپنے رسولوں سے اور ایمان والوں سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ ان کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے، اور وہ حق کی ادائیگی کے ساتھ اجر کا سوال نہیں کرتے۔ اللہ اپنے حکم سے، اپنی قدرت سے انہیں تائید عطا فرماتا ہے، اور ان کی صداقت و عظمت کو روشن کرتا ہے۔ مجرموں کو اس سے کراہت ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔

حاصل : ایمان والوں کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، اور اللہ کی تائید سے حق روشن ہوتا ہے، اور حق کو ادا کرنے والے عزت پاتے ہیں۔ تکبر کرنے والوں کو ہمیشہ حق کی عزت افزائی سے کراہت ہوتی ہے، کہ اس سے ان کی بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾
اور نہ تم زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لئے اللہ کے مقابل کوئی دوست اور نصرت دینے والا نہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد کے کچھ لوگ، فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف سے کہ مبادا وہ انہیں فتنہ میں ڈالیں۔ اور یقیناً فرعون زمین میں سرکشی کرنے والا تھا۔ اور بے شک وہ مسرفین سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے چند نوجوان ہی آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی صداقت کی اسناد تو سبھی نے دیکھیں اور سبھی ایک حد تک ان سے متاثر بھی ہوئے، مگر آپ پر ایمان لانے کے معنی یہ تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا اظہار برملا کیا جائے، ان کی اطاعت ادب واحترام سے کی جائے، ان کا احسن اتباع کیا جائے، اور ان کی تکریم کا تقاضا ہر مقام پر اور ہر صورت میں پورا کیا جائے۔ یہ بہت بڑے حوصلے کا کام تھا۔ اس میں جو خطرات تھے وہ پوشیدہ نہیں تھے۔ فرعون اور اس کے سرداروں کا جبر و تشدد صاف نظر آ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول اللہ ہونے کا دعویٰ لوگوں نے سنا، اس دعوے کے ساتھ لوگوں نے روشن نشانیاں بھی دیکھیں، اور لوگ حقائق سے اثر پذیر بھی ہوئے۔ یہ سب فرعون کو بھی پتہ تھا۔ وہ لوگوں کو اس قدر خوف زدہ کر دینا چاہتا تھا، کہ انقلاب کا امکان نہ رہے۔ اس میں اس کے پیش نظر کوئی حد تو تھی ہی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی حکومت قائم رہے، اور ہر قیمت پر قائم رہے۔

حاصل : حق پہنچانے والے پر ایمان لانا بہت بڑا کام ہے۔ جب ایمان لانے کے معنی یہ ہوں، کہ سزاؤں کے ایک مسلسل دور سے گزرنا پڑے گا، تو یہ حوصلہ صرف یک سو لوگوں میں ہی ہوتا ہے۔ اپنی پسند کو حق ثابت کرنے والے فرعون، انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر کوئی حد تو ہوتی ہی نہیں جس کا احترام انہیں ملحوظ ہو۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، تو اسی پر توکّل کرو، اگر تم مسلم ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو سہارا دیتے ہوئے فرمایا، اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو، تو پھر اپنی تسلیم کو اللہ پر توکّل کر کے سچا ثابت کرو۔ خدا کی قدرت لامحدود، اس کا علم، علم مطلق، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کی نصرت کا وعدہ، یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ اس کے خلاف تمہارے دشمن کی قوت بھی بہت کم اور علم بھی بے حقیقت ہے۔ تمہیں اس کا انجام نظر آنا چاہئے۔ مگر توکّل کے بغیر نظر دور رس نہیں ہوتی۔ توکّل یہ ہے، کہ شاہد کی معیّت میں اس یقین کے ساتھ حق کو ادا کیا جائے کہ اللہ کی رضا ہمیں حاصل ہے، نتائج ہمیشہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں، اللہ کی نصرت ہمارے شامل حال ہے، اور یقیناً دشمن عبرتناک انجام کو پہنچے گا۔

حاصل : مسلم یقیناً متوکّل ہوتا ہے، اور متوکّل ہی مشکل مقامات پر شاہد کی معیّت میں رہ سکتا ہے۔ جو شاہد کے فرمان کے مقابل اپنی رائے رکھتا ہو، وہ یک سو نہیں رہ سکتا، متوکّل ہونے کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

کہنے لگے ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا، اے

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾

ہمارے ربّ ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے جواب میں ماننے والے یہ عرض کرنے لگے، ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، مگر ناتواں ہیں، اس لئے یہ دعا بھی کرتے ہیں، کہ اے ہمارے رب ہمیں ان ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔ اگر یہ لوگ ہمیں اپنے ظلم کے لئے تختۂ مشق بنائے رکھیں گے تو یقیناً ہمارا ضعف ان کے استکبار کو ہی بڑھائے گا، اور اگرچہ ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو گا، مگر ہم میں ان کے مظالم کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی، اس لئے اے پالنے والے، تیری قدرت کو مانتے ہوئے، یہ درخواست کرتے ہیں، کہ ہمارے وجود کو اس ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔

حاصل : ناصح کے حکم کی تعمیل جلوت میں ہونی چاہئے اور ظالم لوگوں سے رابطہ ہو تو یہ دعا بھی کرنی چاہئے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ قوم کافرین سے نجات دے۔

قوم فرعون کے مظالم سے نجات کی دعا کرتے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے یہ کہا، اے ہمارے رب ہمیں اپنی رحمت سے نواز دے، اور اس رحمت کے سہارے ہمیں ان کافر لوگوں کی غلامی اور محکومی سے نجات دے۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو، تو کافروں کی غلامی سے نجات ممکن ہوتی ہے، اور سلامتی بھی قائم رہتی ہے۔ نجات کے بعد رحمت خداوندی کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مقصود بنایا جائے۔

حاصل : اللہ کی رحمت شامل حال ہو، تو قوم کافرین سے نجات ممکن ہوتی ہے، اور سلامتی بھی قائم رہتی ہے۔ نجات کی دعا کے وقت کی کیفیات یاد رہنی چاہئیں، تاکہ بعداز نجات ناشکری نہ ہو۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی فرمائی، کہ مصر میں اپنی قوم کے گھر بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ، اور نماز قائم کرو، اور مومنین کو بشارت دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا، کہ اپنی قوم کو آل فرعون کے درمیان سے نکال

لو۔ ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے، اس لئے اپنی قوم کو اس رہائشی علاقے سے نکال کر مذکورہ جگہ پر بساؤ۔ گھروں کو نماز کی جگہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، اور مومنین کو بشارت دو کہ اللہ تمہیں اپنی رحمت سے نوازنے والا ہے۔ گھر کو اس طرح بنایا جانا چاہئے، کہ قبلہ معظمہ کی تکریم ملحوظ خاطر رہے۔ ظلم واستبداد کے زمانے میں گھر ہی میں نماز پڑھی جا سکتی ہے، کہ خلوت پر پابندی لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ نماز اور صبر سے جو مدد ملتی ہے، اس کا بدل ہی کیا ہے۔ خلوت میں پاکیزگی قائم رہنی چاہئے۔ جب اللہ کو منظور ہو تو وہ جلوت میں بھی آتی ہے۔

حاصل : عذاب الٰہی سے آگاہی ہو، تو پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر لینا چاہئے۔ گھروں کو اس طرح بنانا چاہئے کہ قبلہ شریف کی تکریم ملحوظ رہے۔ جلوت میں نماز پر پابندی ہو، تو خلوت میں نماز قائم کرنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے یقین کے ساتھ ذکر الٰہی کرتے رہنا چاہئے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ علیہ السلام دعا گو ہوئے: اے ہمارے رب، تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو حیات دنیا میں زینت و اموال دیئے ہیں، اے ہمارے ربّ اس لئے کہ تیری راہ سے بہکاتے رہیں۔ اے ہمارے ربّ، ان کے اموال پر بربادی ڈال اور ان کے قلوب پر سختی کہ یہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ المناک عذاب دیکھ لیں۔

انتہائی کرب کے لمحات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے سرداروں کے حال پر شہادت دیتے ہوئے یہ عرض کیا، اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اس کے درباری سرداروں کو حیات دنیا میں زینت دے رکھی ہے، انہیں اموال دے رکھے ہیں، مگر تیری اس عطا کو صرف تیری راہ سے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا جا رہا ہے۔ اس عطا کو قطعاً تیری رضا کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ شہادت دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا، اے ہمارے رب ان کے اموال پر بربادی مسلط کر دے، اگر اس بربادی کو دیکھ کر یہ ایمان لے آئے، تو ان کے ہٹنے کے بعد یہ پھر حق کی تکذیب ہی کریں گے، اس لئے ان کے قلوب پر ایسی سختی رکھ دے، کہ یہ المناک عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لائیں، اور اس وقت انہیں ایمان لانا نفع نہیں دے گا، کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے صاحب حیثیت ہوں، عطائے الٰہی کو بالکلیہ خلاف حق استعمال کر رہے ہوں، اور ان کے حق پر ایمان لانے کا امکان معدوم ہو تو شاہد کو یہ حق ہوتا ہے، کہ وہ ان کی بربادی کی دعا

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ تو تم دونوں استقامت سے رہو، اور بے علم لوگوں کی راہ نہ چلو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تھے، حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے، اس طرح دونوں دعا میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کی قبولیت کا فرمان آیا، اور اس کے ساتھ استقامت سے رہنے اور بے علم لوگوں کی راہ پر نہ چلنے کا حکم بھی آیا۔ استقامت سے رہنا یہ ہے کہ رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حق کو بطریق احسن ادا کیا جائے، اور کسی کی تکلیف وہ بات یا تکلیف وہ عمل ہمیں راہ راست سے ہٹا نہ دے۔ بے علمی کا جلد بازی سے بڑا تعلق ہے، اور یہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ کا فرمان پورا ہو کر رہتا ہے، اور بہترین صورت میں پورا ہو کر رہتا ہے۔ اللہ جو کرتا ہے، علم مطلق سے کرتا ہے، اور علم مطلق اس کی شان کے لائق ہے۔ اس لئے قبول دعا کے لئے فوری نتیجے کی طلب بے علمی کا اظہار ہی کہلائے گی۔

حاصل : دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو، تو بھی استقامت کے ساتھ حق کی ادائیگی ضروری ہے۔ فوری نتیجے کی طلب بے علمی کو ثابت کرتی ہے، اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا، تو فرعون اور ان کے لشکر نے سرکشی اور عداوت سے ان کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ جب غرق ہونے لگا، پکارا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں ماننے والوں سے ہوں۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں تھے، اور موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق انہیں دریا کے پار لے گئے۔ بنی اسرائیل کے پاس دریا کو عبور کرنے کے لئے ذرائع موجود نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں، اور یہ سلامتی کے ساتھ دریا کے پار پہنچ گئے۔ فرعون کو معلوم ہوا، تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ منشا یہ تھا، کہ ان لوگوں کی ایسی سرکوبی کی جائے، کہ ہماری قوت اور عداوت کا رعب لوگوں کو خوف زدہ کرے۔ جو راستہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے بنایا گیا تھا، اس پر سے گزرنے کا حق تو ماننے والوں ہی کو تھا۔ فرعون اور اس کے لشکر کا تکبر ملاحظہ ہو، کہ بے سرو سامانی کے باوجود وہ بنی اسرائیل کو دریا کے پار پہنچا ہوا دیکھ رہا ہے، اسے نظر آ رہا ہے، کہ پانی نے جس طرح ان لوگوں کو راستہ دیا ہے، ایسے کبھی ہوا نہیں، کبھی سنا نہیں، مگر وہ پھر بھی ان لوگوں پر اپنے قہر کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ اسی راستے پر اپنے لشکر سمیت آ جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بنایا گیا تھا، تو اسے پکڑ لیا جاتا

ہے۔ اب اللہ کی گرفت سے بھاگ کر جانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس وقت فرعون پکارتا ہے، کہ میں بنی اسرائیل کے معبود کو مانتا ہوں، میں مسلمان ہوں۔ بنی اسرائیل کے معبود کو ماننے کا موقعہ دریا میں داخل ہونے سے پہلے تک تھا۔ دریا میں داخل ہوتے وقت بنی اسرائیل کے ساتھ سختی اور عداوت کی نیت تھی، گرفتار عذاب ہونے پر ایمان لے آیا، تو ایسا ایمان کب نفع دیتا ہے جس کے ساتھ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہو۔

حاصل : اللہ کی مدد شامل حال ہو، تو کسی بھی مشکل مقام سے گزرنا مشکل نہیں ہوتا۔ جو اللہ کا منصور ہو، اس کے ساتھ زیادتی اور عداوت ہمیشہ ہلاکت پر منتج ہوتی ہے۔ ایمان لانے کا دعویٰ تبھی سچا ہوتا ہے، جب اس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت دی جا سکے۔ دیکھئے متکبر انسان اندر سے کتنا کمزور ہوتا ہے، کہ بنی اسرائیل پر ظلم و عداوت کے لئے بڑھا چلا آتا ہے اور گرفتار عذاب ہونے پر ان کے معبود کو مان کر ان کے ساتھ ہونے کی بات کرنے لگتا ہے۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾

اب یہ کہتا ہے اور پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور تو مفسدین سے تھا۔

السناک عذاب کو دیکھ کر فرعون ایمان لایا۔ اس وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔ فرعون کو یہ سنا دیا گیا تھا فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَأْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا اللہ کا عذاب آ جانے پر کون ہمیں بچائے گا، کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب خلاف حق کرنے کی گنجائش ہی نہیں، تو ایمان بأس کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ جب تک عمل کے لئے وقت موجود تھا، تب تک نافرمانی فرعون کا طریقہ زندگی تھا۔ وہ کہتا تھا، میں تو لوگوں کو سبیل الرشاد کی ہدایت دیتا ہوں، اور تھا مفسد۔ فرمان حق کا پتہ ہونے کے باوجود اس کے خلاف کیا جائے تو یہ نافرمانی ہے، اور نافرمانی کو بھلائی کے نام پر پھیلایا جائے تو یہ فساد ہے۔

حاصل : ایمان بأس نافع نہیں ہوتا۔ عمل کے لئے دئے گئے وقت میں نافرمانی کی جائے، اور بھلائی کے نام پر برائی کو بڑھایا جائے، تو انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع

تو آج ہم تیرے بدن کو بچائے دیتے ہیں کہ تم اپنے پچھلوں کے لئے نشانی بنے۔ اور بے شک بہت لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

فرعون جس کو بڑائی کا دعویٰ تھا، جو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا، بنی اسرائیل کی اولاد سے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا، بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا، بڑا مفسد تھا، [illegible]

نے اس کے بدن کو بچا کر دریا کے باہر ڈال دیا۔ اس سے بنی اسرائیل کو اطمینان ہوا کہ ان کا دشمن اس انجام کو پہنچ چکا ہے، جس کی انہیں خبر دی گئی تھی، اور ماضی سے سبق لینے والوں کے لئے یہ نشانی ہے۔ جو لوگ اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتے، اپنے ارد گرد کے واقعات کو دیکھ کر اپنی کجی کو دور نہیں کرتے، وہ یقیناً اللہ کی آیات سے غافل ہیں۔

حاصل : تکبّر کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے تجربات اور مشاہدات کو سامنے رکھ کر اپنی کجی کو دور نہیں کرتے، وہ اللہ کی آیات سے غافل ہوتے ہیں۔ فلاح حق کو ماننے والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزّمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

أَلَيْسَ ٱللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُۥ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِٱلَّذِينَ مِن دُونِهِۦ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ ٱللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِى ٱنتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔ اور تمہیں اس کے مقابل اوروں کا خوف دلاتے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا۔ کیا اللہ عزت والا، بڑا انتقام لینے والا نہیں۔ یقیناً ہے!

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا، اور انہیں طیّبات سے رزق دیا۔ تو علم آ جانے کے بعد وہ اختلافات میں پڑے۔ بےشک تمہارا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وہ ٹھکانا جہاں بنی اسرائیل محکوم تھے، مجبور تھے، مظلوم تھے، ان کے لئے عزت کی جگہ نہ تھی۔ آل فرعون کی ہلاکت کے بعد وہی جگہ ان کے لئے باعث عزت بن گئی۔ اللہ نے ان کو پاک رزق سے نوازا۔ بہت آسانیاں عطا فرمائیں۔ اظہار عبدیت کے لئے، اظہار تشکر کے لئے ان کے پاس سب کچھ تھا۔ انہیں یہ علم بھی تھا، کہ اللہ کے نزدیک کیا پسندیدہ ہے، اور کیا ناپسندیدہ ہے۔ حق کے حوالے سے اپنی سیدھ کو برقرار رکھنے کی بجائے، یہ لوگ قیاسات کو بھی وہی اہمیت دینے لگے، جو اپنے تجربات و مشاہدات کے اعتبار سے ان کے نزدیک صرف حق کی شان کے لائق تھی۔ اس کا نتیجہ یہی تھا، کہ یہ لوگ اختلاف میں پڑ گئے۔ اور اختلاف میں پڑنے کی وجہ سے اللہ کی عطا کردہ توفیق کی ناشکری کر رہے ہیں۔ فیصلہ قیامت کے دن صادر ہو گا۔ اس دن اختلافات سب ختم ہو جائیں گے۔

حاصل : وہ ٹھکانا جہاں اظہار عبدیت کے لئے آسانیاں موجود ہوں، عزت کی جگہ ہے۔ اللہ کا عطا

کردہ رزق یقیناً مفید ہوتا ہے۔ انسانی تجویز سے بنی ہوئی شے میں بنانے والے کی غرض ضرور ہوتی ہے۔ حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کی اہلیت علم ہے۔ علم کے بعد اختلاف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب قیاس کو بھی وہی اہمیت دی جائے جو حق کی شان کے لائق ہوتی ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾

اور اگر تمہیں شک ہو، اس میں جو ہم نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے، تو ان سے پوچھو جو پہلے کتاب کے پڑھنے والے ہیں۔ بےشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے، تو ہرگز شک لانے والے لوگوں سے نہ ہونا۔

یہاں واحد حاضر کے صیغے کی وجہ سے خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا جائے، تو یہ خلاف حق ہے۔ سورۃ الصف (٦١) میں ارشاد ہے، اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ، میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے، ان کا نام احمد ہے۔

مخاطبین کو 'اِلَیْکُمْ' فرمایا گیا ہے۔ 'اِلَیْکَ' اس کا واحد ہے۔ سورۃ آل عمران (٣) میں ارشاد فرمایا گیا ہے:
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بھیجے گئے ہیں، بےشک ان سے قبل رسول ہو چکے ہیں۔ بھیجنے والا علیم مطلق ہے۔ اس کا بھیجا ہوا شک میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الاحزاب (٣٣) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ شک کا آپ کی حیات طیبہ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ سورۃ محمد (٤٧) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور ایمان لائے اور صالح عمل کئے، وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اور اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا، اور وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ یہ سند ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے 'اِلَیْکَ' نہیں فرمایا گیا، آپ کے لئے 'عَلٰی' فرمایا گیا ہے، یہ فرمان آپ پر نازل فرمایا گیا ہے، آپ کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ سورۃ الفتح (٤٨) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اور اللہ کافی ہے گواہ۔ اللہ گواہی دے رہا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اللہ گواہی دے رہا ہے، کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا۔ ان اسناد کی روشنی میں شک کو آپ کی ذات پاک سے منسوب کرنا قطعاً بےعلمی کی بات ہے۔ جس کی زندگی میں نور ہدایت موجود ہے وہاں شک کا گزر نہیں ہوتا۔ اور جس ذات بابرکات کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہاں اندازے قیافے کا مقام ہی نہیں ہو سکتا، شک تو بعد کی بات ہے۔ سننے والے سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اگر تجھے شک ہے جو ہم نے تیری طرف نازل فرمایا ہے، تو ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ کتب سابقہ کے پڑھنے والے موجود

ہیں، ان سے پوچھا جائے تو وہ بتائیں گے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ماضی میں آ چکی ہیں، اور علیم مطلق کا بتایا ہوا راستہ ہی حیات دنیا میں صراط مستقیم ہوتا ہے۔ قرآن پاک حق ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اس میں شک لانے والا ایک سو نہیں رہ سکتا۔ پھر فلاح اسے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔

حاصل : قرآن پاک کا نزول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے، اس لئے الیکَ آپ کے لئے نہیں فرمایا گیا۔ کتب سابقہ پڑھنے والے یہ بتائیں گے، کہ علیم مطلق کا بتایا ہوا راستہ ہی صراط مستقیم ہو سکتا ہے۔ ماضی حال کی تصدیق کرتا ہے، حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمان خداوندی کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، ورنہ شک میں مبتلا ہونے کی صورت بن جاتی ہے۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾

اور ہرگز ان میں نہ ہونا، جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی۔ پھر تو خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق کا مکذب ہونا ناممکن ہے، کہ رسول کو اللہ نے شاہد بنا کر بھیجا ہوا ہے۔ اللہ کا مقرر کردہ معیار ہی معیار نہ رہے، تو تبلیغ حق ناممکن ہو جائے گی۔ اور حق کو قولاً پہنچانے کے ساتھ عملاً وہ کرا کے دکھانا بھی ضروری ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، تاکہ مسلمین اور مجرمین کے درمیان خط امتیاز کھنچ جائے، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے۔ اللہ کی آیات کا نزول رسولوں پر ہوا ہے، اس لئے وہ سب شاہد ہیں۔ وہ بشارت بھی دیتے رہے ہیں، ڈر بھی سناتے رہے ہیں۔ اللہ نے رسولوں کی نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے، اور اللہ کی نصرت مکذبین کے لئے نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ خطاب فرد کو ہے، اور واحد حاضر کے صیغے کی وجہ سے اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کرنا قطعاً خلاف حق ہے۔ فرد سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا ساتھ ہمیشہ خسارے کا باعث ہوتا ہے، اس لئے ان کے ساتھ سے بچنا اور اپنی حفاظت سے غافل نہ ہونا۔ ساتھ انکار کھنا، جو حیات دنیا کی مقصدیت کا یقین رکھتے ہوں، اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرتے ہوں، تمہاری بھلائی چاہنے والے ہوں، اور ان پاک صفات کے حامل ہوں، جن کو دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہوں۔

حاصل : فرد کو دیکھنا چاہئے، کہ وہ کن کے ساتھ ہے۔ ماننے والوں کے ساتھ ہو گا، تو فلاح حاصل ہو گی، مکذبین کے ساتھ ہو گا تو خسارہ ملے گا۔ جو اپنی حفاظت سے غافل ہو گا، وہ کسی کو کیا سکھ دے سکتا

اللہ کی مشیت اور اذن کے بغیر صاحب ایمان ہونا، ناممکن ہے۔ یہ اذن کن کے لئے ہوتا ہے، ضرور جاننا چاہئے۔ یہ اذن ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے، جو تخلیق اور مقصد تخلیق کے تعلق کو دیکھتے ہیں۔ اپنے مقصد حیات کو جاننے کے بعد اس کے پورا کرنے کی بہترین صورت کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ بہترین صورت ہمیشہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے منور ہوتی ہے۔ اس پاک صورت کو شاہد بنا کر اپنی خواہشات کی پیروی سے بچتے ہیں۔ شاہد سے اس طرح محبت رکھتے ہیں کہ جو وہاں ہو رہا ہو اس کو حق جانتے ہیں۔ سمجھ میں آ رہا ہو، تو پوچھنے والے کو بتا دیتے ہیں، ورنہ یہ کہتے ہیں، مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا، جو کچھ ہو رہا ہے، ہم پر اس کا مقام آئے گا، تو معلوم ہو گا۔ بولنے اور خاموش رہنے کے آداب و مقامات کو جانتے ہیں۔ دوسروں کو وہی بتاتے ہیں، جس سے خود فائدہ اٹھا چکے ہوتے ہیں۔ اتنے یکسو ہوتے ہیں، کہ یہ نہیں دیکھتے لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، یہی دیکھتے ہیں، کہ حق کے مطابق رہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ ان عقل والوں کو اللہ کے اذن سے صاحب ایمان ہونے کا شرف ملتا ہے۔ جو لوگ عقل نہیں کرتے، وہ عذاب اور گندگی کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل : ایمان باذن اللہ نصیب ہوتا ہے۔ عقل کرنے والے، مقصد حیات کو پورا کرنے والے، ناصح سے محبت کرنے والے، یکسو لوگ پاک ہوتے ہیں، اور ایمان کا شرف پاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے عقل، خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، کج رو، مکذب عذاب الٰہی کی طرف دوڑتے رہتے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰۱)

فرمایئے: نظر کرو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔ اور نشانیاں اور ڈر سنانے والے، ایمان نہ لانے والوں کے کام نہیں آتے۔

فرمایا گیا ہے، کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی نظر آتا ہے، اپنے صانع کی قدرت کا، اس کے علم کا، اس کی حکمت کا، اس کی توحید کا پتہ دیتا ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے آسمانوں اور زمین میں ہر نشانی حق کی تصدیق کرتی ہے، اور خلاف حق کرنے کے انجام سے ڈرانے والے دعوت تعقل دیتے ہیں۔ ایمان لانے والے، حصول علم کے لئے ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں، جو حق کے جاننے والے، اہل ذکر ہوتے ہیں۔ ایمان لانے والوں کو علم والوں سے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر جب من مانیوں کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو، تو نشانیاں کیا کام آ سکتی ہیں، ڈر سنانے والے کیا کام آ سکتے ہیں۔ رخ درست ہو، تو آسمانوں اور زمین کی بہت سی نشانیاں روشنی کے میناروں کا کام دیتی ہیں۔ ڈر سنانے والے حضرات کا اتباع خوف و حزن سے نجات پا جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں نظر کر کے، اللہ کی قدرت، اس کی حکمت، اس کی توحید کے مظاہر کو دیکھنا چاہئے، اور طالبان حق کو دکھانا چاہئے۔ خلاف حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے حضرات کا ادب کرنا چاہئے، اور ان کی مدد کرنی چاہئے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تو اب کاہے کے انتظار میں ہیں مگر انہی لوگوں کے سے دنوں کا، جو ان سے قبل گزر چکے ہیں۔ فرما دیجئے: انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

حق کی تکذیب کرنے والے لوگوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس سے پہلے مکذبین جس انجام کو پہنچ چکے ہیں، تم بھی اس انجام کو پہنچنے والے ہو۔ حق کا انکار کرتے کرتے جب عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر چکو گے تو پھر گرفت کے دن آ جائیں گے۔ پہلے مکذبین سے بھی یہ ہو چکا ہے۔ تم وہی راستہ اختیار کرو گے، تو تمہارے ساتھ بھی وہی ہو گا۔ ہدایت کی طلب ہو تو نشانیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ڈر سنانے والے بھی موجود رہتے ہیں۔ حق کے انکار کو شعار بنا لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا انتظار ہی کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ ڈر سنانے والے کو یہ انتظار اس لئے ہوتا ہے، کہ استفادہ کرنے والوں کو اس کی موجودگی سے فائدہ پہنچے، اور منکرین کے انجام پر وہ گواہ بنے۔

حاصل : جو لوگ حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی گرفت کا انتظار کرنا چاہئے۔ ڈر سنانے والے کو یہی کہنا چاہئے، حق کا انکار کرنے والو، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے۔ یہی ہمارا حق ہے، کہ ہم مومنین کو نجات دیں۔

مکذبین کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی پکڑ کے انتظار کا پیغام دے دیا جائے، تو اس کے بعد کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، تو سنت الٰہی کے مطابق رسول اور ایمان والے نجات پانے والے ہوتے ہیں۔ باقی سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ رسول سے محبت کا رشتہ ہی ایمان کو ثابت کرتا ہے، کہ مومنین کو نجات دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ رسول کی معیت ہی وہ مقام ہوتا ہے، جہاں عافیت قائم رکھی جاتی ہے۔ باقی سب مقامات بربادی کے احاطے میں آ جاتے ہیں۔ پھر مکذبین اس احاطے سے نکل نہیں سکتے۔ اور وہ مٹ جاتے ہیں، جیسے پہلے مکذبین مٹ جاتے رہے ہیں۔ یہی اللہ کی سنت ہے، اور اللہ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔

حاصل : عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو جائے تو پھر مکذبین کو عذاب الٰہی پکڑ لیتا ہے، اور رسول اور اس کے ایمان والے ساتھی نجات پاتے ہیں۔ مومنین کو نجات دینا اللہ کی سنت ہے۔ مکذبین کو مٹا دینا اللہ کی سنت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر (۱۵) میں ارشاد فرمایا ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ ٱلْعَذَابُ ٱلْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

خبر دیجئے میرے بندوں کو، کہ بے شک میں ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہوں۔ اور میرا ہی عذاب، المناک عذاب ہے۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى شَكٍّ مِّن دِينِى فَلَآ أَعْبُدُ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ ٱللَّهَ ٱلَّذِى يَتَوَفَّىٰكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾

فرما دیجئے: اے لوگو، اگر تم کو میرے دین کے بارے میں شک ہے، تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا، جن کی تم اللہ کے مقابل عبادت کرتے ہو۔ ہاں میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں، جو تمہیں وفات دیتا ہے۔ اور مجھے امر ہے کہ مومنین سے ہوں۔

لوگوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اگر تمہیں اسلام کے بارے میں جو دین حق ہے، کچھ شک ہے، تو شاہد کی زبان پاک سے یہ سن لو، کہ جن کی تم لوگ، اللہ کے مقابل بندگی کرتے ہو، وہ قطعاً معبود نہیں ہو سکتے۔ اس لئے تمہارے معبودوں کے حوالے سے تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں بن سکتا۔ ہاں میرے معبود کے حوالے سے تمہارے ساتھ تعلق بنتا ہے۔ میرا معبود ہی تمہیں پیدا کرنے والا ہے، اور میرا معبود ہی تمہیں وفات دینے والا ہے۔ معبود لاشریک امر دیتا ہے، کہ مالک حقیقی کو مانا جائے۔ ماننے کی بہترین صورت یہی ہے، کہ شاہد کی اطاعت بھی ہو، اس کا اتباع بھی ہو۔

حاصل : جو لوگ ہمارے معبود کو نہیں مانتے، جیسے اس کو ماننے کا حکم ہے، وہ ہم سے الگ ہیں۔ موت و حیات کا خالق وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے بندے اس کے امر کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾

اور یہ کہ اپنا رخ دین کے لئے سیدھا رکھ یکسو ہو کر، اور مت ہو شرک لانے والوں سے۔

ماننے والے کو یہ حکم ہے، کہ اپنا رخ ہمیشہ دین کے لئے سیدھا رکھو اور یکسو رہو۔ دین کے لئے رخ سیدھا رکھنا یہ ہے، کہ رضاء الٰہی مقصود ہو اور عملاً شاہد کی معیت میں رہا جائے۔ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے۔ شاہد کے فرمان کے علاوہ کسی اور کی بات کو بھی وہی اہمیت دی جائے، جو شاہد کے فرمان کے لائق ہوتی ہے، تو یکسوئی بھی نہیں رہے گی اور شرک کا امکان

بھی ہو جائے گا۔ دین میں اپنی پسند کو داخل کرنا اور اپنی پسند کو وہی مقام دینا جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حق کی شان کے لائق ہے، شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔

حاصل : حق کے ماننے والے کو جاننا چاہئے، کہ رخ سیدھا ہو اور یکسوئی ہو تو عمل اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو گا۔ شاہد کے ارشاد کے مقابل کسی کی بات کو اہمیت دی جائے تو حنیف رہنا ممکن نہیں رہتا اور شرک سے بچنے کے لئے حنیف ہونا ضروری ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

اور اللہ کے مقابل اسے نہ پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ ضرر۔ پھر اگر تو ایسا کرے تو یقیناً تو ظالموں سے ہو گا۔

نفع اور ضرر باذن اللہ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ کے مقابل نفع اور ضرر پر قادر مان لیا جائے، تو حق کا عملاً انکار ہو گا، اور ظلم ہو گا۔ نفع اور ضرر کو باذن اللہ مانا جائے، تو لوگوں کے ساتھ معاملات درست رہ سکتے ہیں، ورنہ لوگوں کا عمل ہمارے رخ کو متعین کرے گا۔ اس صورت میں ہم خواہشات کی پیروی سے بچ نہیں سکتے۔ پھر گمراہی بھی لازماً ہو گی، ظلم بھی یقیناً ہو گا۔ جس صورت کو بھی نفع اور نقصان پر قادر مانا جائے اور اس کا تعین بھی کیا جا سکے، وہ صورت لافانی بھی نہیں ہو گی، بے مثل بھی نہیں ہو گی۔ نتیجے پر قدرت رکھنے والی ذات پاک کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بے مثل بھی ہے، لافانی بھی ہے۔

حاصل : نفع اور ضرر کو باذن اللہ مانا جائے، تو ظلم سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے، تو اس کا کوئی کھولنے والا نہیں مگر وہی۔ اور اگر تیرا بھلا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے۔ اور وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تکلیف باذنِ اللہ ہوتی ہے، اور انسان تکلیف میں خود کو بے بس پاتا ہے۔ اللہ ہی اس بے بسی کو دور کر سکتا ہے۔ جس سبب کو انسان تکلیف کے دور کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ سبب بھی اللہ ہی بناتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو سبب بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر اللہ چاہے کہ بندے کا بھلا ہو، تو اس کے فضل کے سامنے کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ اس کا فضل اس طرح آتا ہے، کہ کسی کی

مخالفت اسے دور نہیں کر سکتی۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے فضل کرتا ہے۔ چاہتا انہی کو ہے، جو اس کے عبد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محبّین کو چاہتے ہیں۔ ناصح سے محبت رکھنے والا خطا کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا رخ درست ہوتا ہے، اس کی سعی رضاء الٰہی کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ اس کو بخش بھی دیتا ہے، اس پر رحم بھی فرماتا ہے۔ بخشش سے معافی ملتی ہے، رحم سے سہارا ملتا ہے۔ یہ سہارا باعث استقامت ہوتا ہے۔

حاصل : تکلیف باذن اللہ آتی ہے۔ اللہ ہی اس کو کھول سکتا ہے۔ بے بسی کو دور کرنے والا، وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا فضل شامل حال ہو، تو کسی کی بدخواہی کیا کر سکتی ہے۔ اس کا فضل انہی پر ہوتا ہے، جو دین کے لئے اپنا رخ سیدھا رکھتے ہیں اور یکسور رہتے ہیں۔ رخ درست ہو تو خطا کو بخش دیا جاتا ہے، اور رحم فرما کر استقامت بھی دی جاتی ہے۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾

فرما دیجئے، اے لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا۔ اب جو کوئی ہدایت پائے سو وہ اپنے بھلے کو پاتا ہے، اور جو بہکا پھرے سو اپنے برے کو بہکا پھرے گا۔ اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔

ارشاد فرمایا گیا ہے، اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے۔ تم پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ دنیا و آخرت میں فلاح پانے کے لئے تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ حیات دنیا میں خوف و حزن سے بچنے کا راستہ علیم مطلق نے بتایا ہے اور وہ ہے عباد مخلصین کا اتباع۔ اب جو کوئی حق کو مانتا ہے، وہ ہدایت پائے گا، اور اس میں اسی کا بھلا ہو گا۔ جو ہدایت نہیں پاتا وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا، کہ حق کے بعد ہے ہی گمراہی۔ اور جو گمراہ ہو گا، وہ خوف و حزن میں مبتلا رہے گا۔ آخرت میں تو اسے اس کے اعمال کی جزا عذاب کی صورت میں ملنی ہی ہے۔ حق کے روشن ہو جانے کے بعد ہر باشعور کو یہ اختیار ہے، کہ اللہ کی پسندیدہ راہ کو اختیار کرے۔ ہر ایک کو اس کے رخ کے مطابق جزا دی جائے گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں، کہ وہ جبراً کسی کو ہدایت دیں۔

حاصل : حق رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جو حق کو مانے وہ بھلائی کی راہ لیتا ہے، جو نہیں مانتا گمراہ ہو جاتا ہے۔ حق کے روشن ہو جانے کے بعد ہر باشعود کو اختیار دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ کی رضا کو مقصود بنائے یا اپنی مرضی پر چلے۔ ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ کسی کے رخ کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری نہیں ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

اور اس کا اتّباع کر جو تیری طرف وحی کی جائے۔ اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ حکم فرمائے۔ اور وہی سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے۔

حق کی تبلیغ کرنے والے کی شان یہی ہے، کہ وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رضاء الٰہی کے لئے سعی کرتا رہے، اس کی بات ہمیشہ حق کی بات ہو اور بات وہی ہو جس پر وہ خود عمل پیرا ہو۔ یہ نہ دیکھے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اس پر نظر رکھے کہ حکم خداوندی کے مطابق اسے لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ صبر کی انتہا یہ ہے، کہ اللہ کا حکم عملاً وارد ہو جائے اور جہاد کا مقام آ جائے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ایمان والوں کے ساتھ نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس وقت مکذّبین کے ساتھ نرم رویہ رکھنا منع ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس لئے اس، کا فیصلہ بھی سب سے بہتر ہوتا ہے۔

حاصل : حکم خداوندی کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اس حق کی ادائیگی میں لگے رہنا چاہئے، جو ہم پر عاید ہوتا ہے۔ مخالفین کے رویئے سے تکلیف پہنچتی ہو تو صبر کرنا چاہئے، حتیٰ کہ اللہ کا حکم وارد ہو جائے۔ پھر جہاد کے وقت مکذّبین کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو اس موقعہ پر اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم ہی سب سے بہتر ہے، کہ اس سے بڑا علم والا کوئی نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (۵۷) میں ارشاد فرمایا ہے :

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٩﴾

وہی ہے، کہ اپنے عبد پر روشن آیات نازل فرماتا ہے، تاکہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ①

الٓرٰ یہ کتاب ہے، جس کی آیات حکمت والی ہیں۔ پھر انہیں حکمت والے خبر والے کی طرف سے مفصل فرمایا گیا ہے۔

حروف مقطعات کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ یہ کتاب ہے، جس کی آیات میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے۔ سیکھنے والوں کو یہ نظر آتا ہے، کہ الفاظ کی موزونیت اس پاک کتاب کے حوالے سے ہو، تو ان الفاظ سے بہتر انتخاب ناممکن ہو گا۔ معانی میں حسن مقصود ہو تو یہی پاک کتاب رہنمائی کرے گی۔ حق جب بھی بیان ہو گا، اسی پاک کتاب کی آیات سے اس کی تصدیق ہوگی۔ آیات کا باہمی تعلق حکمت والے، خبر والے، علیم مطلق کی طرف سے یہ رکھا گیا ہے، کہ ایک مقام کا بیان دوسرے مقام کے بیان کو مفصّل کرتا ہے۔ قرآن پاک سے فیض لینے والوں کی جسمانی اور روحانی ضروریات کے لئے جو بھی درکار ہے، سب اس میں موجود ہے، مفصّل بھی ہے۔

حاصل : الفاظ و معانی اور دانائی کا سب سے بڑا معیار قرآن پاک ہے۔ اس کی آیات میں حکمت بھی ہے، تفصیل بھی ہے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ②

کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی۔ بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ڈر سنانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

انبیاء کرام نے حکم خداوندی کے مطابق اپنے اپنے مقام پر لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی، جس کا کوئی شریک نہیں۔ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم خداوندی کے مطابق لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی اور یہ واضح فرمایا، کہ میں تم سب کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ مجھے تمہارے معبود لاشریک نے بھیجا ہے۔ میرا منصب یہ ہے، کہ خلاف حق اعمال کے انجام سے آگاہ کروں اور اس انجام کا ڈر سناتا رہوں۔ جو لوگ حق کو مان کر اللہ کی بندگی اور صراط مستقیم کو اختیار کریں ان کو فلاح کی بشارت

دوں۔ اللہ کی بندگی یہ ہے، کہ اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیّت کا سب سے بڑا معیار مانا جائے، اپنے قول اور عمل کو اسی حوالے سے دیکھا جائے، منشا ہر مقام پر اللہ کی رضا کا حصول ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے، اور اس کے ساتھ عباد مخلصین سے الگ ہو کر اپنا تشخص بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ قدر و منزلت نصیب ہو تو اپنے معلم اور مزکّی کا نام لے کر ان کے احسانات، تعلیمات، اور مشکل مقامات پر رضاء الٰہی کے تحت پورا رہ کر دکھانے کے واقعات کو بیان کیا جائے، مقام اپنا ہو، نام اپنے صاحب کا لیا جائے۔

حاصل : اللہ کی بندگی اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نہ ہو، تو وہ بندگی نہیں ہو گی، شیطانیت ہو گی۔ ڈر سنانے والے اور بشارت دینے والے کی بات میں کبھی اس کی غرض و غایت پوشیدہ نہیں ہوتی۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کا قرب تقرّب الی اللہ کا ذریعہ بنے گا۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③

اور یہ کہ اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تمہیں وقت مقرّرہ تک متاع حسن سے نوازے گا، اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرو، تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یہ تعلیم دی گئی ہے، کہ اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ بخشش طلب کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے، کہ عباد مخلصین کے اعمال اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں، ہمارا عباد مخلصین سے کیا تعلق ہے اور اسے کیسا ہونا چاہئے تھا۔ اس طرف نظر جائے گی، تو اپنے اعمال کبھی بھلے نہیں معلوم ہوں گے۔ دوسروں کی خطائیں بھی قابل معافی نظر آنے لگیں گی۔ توبہ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے بڑا سہارا ملتا ہے۔ حق کے مقابل اپنی پسند کو چھوڑ دیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ حق کی ادائیگی کے لئے جو درکار ہے وہ موجود ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ علیم مطلق یقیناً عطا کر دے گا۔ اس مقام پر رہنے والے بندے کو متاع حسن سے نوازا جاتا ہے۔ اسے وہ کچھ دیا جاتا ہے، کہ اس سے اس کی راحت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جو فضل الٰہی کو اللہ کی رضا کے لئے اس طرح استعمال کرے کہ استفادہ کرنے والے کا شکر گزار ہو، کہ فانی شے قبول کرنے والے کی وجہ سے دینے والے کے لئے دائمی نعمت بن گئی ہے، اس فضیلت والے پر اللہ کا مزید فضل ہوتا ہے۔ یہ حقائق ہیں، جو ان سے منہ پھیرے، وہ یقیناً عذاب الٰہی کی طرف سے بڑھ رہا ہے۔ پھر وہ عذاب سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا۔

حاصل : اپنے ربّ سے استغفار کرنی چاہئے۔ توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ فضل الٰہی کو تقسیم کرتے رہنا باعث فضل مزید ہوتا ہے۔ حقائق کا انکار کرنے والا، اللہ کے عذاب سے بچ جائے، یہ ناممکن ہے۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴

اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

سزا دینے والا مجرم کو پکڑنے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو، تو اس کی طرف سے سزا دینے کا اعلان بے معنی ہو جاتا ہے۔ جزا دینے والا وحدہٗ لا شریک وہ قدرت رکھتا ہے جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہمارے حال پر بھی کامل قدرت رکھتا ہے، ہمارے ماضی پر بھی وہی قادر تھا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہو گا۔ ہمارے اعمال اس سے مخفی نہیں ہیں۔ ہماری نیتیں اس سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ حق ہم پر کس قدر واضح کیا گیا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ جن اشیاء کو ہم نے خلاف حق استعمال کیا ہو گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں شہادت دینے کا حکم ہو گا، تو وہ پوری پوری شہادت دیں گی۔ حتیٰ کہ انسان کے اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا تو وہ صحیح شہادت دیں گے۔ انسان کے اندر اور باہر ہر جگہ پر اللہ کی قدرت موجود ہے۔ ہر مقام اللہ کی قدرت کے احاطے کے اندر ہے۔ شے تبھی بنے گی جب اس کا مقصدِ تخلیق متعین ہو گا۔ صانع کی قدرت کے دائرے سے شے کا باہر ہونا ناممکن ہے۔ ہر قدرت جس کا تعین کیا جا سکتا ہو، قادرِ مطلق کی قدرت کے تابع ہے۔

حاصل : مادہ منویّہ کی ابتدا سے لے کر حمل کے قیام تک، حمل کے قیام سے وضع حمل تک، پیدائش سے موت تک، اور موت سے بَعثَ بَعدَ المَوت تک اور بعث بعدالموت سے جزا تک اور اس کے بعد بھی اللہ کی قدرت ہر مقام پر موجود ہوتی ہے اور موجود رہے گی۔ ہمیں اس قدرت کا اعتراف ہو، تو پھر اس اعتراف کو ہمارے عمل میں بھی نظر آنا چاہئے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

سنو، وہ اپنے سینے دہرے کرتے ہیں، کہ اس سے چھپائیں۔ سنو، جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں، وہ ان کے چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے بھیدوں کا علم رکھتا ہے۔

واضح فرمایا گیا ہے، کہ بعض لوگ اپنے بدن کی زبان سے یہ تاثر دے رہے ہوتے ہیں، کہ وہ حیا کی وجہ سے جھکے جا رہے ہیں، اپنے سینوں کو دہرا کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ حدود علم مطلق سے ہیں۔ اللہ سے تو کوئی بھی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ جو کچھ کپڑوں کے اندر چھپا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوتا۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس علیم مطلق کے ساتھ پاک رہنا اسی طرح ممکن ہے، کہ ہمارے ظاہر اور باطن میں رضاءِ الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ اس زہد کے علاوہ راحت کا حصول ناممکن ہے۔

حاصل : اللہ کے ساتھ ہونے کا احساس ہو، تو ادب اور حیا کا اظہار ہونا چاہئے، مگر اس یقین کے ساتھ کہ

ہم اللہ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتے۔ ہمارے قول میں اللہ کی رضا مقصود ہو اور ہمارے عمل میں ہمارا رخ اللہ کی رضا کا ہو، الفاظ لغو گوئی سے پاک ہوں، حرکات بدنی سے استکبار کا اظہار نہ ہو اور مدح و ذمّ ہمارے رخ کو متاثر نہ کریں، تو ہم باادب بھی ہیں باحیا بھی ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔ اسے علم ہے کہاں ٹھہرے گا، اور کہاں سپرد ہو گا۔ سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

زمین پر چلنے والوں کو رزق کی احتیاج پودوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جہاں بھی کوئی چلنے والا جائے، اس کا رزق اسے اللہ کے فضل سے مہیا کیا جاتا ہے۔ رزق دینا اور دیتے رہنا یہ اللہ کی شان ہے۔ معطیٔ مطلق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب اسی کے دیئے ہوئے رزق پر پل رہے ہیں۔ رزق دینے والا ہر مقام پر وحدہٗ لا شریک ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رزق دینے والا ہو نہیں سکتا، اس لئے انسان کا چلنا پھرنا اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے کسی بھی مقام پر جائے، تو اس یقین کے ساتھ جائے، کہ رزق دینے والا اسے کسی بھی مقام پر بھولے گا نہیں، اسے علم ہے وہ کہاں رہے گا، اور حیاتِ دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے کے بعد کہاں سپرد خاک کیا جائے گا۔ اس لئے اللہ ہی ہر حال میں اور ہر مقام پر رزق مہیا کر سکتا ہے۔ عقل کرے گا، تو جہاں بھی رہے گا، راحت پائے گا۔ ورنہ جہاں بھی رہے گا، خوف و حزن اس پر سوار ہو گا، روشن کتاب میں سب کچھ ہے، مگر اس سے فائدہ وہی اٹھائے گا، جو روشنی کا طالب ہو، اور ظلمات سے نور کی طرف آنے کا رخ رکھتا ہو۔

حاصل : رزق اللہ کے ذمّے ہے، اور تاحیات ہر مقام پر اسی کے ذمّے رہتا ہے۔ جہاں بھی جانا ہو، اللہ کی رضا کے حصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کے لئے جانا چاہئے۔ روشن کتاب میں ہے سب کچھ، مگر فائدہ وہی اٹھاتا ہے، جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کا رخ رکھتا ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾

اور وہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا، اور اس کا عرش پانی پر تھا، کہ تمہیں دیکھے کہ تم میں کس کے عمل احسن ہیں۔ اور تم کہو کہ تم لوگ موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے، تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

چھ دن ہمیشہ ماضی ہوتے ہیں، ساتواں دن حال کا ہوتا ہے، اور متحرک ہوتا ہے۔ حرکت سے پہلے سکون کا ہونا ضروری ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے قبل عرش اور پانی موجود تھے۔ پانی آئندہ اشیاء کے لئے مادۂ حیات بنایا گیا۔ رب العرش نے جو چاہا وہی ہوا، وہی ہوتا آیا ہے، اور وہی ہوتا رہے گا۔ اس پورے نظام کا مقصد تخلیق یہ ہے، کہ تم اپنے مقام کو دیکھو اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو استعمال کرنے کی احسن صورت کو پاؤ۔ جو کچھ بھی بنایا گیا ہے، اس سے بندوں کو فائدہ پہنچے تو اشیاء صحیح محل پر استعمال ہونے کی وجہ سے باعث راحت ہوں گی، ورنہ معاشرتی مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی۔ خالق کل یہ دیکھتا ہے، کہ کون خود شناسی سے خدا شناسی کی طرف آتا ہے، اور عقل سے احسن عمل کرتا ہے، اور کون اس کے خلاف مقصد حیات کی نفی کرتے ہوئے، بے عقلی سے فساد کرتا ہے۔ جب کافروں سے یہ کہا جاتا ہے، کہ زندگی کے پورے ہونے کے بعد تمہیں موت آئے گی، عمل کے لئے جو توفیق تمہیں دی گئی ہے، جو وقت تمہیں دیا گیا ہے، جو معیار تمہارے سامنے رکھا گیا ہے، تب اس کے حوالے سے تمہیں پوچھا ضرور جائے گا، تو کافر اس کے جواب میں کہتے ہیں، بَعثَ بَعدَالمَوت کو آپ کی جادو بیانی ثابت کر رہی ہے، ہم اس کو نہیں مانتے۔ کافر اپنی پسند کے ساتھ اس قدر جڑا ہوا ہوتا ہے، کہ حقائق کو جادو بیانی کہہ کر من مانی کی راہ لے لیتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا گیا۔ پانی ہر شے کا مادۂ حیات ہے۔ کسی بھی تعمیر سے پہلے بنانے والے کا مقام واضح ہونا چاہئے اور پانی موجود ہونا چاہئے۔ کائنات کی ہر شے جس سے ہمیں واسطہ ہوتا ہے، ہمارے بارے میں یہ ریکارڈ کر رہی ہے، کہ ہمارا عمل احسن ہے، یا نہیں ہے۔ بَعثَ بَعدَالمَوت کو نہ ہونے سے ہونا کہا جائے، تو ماضی میں یہ ہو چکا ہے، مستقبل میں یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ ع

اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک معلوم مدّت تک مؤخر کر دیں، تو ضرور کہیں گے، اسے کس چیز نے روکا ہے۔ سن لو، جس دن ان پر آئے گا، ان سے پھیرا نہیں جائے گا، اور انہیں گھیرے گا جسکا استہزاء کرتے تھے۔

منکرین حق کو جب ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے، اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ خلاف حق کرنے کا انجام عذاب الٰہی کی صورت میں تمہیں گھیرے گا، تو ممنوعہ اعمال کے کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں، وہ عذاب کس چیز نے روک رکھا ہے، جس کا ہمیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، عذاب اتمام حجت کے بعد آئے گا۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ عذاب کے وقت کا تعین اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر جاننے کی بات یہ ہے، کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا ان سے پھیرا نہیں جائے گا، اور جس کا اب مذاق اڑاتے ہیں، اس کے گھیرے سے نکل کر کہیں جا نہیں سکیں گے۔

حاصل : اللہ کا عذاب اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔ مکذبین خلاف حق کرنے کے بعد عذاب کے نہ آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ جاننے کی بات یہ ہے، کہ یہ عذاب کو ٹالنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے، اس سے بھاگ

جانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ حق کا مذاق اڑانے والے غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطّلاق (۶۵) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾

اور کتنے ہی قریئے تھے، جنہوں نے اپنے رب کے امر اور رسول سے سرکشی کی، تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور انہیں بری مار ماری۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں، پھر وہ اس سے چھین لیں تو وہ مایوس، ناشکرا ہوتا ہے۔

انسان کو اپنی ذات کے حوالے سے صحت، امن، وسعت رزق اور ماحول کے حوالے سے قدر و منزلت کی بڑی طلب ہوتی ہے۔ بعض نعمتیں اپنی موجودگی کے وقت زیادہ اہم نظر نہیں آتیں، مگر جب ان میں سے کچھ چھن جائے، تو ان کی اہمیت بہت واضح ہو جاتی ہے۔ جو موجود ہوتا ہے، اس کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل ہونے کی بجائے جو کچھ چھن جائے اس پر مایوسی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مایوسی اور ناشکری لازم و ملزوم ہیں۔

حاصل : اللہ کی رحمت کے مزے میں اللہ کو یاد رکھنا چاہئے، پھر آسائشوں کی اونچ نیچ سے پریشانی نہیں ہوتی۔ شے سے تعلق ہو، اور عطا کرنے والے سے تعلق نہ ہو، تو شے کے چھن جانے سے مایوسی بھی ہو گی، ناشکری بھی ہو گی۔ معطیٔ مطلق سے تعلق ہو تو کسی شے کے چھن جانے پر یہ یقین ہو گا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا ہونے والا ہے، اور مستقبل میں بڑی رحمت سے نوازا جائے گا۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٠﴾

اور اگر ہم اسے نعمت کا مزہ چکھائیں، اس دکھ کے بعد جو اسے پہنچا تھا، تو ضرور کہے گا، کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں۔ بےشک وہ فرحت والا، فخر کرنے والا ہے۔

دکھ اور تکلیف کے دور کی یادیں آسائشوں کے مزے میں حلول ہو جاتی ہیں۔ دکھ کے بعد جب سکھ ملتا ہے، تو انسان یہی کہتا ہے، کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں، یہ نہیں کہتا، کہ دکھ مجھ سے دور کیا گیا۔ اس طرح ناشکری نیا رنگ لے لیتی ہے، اور انسان خوشی اور فخر کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اسے اپنے قول میں خوبی نظر آنے لگتی ہے، اسے اپنے عمل میں حسن نظر آنے لگتا ہے، اور وہ ماضی میں اپنی کارکردگی کا ذکر مزے لے کر اور اترا کر کرتا ہے۔

حاصل : نعمتیں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ دکھ کے بعد سکھ ملے، تو یہ نہیں کہنا چاہئے، کہ دکھ مجھ سے دور ہوا، یہ کہنا چاہئے. اللہ نے اپنے کرم سے دکھ دور کیا، آسانیاں عطا فرمائیں۔ اپنے ماضی کی کارکردگی پر فرحت اور فخر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ بندے کا شکریہ ادا کرنا اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾

مگر جنہوں نے صبر کیا، اور صالح عمل کئے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

جو لوگ مصائب و آلام کو باذن اللہ جانتے ہیں. وہ صبر کرتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے. کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہوگی تو دکھ دور ہوگا۔ اس لئے وہ ذکر الٰہی میں زیادہ وقت لگاتے ہیں، اور اپنا حق اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جو کام بھی ان کے ذمے ہوتے ہیں، انہیں احسن طریقے سے کرتے ہیں۔ مقصود یہی ہوتا ہے، کہ اللہ راضی ہو، اور عباد مخلصین کی معیت حاصل رہے۔ انہیں مغفرت اور اجر کبیر سے نوازا جاتا ہے۔ مغفرت سابقہ کوتاہیوں کی معافی کی صورت میں اور اجر کبیر استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنے کے لئے آسانیوں کی صورت میں ملتے ہیں۔

حاصل : اللہ کے پاک بندے، مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ اپنا حق احسن طریق سے ادا کرتے ہیں۔ جب دکھ دور کر دیا جائے، تو شکر ادا کرتے ہیں۔ نہ ہونے کے مقام پر بھی اللہ کے ساتھ پاک رہتے ہیں، اور ہونے کے مقام پر بھی اللہ کی معیّت انہیں حاصل رہتی ہے۔ ان حضرات کے لئے مغفرت بھی رکھی گئی ہے، بڑا اجر بھی رکھا گیا ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾

تو کیا جو وحی تمہاری طرف ہوتی ہے، اس میں سے کچھ ترک کر دو گے۔ اور اس پر تمہیں گھٹن ہوگی، کہ وہ کہتے ہیں، اس کے ساتھ کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا، یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آتا۔ تم تو نذیر ہو۔ اور اللہ ہر شے پر وکیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک کی تنزیل رحمۃ اللعالمین کے قلب مبارک پر ہوئی۔ آپ ؐ نے تبلیغ حق میں جس استقامت و ثبات کو قائم رکھا، حدود عبدیّت کے اندر اس سے بہتر کا تصور محال ہے۔ لوگوں کے رویئے کو دیکھنا اپنی جگہ مگر حکم خداوندی کا پہنچایا جانا قطعاً لازم ہے۔ حق کا وہ حصہ ماننے میں آسان ہوتا ہے، جس کا معاشیات سے تعلق نہ ہو۔ مگر حق کے جزو کا انکار کل کا انکار ہوتا ہے. اس لئے حق کا پورا پورا پہنچایا جانا اور اس کا پورا پورا تسلیم کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ لوگ اگر کہتے ہیں، کہ اس

نظام کو قائم کرنے کے لئے، آپ کے ساتھ کوئی خزانہ ہونا چاہئے تھا، یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا، تاکہ آپ مادی قوت کے ساتھ یا روحانی قوت کے ساتھ اس نظام حیات کو نافذ کر سکتے، تو یہ کہنے والوں کی سوچ ہے۔ علیم مطلق کے ارشادات کے سامنے یہ سوچ کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اس پر کوئی گھٹن کیوں ہو۔ نذیر کا مقام یہ ہے، کہ وہ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دے۔ ان پر واضح کر دے، کہ جس قادر مطلق نے تمہیں توفیق دی ہے، وہی تم سے حساب بھی لے گا۔ اور تم پر ماضی میں بھی اس کی قدرت کا احاطہ تھا، حال پر بھی اس کی قدرت تم پر محیط ہے، مستقبل میں بھی اس کی قدرت کے دائرے سے نکل جانا ناممکن ہے۔ جس نے توفیق دی ہے، اور جس کی طرف سے پوچھ ہو گی، ہر شے اس کے سپرد ہے۔ وہ ہر حال میں دیکھتا ہے۔ اسے علم ہے، کس حال پر کیا ہونا چاہئے۔

حاصل : حکم خداوندی کا پورا پورا پہنچایا جانا ضروری ہے۔ اور اس کا پورا پورا تسلیم کیا جانا بھی ضروری ہے۔ مادی قوت کا مالک اور روحانی قوت کا مالک اعلم ہے۔ وہی جانتا ہے، کس حال پر کیا درکار ہے۔ حال پر جو تبلیغ حق کے لئے درکار ہوتا ہے، ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ ڈر سنانے والے کا کام یہی ہے، کہ وہ اپنا حق ادا کر دے۔ آگے اللہ جانے، ہر شے اسی کے سپرد ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾

کیا اسے افترٰی کہتے ہیں۔ فرما دیجئے: تم اس کی مثل دس سورتیں بنا لاؤ، اور اللہ کے مقابل جن کو بلانے کی استطاعت ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن پاک کو افترٰی کہنے والوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم اسے گھڑی ہوئی بات کہتے ہو۔ تمہارا گمان ہے، کہ یہ سب انسانی سوچ سے بنا ہے۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو، تو اس کی مثل دس سورتیں بنا لاؤ۔ انفرادی کوشش کرو۔ اجتماعی کوشش کرو۔ جو تمہارے بس میں ہو کرو۔ اگر یہ انسانی سوچ کا نتیجہ ہے، تو تم اس کی مثل لانے پر کیوں قادر نہیں۔ زبان دانی میں تمہارا ایک مقام ہے۔ فصاحت و بلاغت کا تمہیں دعویٰ ہے۔ اگر یہ گھڑی ہوئی بات ہے، تو تم اجتماعی شعور سے اس کی مثل بنا کر دکھاؤ، اعجاز قرآن مجید تم پر واضح ہو جائے گا۔

حاصل : انسانی سوچ کے مقابل ہمیشہ انسانی سوچ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید کو انسانی سوچ کا حاصل کہنے والوں سے کہنا چاہئے، تم اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے، اجتماعی کوشش کر کے اس کی مثل دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو۔ ورنہ قرآن پاک کے اعجاز کو تسلیم کرو، اور اسے اللہ کا فرمان جان کر مانو۔

فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ

تو اگر وہ تمہارے سوال کا جواب نہ دے سکیں، تو معلوم رہے، کہ وہ اللہ کے علم سے ہی نازل ہوا ہے، اور اس کے سوا کوئی

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

معبود نہیں۔ تو کیا اب تم مانتے ہو۔

اگر کافرلوگ مومنین کے سامنے، قرآن مجید کی مثل دس سورتیں لا کر نہ دکھاسکیں، توان کا یہ دعویٰ کہ یہ کلام انسانی سوچ کا نتیجہ ہے، باطل ہو جائے گا۔ اعجاز قرآن کے اس مشاہدے کو دیکھ کر حاضرین و ناظرین کو غور و فکر کرنا چاہئے۔ اور انہیں معلوم ہونا چاہئے، کہ جس کلام پاک کی مثل انسانوں کی اجتماعی کوشش سے لانابھی ممکن نہیں، وہ اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے۔ جس ذات لاشریک کا کلام بے مثل ہے وہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا فرمان ماننے والوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ حق کی طرف بلانے والے شہادت دیتے ہیں، کہ خوف و حزن سے نجات اسی فرمان خداوندی کے ماننے سے ممکن ہوتی ہے۔ مومنین اس امر کی تصدیق کرتے ہیں، کہ علم الٰہی کے ماننے سے انہیں بڑی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں، وہ خوف و حزن سے نجات پا چکے ہیں، اور شاہد کے اتباع میں ہر مقام پر یکسوئی انہیں حاصل ہے۔ ان حقائق و معارف کو جاننے کے بعد تو حاضرین و ناظرین کو ماننا چاہئے، کہ فرمان خداوندی کے مقابل کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔

حاصل : پاک لوگ ہمیشہ حق کو بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا اعجاز دیکھئے، کہ اس کی مثل پیش کرنا، انسانوں کے لئے ناممکن تھا، اب بھی ناممکن ہے، اور آئندہ بھی ممکن نہ ہو گا۔ اس کو علم الٰہی مان لیا جائے، تو انفرادی سطح پر، اور اجتماعی سطح پر تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ معبود لاشریک کے ارشادات ہی ساری دنیا کے لئے باعث راحت ہو سکتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو کوئی حیات دنیا اور اس کی زینت چاہتا ہو، ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیں گے، اور ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کریں گے۔

جو حقائق کو سن کر، اعجاز قرآن مجید کو دیکھ کر، ایمان نہیں لاتا، اور حیات دنیا اور اس کی زینت کو قبلۂ مقصود ٹھہراتا ہے، اس کے اعمال اس کی خواہشات کے تحت ہوتے ہیں۔ ان اعمال کا بدلہ حیات دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے۔ بدلہ دینے والا مالک کل ہے۔ وہ کوئی کمی نہیں رکھتا۔ جو آسائشیں عامل کو مطلوب ہوتی ہیں، ان میں صحت، وسعت رزق، کثرت اولاد اور شہرت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اللہ جو بھی عطا کرنا چاہتا ہے، وہی عطا کرتا ہے۔ کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دینا اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حاصل : جو اعمال طلب دنیا کے لئے کئے جائیں، ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہیں چکا دیا جاتا ہے۔ اللہ سے بڑھ کر پورا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

یہی لوگ ہیں، جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔ اکارت گیا جو کچھ

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہاں بنایا تھا، اور باطل ہوا جو کمایا تھا۔

جن لوگوں نے حیات دنیا اور اس کی زینت کو قبلۂ مقصود ٹھہرالیا ہو، ان کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ جو کچھ وہ حیات دنیا میں بنائیں گے، وہ بھی اکارت جائے گا، اور جو کچھ وہ یہاں کمائیں گے وہ بھی سب باطل ہو جائے گا۔ جس صنعت میں اللہ کی رضا مفقود ہو گی، وہ صنعت بے حقیقت ہو گی۔ جس عمل میں اللہ کی رضا مطلوب نہ ہو گی، وہ عمل بے حقیقت ہو گا۔ صنعت یا عمل کی بظاہر شکل جو بھی ہو، جزا نیّت کے مطابق ملے گی۔

حاصل : جو لوگ اپنی صنعت میں، اپنے عمل میں اللہ کی رضا کو مقصود نہیں ٹھہراتے، ان کا بنایا ہوا اکارت جاتا ہے، ان کی کمائی سب باطل ہو جاتی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا جو اپنے ربّ کی طرف سے روشن راہ پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے شاہد بھی ہو، اور اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی، اوروں کے برابر ہے۔ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے سارے گروہوں میں تو آگ اس کا وعدہ ہے۔ تو تجھے اس میں شک نہ ہو۔ بے شک حق تیرے ربّ کی طرف سے ہے، ولیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔

جو لوگ حیات دنیا اور اس کی زینت کو ہی مقصود ٹھہرالیں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، جو اپنے رب کی طرف سے روشن راستے پر ہوں، اور انکے راہ راست پر ہونے کی شہادت موجود ہو۔ یہ شہادت قرآن پاک کی صورت میں حال پر ہے۔ ماضی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی کتاب راستہ دکھانے والی تھی اور باعث رحمت تھی۔ حال اور ماضی کے تعلق کو واضح کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے برابر نہیں ہیں۔ جو حق کا حال پر انکار کریں وہ کسی گروہ سے ہوں، کسی مقام پر ہوں، آگ ان کا وعدہ ہے۔ دوزخ کے علاوہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ مخاطب فرد سے فرمایا گیا ہے، کہ اس میں شک نہ ہو، کہ راہ راست پر رہنے والے کو فلاح حاصل ہو گی، اور ایمان نہ لانے والے کا ٹھکانا آگ ہو گا۔ حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ علیم مطلق کے بتائے ہوئے راستے سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو مانتے نہیں۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے، تو پھر من مانی کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور من مانی کرنے میں لوگوں کے لئے بڑی کشش ہوتی ہے۔

حاصل : راہ راست پر رہنے والے لوگوں کو، حق کا انکار کرنے والوں کے برابر کہنا گناہ ہے۔ حال پر راہ راست پر رہنے والوں کو قرآن پاک سے سند ملتی ہے۔ اسی طرح ماضی میں لوگ تورات سے رہنمائی اور رحمت حاصل کرتے رہے ہیں۔ جو حق میں شک کرے وہ یکسو نہیں رہ سکتا۔ یکسوئی نہ رہے تو خلاف حق کرنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ من مانی کرنے میں لوگوں کے لئے بڑی کشش ہوتی ہے۔ من مانی سے رک جانا بڑا عمل ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے، اور گواہی دینے والے کہیں گے، یہی ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ سن لو، ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اور غیر اللہ کی بات کو اللہ کی بات بتا کر، اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف مراجعت بھی ضرور ہوگی۔ جب یہ گمراہی پھیلانے والے، اللہ پر جھوٹ باندھنے والے، اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے، تو شاہدین یہ گواہی دیں گے، کہ ان لوگوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ شاہدین کو بولنے کا اذن ہو گا۔ شاہدین کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی گواہی کے بعد ظالمین پر اللہ کی لعنت مسلط کر دی جائے گی۔ اللہ کی لعنت، انسان کی ناکامی اور اس کے واجب العذاب ہونے کا اعلان ہے۔

حاصل : گمراہ ہونا ظلم ہے۔ گمراہ ہونے والا ظالم ہے۔ گمراہی پھیلانے والا اظلم ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف مراجعت ضرور ہوگی۔ شہادت دینے کے مرتبے پر جو فائز ہیں ان کی بات آج بھی سند کا درجہ رکھتی ہے، مت کے دن بھی وہ شہادت سند ہوگی۔ جب شاہدین جھوٹ باندھنے والوں پر شہادت دیں گے، تو اللہ تعالیٰ ظالموں پر لعنت کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قہر ہو گا۔ ہمیں کسی کو لعنتی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس میں کجی چاہتے ہیں، اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

جن لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے وہ اپنے متعلقین کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ لوگوں کو رسوم و رواج کی طرف مائل کرتے

ہیں۔ حق میں اپنی پسند کو داخل کر کے اس میں کجی چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ یہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ آخرت میں جزا کا یقین ہو، تو اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مطلوب ہونا چاہئے، لوگوں کو راہ حق کی ترغیب دینی چاہئے۔ پھر حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دینے کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی راہ سے روکنا، اس میں کجی چاہنا، عملاً آخرت کا انکار کرنے والی باتیں ہیں۔

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

وہ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں، اور نہ اللہ کے مقابل ان کے کوئی دوست ہیں۔ انہیں عذاب پر عذاب ہو گا۔ انہیں سننے کی استطاعت بھی نہ تھی، اور وہ دیکھتے بھی نہ تھے۔

ظالموں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ کر بھاگ بھی نہیں سکتے، اور نہ کوئی قوت اللہ کے مقابل ان کی مددگار ہو سکتی ہے۔ انہیں دوہرا عذاب یوں ہو گا، کہ وہ خلاف حق کرنے کے علاوہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہے۔ ان کا سننا کیا تھا؟ ان کا دیکھنا کیا تھا؟ اگر اپنی پسندیدہ بات کے علاوہ کچھ بھی نہ سنا جائے، اور دل جو سینے میں ہوتا ہے وہ اندھا ہو، تو اخذ کردہ نتائج کس درجے کے ہوں گے۔ اور یہ نتائج جس نظریئے کی بنیاد ہوں گے، وہ نظریہ کتنا بے حقیقت ہو گا۔

حاصل : اللہ کے عذاب کے سامنے ظالموں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ بھاگ بھی نہیں سکتے اور کسی مدد سے بچ بھی نہیں سکتے۔ خلاف حق کرنا اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنا دوہرے عذاب کا باعث ہو گا۔ جو سنتا نہیں، دیکھتا نہیں، اس کا صحیح نتیجے پر پہنچنا ناممکن ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، اور گم ہو گئیں وہ باتیں ان سے، جو وہ باندھتے تھے۔

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں لاتے، وہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ سنتے بھی وہی ہیں جو نفس کو اچھا لگے، دیکھتے بھی اسی زاویہ نگاہ سے ہیں جو نفس کو پسند ہو۔ مگر اس کا انجام ہمیشہ خسارہ ہی ہوتا ہے۔ اور جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو ان کی بنائی باتیں، ان کے افترے، جو ان کے نظریات کی اساس ہوتے ہیں، ان سے گم ہو جاتے ہیں۔ سوائے تأسف کے کچھ ان کے پاس نہیں رہ جاتا۔

حاصل : حقائق کا انکار کرنے والے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالتے ہیں۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے، تو پھر ان سے ان کے افترے گم ہو جاتے ہیں اور ان کے بے حقیقت نظریات ناپید ہو جاتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس میں شک نہیں، کہ آخرت میں وہی سب سے بڑے خسارے والے ہیں۔

آخرت کے منکرین، آخرت میں سب سے بڑے خسارے والے لوگ ہوں گے۔ کہ ان لوگوں نے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو، عمل کے لئے دی گئی قوت کو، اور عمل کے لئے دی گئی توفیق کو اس طرح خرچ کیا، کہ آخرت پر عدم یقین بہر حال قائم رہا۔ انہیں آخرت کو ناقابل تردید صورت میں دیکھ کر، شاہدین کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا، مگر سوائے جہنم کی آگ کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

حاصل : آخرت کا انکار کرنے والے، آخرت میں سب سے بڑے خسارے والے لوگ ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، اور اپنے ربّ کے حضور عاجزی کی وہ جنّت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

آخرت کا یقین رکھنے والے لوگ حق کو مانتے ہیں، ناصح سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ محبت ان کے اندر اتنی یکسوئی پیدا کر دیتی ہے، کہ ان لوگوں کو کفر سے، فسوق سے اور عصیاں سے کراہت ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ وہی کرتے ہیں، جو صالحین کر کے دکھا دیتے ہیں۔ ان کا ایمان صالح عمل کی شہادت کے ساتھ روشن ہوتا ہے۔ یہ لوگ عطاالٰہی کو رضاالٰہی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مگر کہتے یہی ہیں، اے ہمارے رب، ہمارے اعمال کو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بہت چھوٹی سی نسبت ہے، تو قبول کر لے، تو تیری مہربانی ہے۔ یہ لوگ جنتی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جن لوگوں کا اپنے رب سے ایسا تعلق ہو، کہ وہ کبھی تادّب مَعَ اللہ سے غافل نہ ہوں اور شاہدین کی معیت میں راحت پائیں، وہ دائمی پاک دامنی کے حامل ہوں گے، جو دائمی انعامات کے لئے اہلیت کا درجہ رکھتی ہے۔

حاصل : ایمان وہی پورا ہے، جس کے ساتھ صالح اعمال موجود ہوں اور اپنے رب کے حضور عاجزی نظر ایمان والوں کو دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہوتا ہے، وہ دائمی انعامات کے مستحق ہوتے

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

ان دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے، جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کا حال مساوی ہے۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ایک فریق آخرت کے انکار کو بنیاد بنا کر حیات دنیا اور اس کی زینت کو قبلہ مقصود ٹھہرا رہا ہے۔ اس کے دیکھنے کا انداز اس کے سننے کا انداز واضح کرتا ہے کہ اس فریق کے نزدیک حق وہی ہے، جو انہیں پسند ہو۔ دوسرا فریق عطا کو دیکھ کر معطیٔ مطلق کی شان پر نظر کرتا ہے، مقصد حیات کو دیکھتا ہے اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنی پسند کو حق کے تابع رکھتا ہے، اور مخلصین (جو شیطان کے بہکانے میں نہیں آسکتے) کی باتیں بڑے انہماک سے سنتا ہے۔ ان دو فریقوں کا حال کبھی مساوی نہیں ہو سکتا۔ عمل سے وہ رخ قائم ہوتا ہے جسے عامل اختیار کرتا ہے۔ اسی کی عامل کو جزا دی جاتی ہے۔ دھیان کرنا، غور کرنا، اپنے حال کی صحت کے لئے اور صحت ہو تو اسے قائم رکھنے کے لئے، قطعاً ضروری ہے۔

حاصل : عذاب الٰہی کی ابتدا کسی واضح نشانی سے ہوتی ہے۔ بندوں کی ضروریات میں بلاواسطہ یا بالواسطہ استعمال ہونے والی اشیاء کا اہتمام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علم مطلق کی یہ شان ہے، کہ بندوں کو جو کچھ درکار تھا اس کا بندوبست پہلے کیا ہے، تاکہ بعد از عذاب زندگی کا معمول اپنے لوازمات کے ساتھ جاری رہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (۴۷) میں ارشاد فرمایا ہے. إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ بے شک حیات دنیا تو کھیل کود ہی ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ، اور پرہیز گاری کرو، تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا، اور کچھ تم سے تمہارے اموال نہ مانگے گا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، کہ میں تم پر ڈر کی بات واضح کرنے والا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ عطائے الٰہی کو جس طرح یہ لوگ استعمال کر رہے تھے، اس میں ان کی نظر اپنے اعمال کی جزا پر نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا، میں تم پر واضح کرتا ہوں، کہ تمہیں توفیق دینے والا، ضرور تمہارے اعمال کی جزا بھی دے گا اور میری بات اندازے، قیافے کی بات نہیں ہے۔ تمہارے حال کے ساتھ جو مستقبل جڑا ہوا ہے میں اس کو دیکھ کر بیان کر رہا ہوں۔

حاصل : اللہ کا بھیجا ہوا، اندازے، قیافے سے بات نہیں کرتا۔ جو کچھ دیکھتا ہے، اسے بیان کرتا ہے۔

أَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میں تم پر المناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: بندگی محض اللہ کی ہو، تو تم لوگ سلامتی کی راہ پر ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اپنی موجودہ روش کو ترک نہ کیا، تو ایک دن تم المناک عذاب کے گھیرے میں ہو گے۔ پھر نہ تم بچ کر جا سکو گے، نہ کوئی تمہاری مدد کو آ سکے گا۔ اللہ کی بندگی ہو، تو قول و فعل میں اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے، نتائج کو باذن اللہ ماننا چاہئے، اور شاہد کی اطاعت بھی ہونی چاہئے، اس کا اتباع بھی ہونا چاہئے۔

حاصل : اللہ کی بندگی ہو، تو من مانی ناممکن ہوتی ہے۔ من مانی کرنے والے ایک دن ایسی پکڑ میں آ جاتے ہیں، کہ پھر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں۔ اور ہم نہیں دیکھتے کہ کسی نے تمہارا اتباع کیا ہو، مگر ہمارے اراذل نے ی نظر سے۔ اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں پاتے، بلکہ ہمیں گمان ہے کہ تم سب کاذب ہو۔

قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے، حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کے جواب میں یہ کہا، کہ ہم تو تمہیں اپنی طرح کا بشر ہی دیکھ رہے ہیں۔ اپنی طرح کے بشر کی اطاعت سے اللہ کی بندگی کیسے ہو گی۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں، کہ ہمارے ہاں کے انتہائی رذیل لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں۔ صاحبان حیثیت تو تمہیں مانتے نہیں ہیں۔ ہمیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ تم لوگوں کو ہم پر کسی طرح کی کوئی فضیلت حاصل ہو۔ بلکہ ہمیں یہی گمان ہے، کہ تم لوگ جھوٹی باتیں بنانے والے ہو۔

حاصل : سرداری بھی حق کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ حق کی دعوت دینے والا، اپنے مقابلے میں بہتر نظر آئے، اس کا اتباع کرنے والے اپنے جیسے ہوں، اور ان لوگوں کی اجتماعی فضیلت کا احساس ہو، تو دار سماجی تقاضا جان کر حق کو مان لیا کرتے ہیں، ورنہ نہیں مانتے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ

فرمایا: اے میری قوم، بھلا دیکھو تو، اگر میں

مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸

اپنے رب کے روشن راستے پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہے، اور تم اسے دیکھتے نہیں۔ کیا ہم تمہیں مجبور کر سکتے ہیں، اور تمہیں اس سے کراہت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: غور طلب بات یہ ہے، کہ جو کچھ تم نے کیا، اس کی سند تمہارے پاس نہیں ہے۔ حق کا راستہ روشن راستہ ہے۔ گمراہی کا راستہ ظلمات کا راستہ ہے۔ میں اپنے رب کے روشن راستے پر ہوں۔ اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل مجھے کچھ عزیز نہیں ہے۔ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے اپنا حق ادا کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے ردعمل کو دیکھنے کے باوجود میں حق کی ادائیگی تا حکم الٰہی کرتا رہوں گا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ میں کون ہوں، اور اس کی میرے پاس سند ہے یا نہیں، کیا کہتا ہوں اور جو کہتا ہوں، اس میں تمہارے لئے فلاح کی ضمانت ہے یا نہیں، جس سے منع کرتا ہوں اس سے رک جانے میں تمہارا بھلا ہے یا نہیں۔ مگر تم یہ دیکھتے ہی نہیں۔ ہم تمہیں یہ دیکھنے کی دعوت تو دے سکتے ہیں، مگر تمہیں مجبور نہیں کر سکتے۔ تمہیں اپنی پسند کے خلاف بات سننا ہی گوارا نہیں ہے۔

حاصل : سامعین کی طرف سے اپنے دعوے کے درست ہونے کی سند پیش نہ کی جا سکے، تو پھر انہیں بات کرنے والے کی صداقت کی نشانیوں کو دیکھنا چاہئے۔ یہ دیکھنا چاہئے، کہ حق کو بیان کرنے والا یقین سے بات کرتا ہے۔ اس کا عمل لوگوں کے ردعمل سے بندھا ہوا نہیں ہوتا، اور اس کی دعوت میں فلاح کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ زاویۂ نگاہ کے اختیار کرنے میں انسان پر جبر نہیں۔ جو اپنی پسند کے علاوہ کچھ سننے کو تیار نہ ہو، وہ حقائق کو نہیں پا سکتا۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ۝۲۹

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر مال کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں۔ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ارشادات کو سن کر یہی جانا، کہ کسی مالی منفعت کے لئے حضرت کوشاں ہیں، یا جاہ و حشمت ان کا مقصود ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، جس وحدہٗ لاشریک کے حکم پر میں سب کچھ کرتا ہوں، اس سے بہتر اجر کوئی نہیں دے سکتا۔ دو ی بات یہ ہے، کہ میرا اتباع کرنے والے تمہیں انتہائی رذیل نظر آتے ہیں، اور تم یہ

چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو دور کر دیا جائے، تاکہ تم کو ان کے ساتھ بیٹھنے سے ہتک محسوس نہ ہو، یہ بات بھی نہیں مانی جا سکتی۔ میرے پاس ان لوگوں کا آنا رضائے الٰہی کے لئے ہے۔ یہ لوگ اپنے رب سے ملنے پر یقین رکھتے ہیں، اور یہاں اصلاح حال کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ انہیں ہدایت مطلوب ہے۔ تم ان کے افلاس یا پیشے کی وجہ سے انہیں انتہائی حقیر جانتے ہو، یہ بڑی جہالت کی بات ہے۔ میرے لئے تو اسی کی آمد باعث راحت ہوگی، جو حق کو پانے کے لئے میرے پاس ارادت سے آئے گا۔ اس کی مالی حیثیت سے مجھے کیا غرض ہو سکتی ہے۔ اس کے پیشے سے مجھے کیوں کراہت ہو جبکہ خلق خدا اس سے بہت فوائد حاصل کر رہی ہو۔ جس کا آنا میرے کام کے حوالے سے (جس کام کے لئے مجھے اللہ نے بھیجا ہے) نہ ہو، میرے لئے کیسے باعث راحت ہو سکتا ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی رضا کے لئے ہو، اس کا اجر ہمیشہ اللہ پر ہوتا ہے، وہ کسی سے مانگنے والا نہیں ہوتا۔ ہدایت کے طالب کی مالی حیثیت اور اس کا پیشہ کچھ بھی ہو، ہادی کو عزیز ہوتا ہے۔ جہالت یہ ہے کہ مفاد بھی ہمارا ہو، اور شرطیں بھی ہم لگائیں۔ علیم مطلق کے علم کے مقابل اپنی بے علمی کا مظاہرہ کریں اور شرم بھی محسوس نہ ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

اور اے قوم مجھے اللہ سے کون بچائے گا، اگر میں انہیں دور کر دوں گا۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا، اے قوم، تم لوگوں کو یہ عزیز ہے، کہ میں اپنا اتباع کرنے والوں کو جو ناداری کی وجہ سے تمہیں بہت حقیر نظر آتے ہیں، اپنے ہاں سے دور کر دوں، اور شرفاء کے لئے ماحول کو پسندیدہ بناؤں۔ اگر رضائے الٰہی کے خلاف طالبان ہدایت کو دور کر دیا جائے، تو مجھے میرے عمل کی جزا سے کون بچا سکے گا۔ اللہ تو ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ تم لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کے لئے بھی مجھے وہی راستہ اختیار کرنا ہے، جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ جب تمہارے اعمال کی جزا سے میں تمہیں ڈراتا ہوں، تو اپنے اعمال کی جزا سے غفلت ناممکن ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

حاصل : شرفاء اگر حق کی بات سننے کے لئے ایسی شرط لگائیں، جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، تو انہیں کہنا چاہئے، جزا پر یقین رکھنے والا، خلاف حق نہیں کر سکتا۔ دھیان کرنے والے کو ممکن اور ناممکن کے درمیان امتیاز کرنا چاہئے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہ میں غیب

وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَآ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ تَزۡدَرِىۡۤ اَعۡيُنُكُمۡ لَنۡ يُّؤۡتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيۡرًا‌ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ‌ۖۚ اِنِّىۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾

کا بڑا جاننے والا ہوں۔ اور نہ مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور میں نہیں کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، اللہ ان کو خیر عطا نہیں کرے گا۔ اللہ سب سے بڑا جاننے والا ہے، جو ان کے دلوں میں ہے۔ میرے لئے ایسا کہنا یقیناً ظلم ہو گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا، میرے ساتھ مکالمات میرے دعوے کے حوالے سے ہونے چاہئیں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے، کہ اللہ کے خزانے میرے پاس ہیں، لہٰذا تم وسعت مال کے حوالے سے میری فضیلت کا اعتراف کرو۔ غیب کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ ہے، اور میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں غیب کا اعلم ہوں۔ مجھے وہی علم ہوتا ہے جو اللہ مجھے عطا فرماتا ہے۔ میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں فرشتہ ہوں، اور حدود بشریت سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر تمہاری اس بات کے ساتھ میں کبھی اتفاق نہیں کروں گا، کہ میرا اتباع کرنے والے حضرات دل سے میرے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، مگر ان کی قلبی کیفیات کو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مفلس وفادار لوگوں کو اللہ خیر و برکت سے نہیں نوازے گا، میں اس بات کو غلط جانتا ہوں۔ ان ایمان والوں کی موجودہ کیفیات قلبی پر شک کرنا اور انہیں انعامات الٰہی کے لئے نااہل سمجھنا، یقیناً ظلم ہے، اور یہ میرے لئے ممکن نہیں۔

حاصل : جواب ہمیشہ دعوے کے حوالے سے ہو، تو برمحل ہو گا، ورنہ بےموقعہ ہو گا۔ مفلس وفادار ایمان والوں کو بدباطن کہنا اور انہیں مقہور جاننا قطعاً ظلم ہے۔ اللہ کے فیصلے اس کے اپنے علم سے ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔

قَالُوۡا يٰنُوۡحُ قَدۡ جَادَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۲﴾

کہنے لگے اے نوح (علیہ السلام) آپ ہم سے جھگڑے، پھر بہت ہی جھگڑے، تو لے آیئے جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہیں، اگر آپ سچے ہیں۔

منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا: کہ آپ نے ہمیں اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔ ہمیں المناک عذاب کا ڈر سنایا۔ آپ نے ان انتہائی رذیل لوگوں کو بھی اپنے ہاں سے دور نہیں کیا، جن کی آپ کے پاس موجودگی ہمیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ آپ نے ہمارے ساتھ جھگڑے کی حد کر دی ہے۔ اب مزید باتوں سے کیا حاصل ہو گا۔ آپ اپنی صداقت کا

ثبوت یہی دیجئے، کہ جس عذاب سے آپ اپنی قوم کو ڈرا رہے ہیں، وہ عذاب لے آیئے۔ اس جواب میں جہالت کا پہلو یہ ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کا یہ ثبوت سامنے آنے پر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا، اور اس وقت آپ کی صداقت کو تسلیم کرنا نافع نہیں ہو گا۔ خسارے میں پڑتے وقت جبکہ اس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو اگر حق کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے، تو یہ انتہائی جہالت کی بات ہو گی۔

حاصل : منکرین حق جب ناصح سے عذاب لا کر اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے کہیں، تو یہ ان کی انتہائی جہالت ہوتی ہے، کہ ایسے وقت میں حق کو ماننے کا اعلان جبکہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ہی ختم ہو چکا ہو، کبھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

فرمایا: وہ تو اللہ تم پر لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم عاجز نہیں کر سکو گے۔

منکرین حق نے حضرت نوح علیہ السلام سے عذاب لانے کو کہا، تو آپ نے فرمایا: عذاب لانا، اللہ کا کام ہے۔ اس کے لانے کا وقت، عذاب کی نوعیت، اس کی شدت، اس کا عرصہ، اور وہ حدود جن میں عذاب کو اثر انداز ہونا ہے، یہ امور اللہ کے علم مطلق کے تحت ہوتے ہیں۔ اس کی مشیت کو روک دینا، ناممکن ہے۔ عذاب الٰہی کا لانا اور اس کا خاتمہ دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرے میں نہیں آ سکتے، اس لئے اللہ کو عاجز کرنا ناقابل تصور ہے۔

حاصل : عذاب الٰہی کا لانا، اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اس کا خاتمہ بھی اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ جس قوت والے قادر مطلق کی طرف سے عذاب آتا ہے، اسی کی دی ہوئی توفیق سے اس کا سامنا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی، اگر تمہیں انتہائی نصیحت بھی دینا چاہوں، جبکہ اللہ تمہاری گمراہی چاہتا ہو۔ وہی تمہارا ربّ ہے، اور اسی کی طرف مراجعت کرو گے۔

نزول عذاب کی استدعا کرنے والوں سے یہ فرمایا گیا، کہ تم لوگ ضد میں اس قدر سخت ہو گئے ہو، کہ میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی۔ نصیحت اسے نفع دیتی ہے، جو ناصح کو عبدیت کا بہترین نمونہ جانتے ہوئے، اس سے محبت رکھے۔ اپنی ناقص صفات کو چھوڑتا جائے، اور ناصح کی اکمل صفات کو اپناتا چلا جائے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ انتہائی نصیحت میں سب سے بڑا نصیحت دینے والا، اختصار کے ساتھ سامعین کو وہ سب کچھ بتا دیتا ہے، جو بشارت و انذار کے اعتبار سے اسے بتانا

چاہئے۔ اللہ اسے گمراہ کرتا ہے، جو عاقلانہ رویئے کو چھوڑ کر خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنالے۔ اللہ خوب جانتا ہے، کون کس مقام پر ہے۔ کون نصیحت سے فائدہ اٹھائے گا، کون اس سے کراہت کا اظہار کرے گا۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کا جانا ہو گا۔ نہ آنے میں کسی کی پسند کو دخل تھا، نہ جانے میں کسی کی پسند کو دخل ہو گا۔ بھلائی اسی میں ہے، کہ حیات دنیا کے اس حصے کو جس میں شعور پر شرع لاگو ہوتی ہے، حق کے مطابق گزارا جائے۔

حاصل : جو لوگ عاقلانہ رویئے کو چھوڑ کر حق کے انکار کو اپنا شعار بنالیں وہ گمراہی کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ انہیں نصیحت نفع نہیں دیتی۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت بھی ہو گی۔ جب یہ مان لیا جائے، تو پھر من مانی کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ خود ہی گھڑ لیا ہے۔ فرما دیجئے، اگر میں نے گھڑ لیا ہو گا، تو میرا جرم مجھ پر ہو گا، اور میں تمہارے جرم سے الگ ہوں۔

قرآن پاک کے متعلق مکذبین نے یہ کہا، کہ یہ حضرت صاحب کا اپنا افتریٰ ہے، اللہ کا فرمان نہیں ہے۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے اور میں اسے اللہ کا فرمان کہہ کر پیش کر رہا ہوں، تو یہ انتہائی جرم ہے، اور جزا پر یقین رکھنے والے سے اس جرم کا ارتکاب ممکن نہیں۔ مکذبین اسے انسان کا کلام کہتے تو ہیں، مگر انفرادی یا اجتماعی کوشش سے بھی اس کی مثل پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک کے اعجاز کو دیکھنے کے بعد بھی مکذبین اسے مفتری ہی کہیں تو یہ جرم ہے، اور مجرمین کو ان کے جرم کی جزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ قرآن پاک کی حقانیت کو روشن کرنے والے کا مکذبین کے جرم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

حاصل : اپنی بنائی ہوئی بات کو، اللہ کا فرمان کہنا انتہائی جرم ہے، اور مجرم اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین نہیں رکھتے۔ قرآن پاک کے اعجاز کو روشن کرنے والے کا مکذبین کے جرم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف (۴۳) میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾

بے شک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ کبھی ان پر سے ہلکانہ پڑے گا۔ اور وہ اس میں بے آس رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا ہاں وہ خود ہی ظالم تھے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی

قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

گئی، آپ کی قوم سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر جو لا چکے، تو آپ ان کے کاموں پر غم نہ کھائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب نزول عذاب کی استدعا کی، اور اسی نشانی کو آپ کی صداقت کا ثبوت ٹھہرا لیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر وحی فرمائی گئی، کہ آپ کی قوم سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ جو اب تک آپ پر ایمان لا چکے ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہو گا۔ منکرین اب اصلاح کو قبول کرنے کی حد سے گزر چکے ہیں۔ اب ان کے افعال کو آپ اس نظر سے دیکھئے، کہ یہ لوگ اپنے کئے کے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ آپ نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اب ان کے بارے میں آپ کو غم نہیں ہونا چاہئے۔

حاصل : نزول عذاب کو جب منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کی نشانی کے طور پر طلب کیا، تو آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا، کہ اب ماننے والوں میں اضافہ نہیں ہو گا، آپ جان لیجئے کہ یہ اپنی مطلوبہ نشانی کو جلد ہی دیکھ لیں گے۔ جو اصلاح کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو اور اصلاح کو قبول نہ کرے، اس پر غم ہونا چاہئے۔ جو اس حد سے گزر جائے، اس پر غم نہیں ہونا چاہئے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور کشتی بنایئے ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے، اور ظالموں کے متعلق مجھ سے بات نہ کیجئے، بے شک وہ غرق ہوں گے۔

اس اعلان کے ساتھ کہ آپ کی قوم سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہو گا، حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا۔ واضح فرمایا گیا کہ بنوانے والا صانع حقیقی جہاں بنانے کو کہے، اسی جگہ بنایئے، اور حکم کے مطابق بناتے چلے جایئے۔ آپ کے پاس منکرین حق کے متعلق اب کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا۔ ان کا انجام یہ ہے، کہ یہ غرق کر دیئے جائیں گے۔ اب ان کے لئے بھلائی کی دعا کرنا بے محل ہو گا۔ عذاب الٰہی کو طلب کر کے انہوں نے اللہ کے ساتھ اپنی عداوت کا اعلان کیا ہے، اور اللہ کے دشمنوں کے لئے وہ جو بھی ہوں، آپ کو اللہ سے بات نہیں کرنی چاہئے۔

حاصل : مقام تعمیر کا انتخاب بنوانے والا کرتا ہے۔ مصنوع کا استعمال بنوانے والے کے علم میں ہوتا ہے اس لئے اس کے حکم کو ماننا لازم ہے۔ ظالموں کے انجام سے آگاہی ہو جائے تو یہ خاموشی کا مقام ہے اور خاموشی کے مقام پر بولنا منع ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ

اور آپ کشتی بناتے تھے، اور جب آپ کی

مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸

قوم کے سرداروں کا آپ پر گزر ہوتا تو وہ آپ سے تمسخر کرتے تھے۔ فرمایا، اگر تم ہم پر ہنستے ہو، تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے، جیسے تم ہنس رہے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ایسے مقام پر کشتی بنانے کا حکم ہوا، جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔ جب سرداران قوم وہاں سے گزرتے تھے، تو وہ آپ پر ہنستے تھے، کہ اتنی بڑی کشتی بنا رہے ہیں، جس کے استعمال کا مقام نظر نہیں آتا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ آج تم اس بات پر ہنس رہے ہو، کہ اتنی بڑی کشتی چلے گی کہاں، اور یہ لاحاصل کام کیا کیوں جا رہا ہے، جب یہ پانی پر تیرتی نظر آئے گی، تو ہم تم پر ہنسیں گے، اور کہیں گے، کہ جس کشتی کا بنانا تمہارے نزدیک لاحاصل تھا، جس کا محل استعمال تمہیں نظر نہیں آتا تھا وہ تمہارے سامنے تیر رہی ہے۔

حاصل : سردار اپنی عقلمندی کا ثبوت دینے کے لئے اس کام کا مذاق اڑاتے ہیں، جو کام ان کے نزدیک لاحاصل ہو۔ مستقبل پر نظر رکھنے والا جو کچھ کرتا ہے کم نظروں کو اس کی ضرورت حال پر نظر نہیں آیا کرتی، اس لئے وہ اس کے کام پر ہنس رہے ہوتے ہیں۔ جب اس کام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، تو وہ کام کرنے والے کم نظروں پر ہنس رہے ہوتے ہیں۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۹

تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے، اور اترتا ہے وہ عذاب کہ اس پر قائم رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مکذبین کے مذاق کے جواب میں ارشاد فرمایا، کہ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے۔ اور وہ رسوا کرنے والا عذاب تمہارے خاتمے تک تم پر قائم رہے گا۔ مکذبین حق ان آسائشوں کو جو انہیں دیکھنے کے لئے دی جاتی ہیں، کہ وہ انہیں کیسے استعمال کرتے ہیں، اپنے نیک ہونے کا ثبوت جانتے ہیں، اور ناداری کو بدبختی جانتے ہیں، اس لئے ناداروں کو بھلا ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ عذاب جس کے بعد اصلاح کے اختیار کرنے کی مہلت موجود ہو، راہ خیر کی طرف دھکیلنے کا ذریعہ بنتا ہے، اور وہ عذاب جس کے بعد اصلاح کو اختیار کرنے کی مہلت نہ دی جائے، عذاب مقیم ہوتا ہے۔

حاصل : حیات دنیا کی آسائشیں کسی کے نیک ہونے کی سند نہیں ہوتیں۔ عذاب الٰہی سے ہی رسوائی ہوتی ہے۔ جس عذاب کے بعد اصلاح کے اختیار کرنے کی مہلت نہ ہو وہ عذاب، عذاب مقیم ہوتا ہے۔

گرفت میں لے لیا جاتا ہے، اور منکر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

حاصل : منکر حق کو ناصح سے محبت نہیں ہوتی، اس لئے وہ اسباب دنیا میں الجھا رہتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے احاطے سے کچھ بھی باہر نہیں ہے، اس لئے کوئی مقام اپنی ذاتی حیثیت میں کسی کو بچا نہیں سکتا۔ اللہ کسی پر رحم کرے تو وہ مالک کل ہے۔ عذاب کے دوران خلاف حق کلمات پر فوراً گرفت ہوتی ہے۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٤٤

اور فرمایا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان تھم جا۔ اور پانی سکھا دیا گیا۔ اور کام تمام ہوا۔ اور کشتی جودی پر ٹھہری۔ اور فرمایا گیا، دور ہوں ظالم لوگ۔

منشاء عذاب پورا ہو گیا، منکرین حق ہلاک ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنا پانی نگل لینے کا حکم دیا، اور آسمان کو تھم جانے کا حکم دیا۔ بارش رک گئی، اور پانی خشک ہوتے ہوتے زمین پر معمولات زندگی کے بحال ہونے کی صورت پیدا ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری، اور ظالموں کا کام تمام ہونے پر فرمایا گیا: دور ہوں ظالم لوگ۔ اور جودی کی چوٹی پر کشتی کا ٹھہرنا اس امر کو واضح کرتا ہے، کہ طوفان کی انتہائی سطح کیا تھی، اور ظالموں کے مٹانے کا اللہ تعالیٰ نے کیا بندوبست کیا تھا۔

حاصل : زمین اور آسمان، اللہ کے احکام کو مانتے ہیں، جیسے انہیں ماننا چاہئے۔ سیلاب کی انتہائی سطح کو ریکارڈ کرنا چاہئے۔ ظالم لوگوں کے ساتھ سے بچنا ضروری ہے، کہ انہیں اللہ کی رضا کے مقابل من مانی عزیز ہوتی ہے، اور یہ ہلاکت کی راہ ہے۔

وَنَادَىٰ نُوحٞ رَّبَّهُۥ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ٱبۡنِي مِنۡ أَهۡلِي وَإِنَّ وَعۡدَكَ ٱلۡحَقُّ وَأَنتَ أَحۡكَمُ ٱلۡحَٰكِمِينَ ۝٤٥

اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا، تو عرض کی: اے میرے ربّ، میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ حق ہے، اور تو سب حاکموں سے بڑا حکم والا ہے۔

بیٹے کے غرق ہونے کا منظر دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارتے ہوئے عرض کی: اے میرے رب، تیرا وعدہ تھا کہ تو میرے اہل کو میرے ساتھ عذاب سے بچا لے گا۔ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے، اور تیرا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا

ہے۔ تجھ سے بڑا حکم دینے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔ تیرا حکم کسی بھی مقام پر اس کے لئے باعث حیات ہو سکتا ہے۔ منشا یہ معلوم کرنا تھا، کہ بیٹے کو نجات نہیں ملی، اللہ ہی اس امر کو روشن کر سکتا ہے کہ اہل میں ہونے کے باوجود وہ نجات پانے والوں میں نہیں ہوا، اور اس کا مستقبل کیا ہو گا۔

حاصل : حضرت نوح علیہ السلام علم الٰہی کے حوالے سے اپنے بیٹے کے متعلق جاننا چاہتے تھے، کہ وہ نجات پانے والوں میں کیوں نہیں ہوا، اور اس کا مستقبل کیا ہو گا۔ اگر وہ بیٹا واضح طور پر کافروں کے ساتھ ہوتا، تو اس کے متعلق یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا تھا، کہ وہ میرے اہل سے ہے۔ بیوی بھی تو اہل سے تھی مگر اس کے متعلق بات پہلے واضح ہو چکی تھی۔

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ۞ ۴۶

فرمایا: اے نوح (علیہ السلام) وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔ وہ سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو علم نہیں۔ میں آپ کو وعظ کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب مت ہو جائیے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا، کہ غرق ہونے والا بیٹا آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ وہ عملاً غیر صالح ہے۔ صالح اور غیر صالح کے درمیان علم الٰہی کے مطابق ایک وقت کے بعد وقف لازم کا مقام آ جاتا ہے۔ حق کے ماننے میں صالح کا رویہ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کا ہوتا ہے، اور غیر صالح کا رویہ حق کو سن کر انکار کرنے کا ہوتا ہے۔ اس لئے غیر صالح اگر صالح سے صلبی تعلق بھی رکھتا ہو، تو فیصلے کے وقت غیر صالح اپنے کافرانہ رویئے کی وجہ سے دو جا پڑے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے علم میں یہ بات نہیں تھی، کہ وہ بیٹا عملاً غیر صالح ہے۔ کشتی میں سوار ہو جانے کی دعوت کے جواب میں اس کا یہ کہنا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا، آپ کو ضرور برا لگا، مگر آپ نے اس بات کے پیچھے اس کی بے علمی کو دیکھا، اور یہ سمجھا کہ میرے اہل سے غلطی ہوئی ہے، کہ اس نے ذریعہ نجات کے انتخاب میں میری ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعظ فرمایا گیا کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جانے کی صورت آپ کو زیب نہیں دیتی۔ آپ کے بیٹے کا راستہ آپ سے الگ تھا۔ وہ خود کو آپ کے اہل سے الگ کر چکا تھا۔ اسی لئے انجام کے وقت آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔

حاصل : غیر صالح، عملاً خود کو صالح سے الگ کر لیتا ہے، اور اپنے کئے کے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ سوال علم سے ہونا چاہئے۔ اللہ کا فرمان یہی ہے، کہ بات ہمیشہ حق کے حوالے سے ہو، اور جذبات حق کے تابع رہیں۔ صرف جذبات کے حوالے سے بات ہو گی تو جہالت کا امکان ضرور ہو گا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَـلَكَ

عرض کی اے میرے رب، میں تیری پناہ

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

چاہتا ہوں، اس سے کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خسارے والوں میں ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو سن کر فوراً اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا، اور یہ کہا، اے میرے رب مجھے علم نہیں تھا، کہ میرا بیٹا میرے اہل سے نہیں ہے۔ اس کے واسطے میں نے جو مانگا وہ مجھے نہیں مانگنا چاہئے تھا۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، کہ کبھی وہ مانگوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ تیری بخشش میرے شامل حال نہ ہو، تیرا رحم میرے شامل حال نہ ہو، تو میرے لئے خسارے سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ سوال علم سے ہو، تو امر مطلوبہ کے ہر حصے کے بارے میں یہ یقین ہونا چاہئے کہ وہ حق کے مطابق ہے۔ اگر ظاہری کیفیات کے حوالے سے بات کی جائے، اور کسی کے اخلاص کی نشانیاں دیکھے بغیر شہادت دی جائے، تو جذبات کا غلبہ علم سے دور رکھے گا۔ علیم مطلق کے سامنے بات کرتے ہوئے اپنی کم علمی کا اعتراف پہلے ہونا چاہئے، اس کے بعد اپنے مشاہدے کو بیان کرنا چاہئے۔ دعائے خیر اسی کو فائدہ دے گی، جس کا رخ درست ہو، اور جو منیب ہو۔

حاصل : اللہ کی پناہ میں ہونے کا اظہار کرتے رہنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے، کہ علیم مطلق کا ہر کام قطعاً علم سے ہوتا ہے۔ امر مطلوبہ میں اپنے جذبات کو غالب نہیں ہونے دینا چاہئے، ورنہ بات علم سے نہیں ہو گی۔ خطا کا احساس ہو جائے تو فوراً اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہئے، اس کا رحم مانگنا چاہئے، یہی عباد مخلصین کی طریقت ہے۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

فرمایا گیا، اے نوح (علیہ السلام) ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتریئے۔ اور آپ پر برکات ہوں، اور ان امم پر بھی جو آپ کی معیّت میں ہیں۔ اور کچھ امم ہیں جنہیں ہم متاع دیں گے، پھر انہیں ہماری طرف سے المناک عذاب پہنچے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی۔ کشتی کوہ جودی پر ٹھہری، اور فرمایا گیا، اے نوح علیہ السلام سلامتی کے ساتھ زمین پر اتریئے۔ زمین جو طوفان سے اجڑ گئی ہے، اس کا اجڑنا آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے مسائل نہیں پیدا کرے گا۔ سلامتی کے ساتھ تمام مراحل طے ہوتے جائیں گے۔ آپ پر اللہ کی برکات ہیں۔ آپ کے ساتھیوں پر بھی اللہ کی برکات ہیں۔ ان برکات کی وجہ سے آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے آسانیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ مرکز برکات نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا ہے۔ آپ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ میں برکت تھی۔ آپ کے کئے ہوئے ہر کام میں برکت تھی۔ آپ کے علم

میں برکت تھی۔ جس نے بھی آپ کے علم کے نور سے فائدہ اٹھایا، اس کی مشکلات، آسانیوں میں بدل گئیں۔ یہ آگاہی بھی حضرت نوح علیہ السلام کو دی گئی، کہ اب اس طرح کی عمومی ہلاکت زمین پر نہیں آئے گی۔ کچھ فرقے ایسے ضرور ہوں گے، جنہیں ہم متاع دیں گے، اور ان کے خلاف حق کرنے کی وجہ سے انہیں المناک عذاب بھی پہنچے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نظر نے جس ہولناک تباہی کو دیکھا تھا، اس کے پیش نظر یہ بات آپ کے لئے باعث راحت تھی، کہ اب قیامت تک ایسا موقعہ نہیں آئے گا۔

حاصل : سلامتی اور برکات، دائمی پاک دامنی کے ساتھ رہنے کے انعامات ہیں۔ یہ انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ برکات کو ہمیشہ شاہد کی معیّت کی بدولت دیکھنا چاہئے۔ آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے، اور حال پر ممکنہ سعی بھی کرنی چاہئے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ نہ آپ کو ان کا علم تھا اور نہ اس سے قبل آپ کی قوم یہ جانتی تھی۔ تو صبر کیجئے، بے شک عاقبت متقین کے لئے ہے۔

امم سابقہ سے تعلق رکھنے والے حقائق غیب کی خبریں ہیں۔ نبیؐ امی کی زبان سے ان احوال کا بیان ہونا، جو نہ آپ کے علم میں تھے، نہ آپ کی قوم اس سے پہلے انہیں جانتی تھی، یہ ثابت کرتا ہے، کہ علیم مطلق آپ کو علم فرماتا ہے جو ماضی، حال، مستقبل کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ علیم مطلق کا فرمان یہ ہے، کہ مخالفین کے رویئے پر صبر کرنا حق ہے۔ صبر یہ ہے، کہ اپنا حق تبلیغ ادا کرنے کے بعد منکرین حق کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کو باذن اللہ جانا جائے اور اصلاح کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے لئے جو مہلت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے، اس میں ان کی بہی خواہی کا عمل جاری رہے۔ انجام بہرحال متقین کا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی وجہ سے متقی لوگ ہی بامراد ہوا کرتے ہیں۔ متقی اللہ سے ڈرتا ہے، جیسے اسوۂ رسول کے مطابق اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ متقی کو یہ احساس رہتا ہے، کہ اس کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ کسی دوسرے کے اعمال کے لئے اسے فکر کیوں ہو۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ماضی سے تعلق رکھنے والی امم کے احوال کا بیان ہونا یہ ثابت کرتا ہے، کہ آپ کو اللہ نے اپنے علم سے نوازا۔ آپ کی بدولت آپ کی قوم کو بھی علم ہوا۔ مخالفین کے ساتھ اپنے عمل کو درست رکھنا اسی صورت میں ممکن ہے، کہ صبر کیا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزّمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے مانو جیسے ماننے کا حق ہے، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام)، کو بھیجا۔ فرمایا، اے قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نرے مفتری ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ذکر کے بعد قوم عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا، جو سنت الٰہی کے مطابق اسی قوم سے تھے، اور انہی کی زبان میں بات کرتے تھے۔ اللہ کی سنت سے بڑی حکمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے یہی روشن ہوتا ہے کہ تبلیغ حق میں اجنبیت کو کسی لحاظ سے بھی حائل نہیں ہونا چاہئے۔ آپ نے اپنی قوم کو خطاب کیا اور فرمایا، اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کے سوا، جس کی رضا کو تم مطلوب جانو گے، وہ قطعاً تمہاری گھڑی ہوئی بات ہوگی، وہ محض تمہارا افترئ ہو گا، اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : تبلیغ حق میں کسی درجے کی اجنبیت نہیں ہونی چاہئے۔ تبلیغ حق میں سنت انبیاء یہی ہے، کہ پہلے توحید کو بیان کیا جائے، اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کو مفتری کہا جائے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اے قوم، میں اس پر تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو میرے پیدا کرنے والے پر ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم میں تمہیں جو نصیحت کر رہا ہوں، اس کے ساتھ میری طرف سے اجر کا کوئی سوال نہیں ہے۔ میں نہ حال پر تم سے کچھ مانگتا ہوں، نہ مستقبل میں تم سے کچھ مانگنے کا ارادہ ہے۔ یہ کام میں خالصتاً اللہ کے لئے کر رہا ہوں، جو میرا پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بہتر اجر کوئی نہیں دے سکتا۔ میری ضروریات جسمانی ہوں یا روحانی میرے پیدا کرنے والے سے بہتر ان کا کوئی جاننے والا نہیں، اور اس سے بڑا کوئی معطی بھی نہیں، اس لئے اپنے سننے والوں سے کسی چاہت کا سوال ہی کیوں پیدا ہو گا۔ جب تمہیں یہ نظر آ رہا ہے، کہ میری نصیحت کسی طمع پر مبنی نہیں ہے، تو پھر اس کا انکار کرنا یقیناً تمہارے لئے خسارے کا باعث ہو گا۔ اور عقل کی موجودگی میں خسارے سے بچنے کی کوشش ضروری ہوتی ہے۔

حاصل : نصیحت خالصہ کو طمع سے پاک ہونا چاہئے۔ اجر رب العالمین عطا کرتا ہے۔ اس سے بہتر کوئی اجر نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اجر ہر لحاظ سے پورا ہوتا ہے۔ عقل کی موجودگی میں خسارے سے بچنے کی کوشش ضروری ہوتی ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور اے قوم، اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، تم پر آسمان سے خوب بارش کرے گا اور تمہاری موجودہ قوت کو بڑھائے گا، اور مجرمانہ روگردانی نہ کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے مصائب و آلام کے حوالے سے ان کو فلاح کا راستہ دکھایا، اور ان سے فرمایا کہ خشک سالی یقیناً تمہارے لئے بہت تکلیف دہ ہے، اور تمہاری اجتماعی قوت بھی ماند پڑ گئی ہے، اس کا حل یہ ہے، کہ تم لوگ اپنے رب سے بخشش طلب کرو، اور اس کی طرف رجوع کرو۔ استغفار اور رجوع الی اللہ ہونے کی تعلیم حضرت ہود علیہ السلام ہی دے سکتے تھے۔ کوئی اگر اپنی سمجھ سے استغفار کرتا رہتا، اور اپنی سمجھ سے رجوع الی اللہ بھی ہوتا رہتا، تو وہ حضرت ہود علیہ السلام کے علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ رب العالمین سے استغفار یہ ہے، کہ حق کے حوالے سے اپنی خطاؤں کا واضح احساس ہو، ندامت کے ساتھ اعتراف کیا جائے کہ اے میرے رب میں خلاف حق کرنے کی وجہ سے دکھ میں پھنس گیا ہوں، تو مجھے اس دکھ سے نکال لے۔ اس کی طرف رجوع کرنا یہ ہے کہ اس کے فرمان کی ادب سے اطاعت کی جائے، اور جو استغفار کا علم عطا کرنے والا ہے، جو رجوع الی اللہ ہونے کا طریقہ سکھاتا ہے، اس سے قدم آگے نہ بڑھایا جائے، اور اسے اپنی اصلاح حال پر شاہد بنایا جائے۔ استغفار سے ماحول ساز گار ہو جاتا ہے، اور دکھ کی جگہ راحت آ جاتی ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہ قوت کسی دوسری صورت میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ قوت بدنی بھی ہوتی ہے، باطنی بھی ہوتی ہے۔ مجرمانہ روگردانی یہ ہے، کہ دکھ کی شدت کا احساس تو ہو، مگر ناصح کی بات سن کر اس سے منہ موڑ لیا جائے، اور خلاف حق عمل کو جاری رکھنے پر اصرار ہو۔

حاصل : استغفار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ماحول کو بابرکت بنا دیتا ہے، اور اصلاح کو قبول کرنے والے کو قوت دیتا ہے۔ مجرمانہ روگردانی میں اپنے دکھ کا احساس تو ہوتا ہے، مگر ناصح کے دکھائے ہوئے راستے کو ضد سے مانا نہیں جاتا۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

کہنے لگے، اے ہود (علیہ السلام) آپ ہمارے پاس کسی سند کے ساتھ نہیں آئے، اور ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک کرنے والے نہیں۔ اور ہم آپ کو ماننے والے نہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ کی نصیحت کے جواب میں کہا، کہ آپ ہمارے پاس کسی سند کے ساتھ نہیں آئے۔ محض آپ کے فرمانے پر اپنے معبودوں کو ترک کر دینا ممکن نہیں۔ اور اس امید پر ہم آپ کو ماننے والے نہیں، کہ جو کچھ آپ بتا رہے

ہیں، اس کے ماننے سے ہماری خشک سالی اور کمزوری دور ہو جائے گی۔ سند تو یہ ہو سکتی تھی، کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ پہلے
جاتا، اور ہم استغفار بعد میں کرتے رہتے، رجوع الی اللہ بعد میں ہوتے رہتے۔ قوم کے منکر لوگوں کی بے ہودگی یہ تھی، کہ انہیں
انعامات تو مطلوب تھے، مگر اپنا رخ درست کرنا منظور نہ تھا۔ اور اگر انعامات رخ درست کرنے سے پہلے مل جاتے تو وہ اپنے غل
عقائد پر مزید سختی سے کاربند ہو جاتے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد بڑی روشن سند تھی، کہ مدت کی خشک سالی، اور مدت کی
کمزوری کے دور ہو جانے کی بشارت آپ کے فرمان میں موجود تھی۔ وہ تبدیلی جو ماحول کو بدل دے، اور اجتماعی سلامتی کا باعث
بنے، ہر دیکھنے والی آنکھ پر اثر رکھتی ہے۔ اور اگر ایسی تبدیلی حضرت کے دعوے کے مطابق واقع نہ ہوتی، تو لوگ سند کے ساتھ
آپ کا انکار کر سکتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو شرک سے منع کیا تھا، قوم کے پاس مشرکانہ روش کو جاری رکھنے کی
کوئی سند نہیں تھی۔

حاصل : راہ ہدایت دکھانے والے کی بات ہمیشہ سند سے ہوتی ہے۔ جو ناصح کو طمع سے پاک دیکھے، اسے
ناصح سے محبت ہو جاتی ہے، وہ شرک سے پاک ہو جاتا ہے، اور ایمان والا ہو جاتا ہے۔ مشرک اپنی پسند کے
اندھیرے میں رہتا ہے، اس لئے وہ حق کی سند کو دیکھ نہیں پاتا۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

ہم تو یہی کہتے ہیں، کہ ہمارے کسی معبود نے آپ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ فرمایا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ، کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

قوم نے اپنے معبودوں کو نہ ترک کرنے کا اعلان کر کے، حضرت ہود علیہ السلام سے یہ کہا، کہ ہمارا خیال یہی ہے کہ
ہمارے معبودوں کی اہمیت کا انکار کرنے کی وجہ سے آپ پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں، کہ آپ ہماری
نظروں میں پہلے کی طرح واجب التکریم ہو جائیں، تو پھر آپ ہمارے معبودوں کو مانئے جیسے ہم مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ
نے ارشاد فرمایا: جس قادر مطلق نے مجھے ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے، اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ میں اس وحدہٗ لاشریک کو گواہ کرتا
ہوں، اور تم سب لوگ بھی گواہ ہو جاؤ، کہ میں قطعاً ان سے بیزار ہوں، جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

حاصل : منکرین حق کی بات سن کر اس کا جواب دینا چاہئے، اور جواب وہی ہونا چاہئے جس کی انبیائے
کرام نے تعلیم دی ہے۔ مثلاً مشرکین کو یہی کہنا چاہئے، کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک
ٹھہراتے ہو، تم گواہ رہو کہ میں نے تمہارے سامنے اس بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾

اللہ کے مقابل۔ تو میرے لئے تم سب جمع ہو کر اپنی کرنی کرو پھر مجھ کو مہلت نہ دو

حضرت ہود علیہ السلام نے منکرین حق سے یہ کہا، کہ اللہ کے مقابل جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ نفع اور ضرر باذن اللہ ہوتا ہے۔ تمہارے معبود تو تمہارے اپنے گھڑے ہوئے ہیں، اور انہیں تو ربوبیت کا دعویٰ ہی نہیں ہے۔ تم سب ان کے ساتھ مل کر میرے لئے جو کرنا ہو کرو۔ تمہاری تیاری تو انتہائی درجے کی ہوگی، اس کے مقابل مجھے مہلت بھی نہ دو۔ حضرت ہود علیہ السلام کا جواب یہ واضح کرتا ہے، کہ منکرین کی اجتماعی قوت کو، اور ان کے شرکاء کو آپ نے ہیچ کہا، اور ان پر واضح کیا کہ تم اپنے خیال کو درست ثابت کرنے کے لئے کہ تمہارے معبودوں نے مجھے متاثر کیا ہے، پورا زور لگاؤ اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔

حاصل : منکرین حق اور ان کے شرکاء کو اجتماعی کوشش سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی دعوت دینا انبیاء کی طریقت ہے۔ صاحب حق کی طرف سے اس میں اپنی تیاری کے لئے کوئی وقت نہیں مانگا جاتا۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾	میں نے اللہ پر توکّل کیا، جو میرا اور تمہارا ربّ ہے۔ کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرے ربّ کی راہ ہی سیدھی ہے۔

منکرین حق سے خطاب کرتے ہوئے، حضرت ہود علیہ السلام نے یہ فرمایا: میں نے اللہ پر توکّل کیا، جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اللہ پر توکّل یہ ہے، کہ اللہ کی عطا کو بہر حال علم سے دیکھا جائے اور پورا دیکھا جائے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے مگر پالنے والا سب کا وہی ہے۔ کوئی چلنے والا نہیں مگر اس کی چوٹی اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا۔ ہر چلنے والے کو وہی سنبھالتا ہے۔ اس لئے تمہیں کہاں تک مہلت دیتا ہے، یہ بھی وہی علیم مطلق جانتا ہے۔ میرے رب کا علم ہی سب سے بڑا علم ہے، اور اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ اس لئے کسی بھی نتیجے کے حصول کے لئے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ صراط مستقیم یہ ہے، کہ کسی پاک مقصد کے حصول کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جائے، جس میں خواہش کی پیروی نہ ہو۔ میرے رب کا ہر کام اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا، اس لئے میرے رب کی راہ ہی سیدھی ہے۔

حاصل : اللہ کی عطا کو پورا جاننا توکّل ہے۔ منکرین حق کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ وہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ انہیں ساکن کرنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ جو بھی فرماتا ہے، اس میں ماننے والوں کے لئے فلاح موجود ہوتی ہے۔ اس لئے فلاح کی راہ وہی ہے، جو علیم مطلق نے بتائی ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ	پھر اگر تم منہ پھیرو، تو بے شک میں تمہیں پہنچا چکا، جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف

بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

بھیجا گیا تھا۔ اور میرا ربّ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، اور تم اسے کچھ ضرر نہ دے سکو گے۔ بے شک میرا ربّ ہر شے پر حفیظ ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم لوگ حق کو سن کر منہ پھیرو، تو میں یقیناً حق تبلیغ ادا کر چکا ہوں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے فرمایا گیا تھا، اس سے کچھ بہتر نہیں ہو سکتا، اور وہ سب رضائے الٰہی کے تحت تمہیں پہنچا دیا گیا ہے۔ اب تم جو راستہ اختیار کرو گے، اسی کی جزا پاؤ گے۔ اگر تم نے انکار کی راہ کو نہ چھوڑا، تو میرے رب کے لئے تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آنا قطعاً مشکل نہیں۔ نہ تم اس کی تدبیر کو بدل سکتے ہو، نہ تمہاری حیثیت اس کے سامنے کوئی معنی رکھتی ہے۔ اس کا علم اتنا وسیع ہے، کہ کسی بھی حال میں وہ کسی شے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری بربادی کے حکم سے سب کچھ ختم نہیں ہو جائے گا، اللہ جنہیں بچانا چاہے گا انہیں یقیناً بچائے گا۔

حاصل : احکامات الٰہی حال پر مسائل کا بہترین حل ہوتے ہیں۔ منکرین کی جگہ ماننے والوں کو لانے میں اللہ کو کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی۔ حکم خداوندی کے سامنے منکرین کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ محفوظ وہی ہے، جس کی اللہ حفاظت کرے، اور اللہ کو کسی بھی شے کی حفاظت کسی بھی حال میں کرنے کا علم ہوتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا امر آیا، ہم نے ہود (علیہ السلام) اور ان کی معیّت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور انہیں غلیظ عذاب سے نجات دی۔

منکرین کو عمل کے لئے جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہو گئی تو عذاب الٰہی نے ان کو گھیر لیا۔ یہ عذاب آندھی کی صورت میں آیا، جو سات رات اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ اس آندھی نے منکرین کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ انہیں کہیں بھی پناہ نہ ملی۔ اپنے معبودوں کے جو نام بھی انہوں نے رکھے ہوئے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آئے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا۔ رحمت کا پردہ ان لوگوں پر محیط رہا، اور یہ عذاب غلیظ سے بچا لئے گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیم سے استفادہ کرنے والوں کو رحمت کا وہ پردہ نصیب ہوا، جس کے اندر رہنے والے سلامت رہے، اور جس کے باہر رہنے والے عذاب الٰہی سے برباد ہو گئے۔

حاصل : اللہ کے عذاب سے وہی بچتا ہے، جس کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے۔ اور اللہ اپنی رحمت سے اسے نوازتا ہے، جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتا ہے، اور ناصح سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ کا عذاب

ہمیشہ مجرمین کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

اور یہ عاد ہیں کہ اپنے رب کی نشانیوں سے منکر ہوئے، اور اس کے رسل کی نافرمانی کی، اور ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کی پیروی کی۔

مندرجہ بالا حقائق کے بیان کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: کہ یہ ہیں عاد، جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، اور اس کے رُسل کی نافرمانی کی۔ عاد کی طرف بھیجا تو حضرت ہود علیہ السلام کو گیا تھا، مگر جن حضرات نے حضرت ہود علیہ السلام کی معیت میں رضائے الٰہی کے مطابق حق تبلیغ ادا کیا، ان کی اپنی کوئی بات نہ تھی۔ ان کی بات یقیناً اللہ کے رسول کی بات تھی۔ ان کی بات اللہ کی بات تھی، اس لئے ان میں سے کسی کا بھی انکار، اللہ کے رسول کا انکار تھا، اور اپنے رب کی نشانیوں کا انکار تھا۔ جو حق نہ مانے، وہ ناحق کو ضرور مانتا ہے۔ یہی عاد نے بھی کیا۔ حق کے انکار کے ساتھ انہوں نے ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کی پیروی کی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا، کہ ان کا بہی خواہ کون ہے، اور ان کا بدخواہ کون ہے۔ جو لوگ مجرمین کی قدر بڑھانے لگیں، ان کی پیروی کریں، عذاب الٰہی جلد ہی ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

حاصل: جس کی بات، اللہ کے رسول کی بات ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس کا انکار اللہ اور اس کے رسول کا انکار ہوتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ ناحق سے بچ نہیں سکتا۔ جو بہی خواہ اور بدخواہ میں تمیز نہ کرے، اس سے بڑا بے عقل کون ہو گا۔

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی، اور قیامت کے دن بھی۔ سن لو، بے شک عاد نے اپنے ربّ سے کفر کیا۔ سن لو، دور ہوں عاد، جو ہود (علیہ السلام) کی قوم تھے۔

عاد کے خلاف حق رویئے کی وجہ سے اور سرکش اور ہٹ دھرم لوگوں کی پیروی کی وجہ سے انہیں لعنتی قرار دیا گیا۔ جو حق کے مقابل ناحق کو پسند کرے، اور حق کے انکار پر اڑ جائے، وہ اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے دشمن پر لعنت ہوتی ہے، دنیا میں بھی، اور قیامت کے دن بھی۔ حق سے عداوت جسے اندھا کر دے وہی لعنتی ہوتا ہے۔ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، اپنے پالنے والے کی ناشکری کی، بےقدری کی۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے: دور ہوں عاد۔ اللہ کے ہاں یہ ناپسندیدہ قرار پا گئے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد اولیٰ ہے، اس لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ مذکورہ لعنتی لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم سے تھے۔

حاصل : جو حق سے عداوت کو اپنا شعار بنالے، اس پر دنیا میں بھی لعنت ہے، قیامت کے دن بھی ہوگی۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ قرب اور حضوری کی اہلیت کھو دیتا ہے، دوری اس پر محیط ہو جاتی ہے، اور اس احاطے سے نکل جانا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔

شہادت : سورہ توبہ (۹) میں منکرین حق کے متعلق فرمایا گیا ہے:

فَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلَٰكِن كَانُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ ﴿٧٠﴾

تو اللہ کی شان نہیں تھی، کہ وہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمۡ صَٰلِحٗاۚ قَالَ يَٰقَوۡمِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِ وَٱسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيهَا فَٱسۡتَغۡفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوٓاْ إِلَيۡهِۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٞ مُّجِيبٞ ﴿٦١﴾

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو۔ فرمایا: اے قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے بنایا، اور تمہیں اس میں بسایا۔ تو اس سے بخشش طلب کرو، اور اسی کی طرف رجوع کرو، بےشک میرا ربّ قریبٌ مجیب ہے۔

عاد کے بعد ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حضرت ھود علیہ السلام کی معیت میں عذاب غلیظ سے بچ جانے والے لوگوں کی ذریت تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اس قوم میں مبعوث فرمایا گیا۔ تبلیغ حق میں اللہ تعالیٰ کو کوئی اجنبیت پسند نہیں ہوتی۔ آپ نے انبیاء کی طریقت کے مطابق قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا جس کو بھی تم معبود کہو گے، وہ خود بھی بنایا گیا ہو گا۔ اور جو بنایا گیا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ غور کرو، کہ فرد اول کو مٹی سے پیدا کرنے والا تمہارا معبود ہے۔ اس کی نسل کو بڑھانے والا تمہارا معبود ہے۔ نبی نوع انسان کے لوازمات حیات کا بندوبست کرنے والا تمہارا معبود ہے۔ اظہار عبدیت میں تم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کا اعتراف کرو اور اس کے ساتھ اس سے بخشش طلب کرو۔ بخشش طلب کرنے والا، عطاء الٰہی کی نسبت سے اپنے قول کے نقص کا اور اپنے اعمال کے چھوٹے ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اس اعتراف کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اللہ سے یہ دعا کرتا ہے: یا اللہ تیرا بندہ ہوں، تیری بندگی کے مقابل بہت سی چاہتوں میں پھنس گیا تھا، ان چاہتوں سے بچنے کے عزم کے ساتھ تیری مدد کا طالب ہوں، تیرا قرب مجھے نصیب نہ ہو، اور میرے حال کے مطابق مجھے مدد نہ ملے تو میں اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ بندہ رجوع الی اللہ ہو جائے تو اس کے لئے رب قریب ہوتا ہے مجیب ہوتا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق میں اجنبیت کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ معبود وہی ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، جس نے ہمارے لئے لوازمات حیات کا بندوبست کیا ہے۔ اس سے بخشش طلب کی جائے، اس کی طرف رجوع کیا جائے، تو اس کے قرب کا شرف بھی ملتا ہے، بے بدل مدد بھی ملتی ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

کہنے لگے. اے صالح (علیہ السلام) اس سے قبل آپ ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے۔ کیا آپ ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں، جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے تھے۔ اور بےشک جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں، ہمیں اس میں شک و شبہ ہے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا. اے صالح علیہ السلام! ہمیں آپ سے بہت امیدیں تھیں۔ آپ جیسے دانا کم ہی ہوتے ہیں۔ آپ کا بولنا، آپ کی خاموشی، آپ کی تمام حرکات، سکنات میں بڑی متانت تھی۔ معلوم ہوتا تھا ثمود کی عزت آپ کی قابلیت کی وجہ سے بہت بڑھے گی۔ مگر وہ سب امیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔ آپ نے اپنے آباء کی روش کو چھوڑ دیا ہے۔ حیرت ہے. آپ ان معبودوں کی بندگی سے منع کرتے ہیں، جن کی عبادت ہمارے باپ دادا بھی کرتے رہے ہیں۔ ان معبودوں کی بندگی میں ہماری ایک پہچان ہے۔ کیا اس پہچان کو ضائع کر لینا قومی مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والی بات نہ ہوگی۔ آخر ہمارے باپ دادا بھی سمجھدار لوگ تھے۔ آپ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ اچھے لوگ نہیں تھے۔ اپنے بڑوں کی تحقیر سے ہمارا تشخص سخت مجروح ہوگا۔ آپ کی دعوت یہی ہے، کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا شریک کوئی نہیں۔ اس سے بخشش طلب کی جائے، اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ ہمیں یہ نظر آتا ہے، کہ آپ کی باتوں کو ماننے سے ہم ماضی کے ساتھ اپنا رشتہ توڑ لیں گے۔ یہ کیسے مان لیا جائے، کہ آپ کو مان لینے سے ہمارا مستقبل بڑا روشن ہو جائے گا۔ ہمیں آپ کی دعوت میں ہمیں شک و شبہ ہے۔

حاصل : منکرین حق کے نزدیک اپنے بڑوں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ قومی وقار، قومی تشخص ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ جزا دینے والے کی رضا کو ملحوظ رکھا جائے، تو زاویۂ نگاہ درست ہوتا ہے، ورنہ وہ نظر ہی نہیں آتا، جو نظر آنا چاہئے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

فرمایا. اے میری قوم، بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن سند پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ تو اللہ کے حضور کون میری مدد کرے گا اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تو تم تو میرا خسارہ ہی زیادہ کر سکتے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کو قومی روایات کی طرف لوٹ آنے کا مشورہ دیا گیا، تو آپ نے فرمایا: دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ تم لوگ اندازے قیافے سے اپنی راہ متعین کرتے ہو، میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ میں اپنے رب کے عطا کردہ علم سے جو میرے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے راہ عمل کا تعین کرتا ہوں۔ میرے رب نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ یہ رحمت میرے لئے اتنا بڑا سہارا ہے، کہ اس سے بڑی مدد کسی سہارے سے مل ہی نہیں سکتی۔ اگر میں قومی روایات کو اہمیت دوں تو یہ یقیناً اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت کے بعد پکڑ لیا جاتا ہے۔ وہاں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ نہ آباء و اجداد کام آئیں گے، نہ تم لوگ کچھ کام آسکو گے۔ تمہاری تائید سے میرا خسارہ ہی بڑھ سکتا ہے، اور خسارے کا بڑھانا کسی کو مطلوب نہیں ہوتا۔ اس قوم میں جو انتہائی تکریم کسی سردار کو دی جا سکتی تھی، اس کو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے لئے باعث خسارہ دیکھا اور اپنے احساس کو ثمود کے سامنے ان کی پیش کش کے جواب میں واضح کیا۔ جاہ و حشمت جن لوگوں کا مقصد حیات ہو، ان کی بڑی سے بڑی قیمت یہی لگائی جا سکتی ہے، کہ سرداری کے ساتھ انہیں ان کی مطلوبہ آسائشیں دے دی جائیں۔

حاصل : جو حقائق کے حوالے سے راہِ عمل کا تعین کرے، روشن سند اس کے پاس ہوتی ہے، رحمت خداوندی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ عطاء الٰہی کے مقابل کسی بھی اعزاز کو وہ اپنے لئے خسارے کا باعث ہی سمجھتا ہے، اور اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اور اے قوم یہ اللہ کا ناقہ تمہارے لئے نشانی ہے۔ تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے، اور اسے برائی سے مس نہ کرو۔ پھر عنقریب تمہیں عذاب پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی مطلوبہ نشانی انہیں دکھا دی، اور اس نشانی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جانا چاہئے، یہ بھی واضح کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو کسی بھی جگہ چرنے سے منع نہ کیا جائے۔ جہاں سے چاہے یہ کھاتی پھرے۔ اگر اونٹنی کی کسی جگہ موجودگی اور اس کا چرنا کسی کو نقصان دہ نظر آئے گا، تو وہ اونٹنی کو وہاں سے بھگانے کی جو ترکیب بھی کرے گا، وہ اسے برائی سے مس کرنے والی صورت ہوگی۔ اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کرنے والے کو قابل نفرت سمجھا جائے، تو اس نشانی کی قدر و منزلت کا ثبوت حکم خداوندی کی احسن تعمیل سے ملتا ہے۔ اگر اونٹنی کو برائی کے ساتھ مس کرنے والے کو برا کہا جائے، اور خود بھی وہ نہ کیا جائے جو حکم خداوندی کے مطابق کیا جانا چاہئے، تو یہ بھی ویسا ہی عمل ہو گا جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس صورت میں المناک عذاب تم لوگوں سے دور نہیں ہو گا، پھر تم اس عذاب سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

حاصل : نشانی اگر حق کو تسلیم کرنے کے لئے شرط کے طور پر مانگی جائے، تو پھر نشانی کے دیکھ لینے کے بعد ماننے میں ذرا بھی ڈھیل نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ گرفت ہوتے دیر نہیں لگتی، اور اس گرفت سے بچ جانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۖ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾

پھر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں، تو آپ نے فرمایا: اپنے گھروں میں تین دن اور برت لو، یہ وعدہ ہے جس کے جھوٹا ہونے کا امکان ہی نہیں۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف کیا، اور اپنی مطلوبہ نشانی کی بے حرمتی کی۔ اسے برائی سے مس کرنے کی انتہا یہ تھی، کہ انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، اور اسے چلنے پھرنے کے قابل نہ رہنے دیا۔ آپ نے ان کے اجتماعی عمل کو دیکھا، ان کی اجتماعی سوچ کو دیکھا، تو فرمایا: اپنے گھروں میں رہنے کے لئے تمہیں صرف تین دن ملیں گے، ان میں تم سے جو ہو سکتا ہے برت لو، اس کے بعد تمہیں المناک عذاب پکڑے گا۔ یہ ایسا وعدہ ہے، جس کے غلط ہونے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ خلاف حق عمل کے ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں ایک مہلت ضرور دی جاتی ہے، تاکہ اس عمل کو اچھا کہنے والے اور اس عمل کو برا کہنے والے واضح طور پر الگ ہو جائیں، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے۔

حاصل : جس نشانی کو حق کے ماننے کے لئے طلب کیا جائے، اس کی بے حرمتی کے معنی اپنی بیخ کنی کے ہوتے ہیں۔ برے عمل میں بالواسطہ شامل ہونے والوں کے لئے مہلت ضرور ہونی چاہئے۔ برے عمل کے بعد احساس ندامت سے توبہ کرنے والوں کے لئے بھی مہلت ضرور ہونی چاہئے۔ وعدہ حق کے حوالے سے ہو اور اسے پورا کرنے کی سعی کی جائے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

پھر جب ہمارا امر آیا، ہم نے صالح علیہ السلام کو نجات دی اور آپ کی معیت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے، اس دن کی رسوائی سے بچایا۔ بے شک تمہارا رب ہی قوّت والا، عزّت والا ہے۔

امر الٰہی سے عذاب آیا، اور حضرت صالح علیہ السلام کی آگاہی کی بے قدری کرنے والے گرفتار عذاب ہوئے۔ اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی رحمت سے نوازا۔ آپ کی معیت میں ایمان والوں کو بھی سلامتی کا شرف ملا، اور یہ لوگ اس عذاب کے دن، رسوائی سے بچا لئے گئے۔ منکرین حق کی قوت نابود ہو گئی۔ ان کی بڑائی خاک میں مل گئی۔ واضح یہی ہوا، کہ ہمارا رب ہی قوت والا ہے، عزت والا ہے۔ جسے قوت و عزت مطلوب ہو، اسے اللہ کی بندگی کرنی چاہئے، اور شاہد کی طریقت کے مطابق کرنی چاہئے۔ بندے کی اپنی پسند بندگی میں شرک کے امکان کو ختم نہیں ہونے دیتی۔

حاصل : امرالٰہی کے سامنے کسی کی تدبیر نہیں چلتی۔ مصائب سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو رسوائی سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے۔ قوت و عزت مطلوب ہو، تو اپنے رب کی بندگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔

وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٦٧﴾

اور ظالموں کو ہولناک آواز نے پکڑ لیا۔ تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ثمود پر ہولناک آواز کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس آواز نے ان کے نظام ہائے بدنی کو درہم برہم کر دیا۔ اور اگلی صبح وہ قوم جس نے اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کیا تھا، اپنے گھروں میں اوندھی پڑی تھی۔ جس قادر مطلق کی عطا کردہ توفیق سے وہ لوگ من مانی کرتے رہے جب اس کی طرف سے پکڑ ہوئی، تو ان کے خاتمے میں وقت ہی کتنا لگا۔

حاصل : ہمارے بدن کے نظام جس کے حکم سے چل رہے ہیں، اس کا حکم ہونے کو نہ ہونے میں بدل سکتا ہے، اور اسے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ آواز کی بلندی کس حد تک ہونی چاہیئے، اس بات کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔

كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ ع

گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ سن لو، ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ ارے دور ہوں ثمود۔

ثمود نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، عذاب الٰہی نے انہیں اس طرح بجھا کر رکھ دیا، گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہا تھا، کہ اگر آپ مرسل ہیں، تو عذاب لے آیئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر حضرت کی صداقت کو ماننا نفع نہیں دے سکتا تھا۔ یوں ان لوگوں پر دوری مسلط کر دی گئی، اور پھٹکار سے ان کا قصہ تمام ہوا۔

حاصل : اپنے رب کی ناشکری کرنے والے یوں مٹا دیئے جاتے ہیں، گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دوری سے بچائے اور حضوری کا شرف بخشے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے:
فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾
تو اللہ کے لئے امثال نہ ٹھہراؤ، بے شک اللہ کو علم ہے، اور تم لاعلم ہو۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾

اور بے شک ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت کے ساتھ حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کہا، پھر جلد ہی بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا، اور آداب مہمان نوازی کے مطابق جو کچھ کھانے کے لئے جلد حاضر کیا جا سکتا تھا، وہ لا کر آنے والوں کے سامنے رکھ دیا۔ پیش کردہ کھانا بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت تھا، جس کو یقیناً بڑی رغبت سے کھایا جاتا تھا۔ دودھ دینے والے جانوروں سے ان کے منشاء تحقیق کے مطابق فوائد حاصل کرنے سے پہلے انہیں ذبح کر دینا، اسراف اور ناشکری ہے، جو ہمیشہ بے برکتی کا باعث ہوتی ہے۔

حاصل : مہمان کو پوچھ کر اس کے سامنے کھانا رکھنا آداب مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ مسافر کو عموماً جلدی ہوتی ہے، اس لئے یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ کھانا مفید ہونے کے ساتھ جلد پیش کیا جائے۔ سلام کے جواب میں سلام کہنا ضروری ہے۔ ناشکری بے برکتی کا باعث ہوتی ہے۔

فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾

پھر جب ان کے ہاتھوں کو کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھا، تو ان کی اجنبیّت محسوس کی اور ان سے ڈرے۔ وہ کہنے لگے: خوف نہ کیجئے، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لباس بشری کے احترام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے سامنے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لا کر رکھ دیا، مگر جب انہیں کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہ دیکھا، تو تعجب سے انہیں دیکھا، اور ان کی اجنبیت کو محسوس کیا۔ ڈر یہ تھا، کہ فرشتوں کا لباس بشری میں آنا، مستقبل قریب میں کسی بڑے واقعہ کی نشان دہی کرتا ہے، اور اس کا تعلق عذاب الٰہی سے ہی ہو سکتا ہے۔ جب فرشتوں کو آپ کے خوف کا علم ہوا، تو انہوں نے کہا، یا خلیل اللہ ہم آپ کی قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے۔ عذاب تو ہم ضرور لے کر آئے ہیں، مگر یہ قوم لوط کے لئے ہے۔

حاصل : مہمان کی بدنی زبان کو دیکھنا چاہئے، اس سے اس کے مقام کا تعیّن ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے حال کی فکر ہونی چاہئے۔ علم حقیقی جاننے والے کے ادراک کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ منشاء ایزدی کو پانا اسی کے بس میں ہوتا ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اور آپ کی عورت کھڑی تھی۔ تب وہ ہنس پڑی۔ تو ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی، اور اسحاق (علیہ السلام) کے پیچھے یعقوب (علیہ السلام) کی بشارت دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ نے مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے جو کچھ کیا، اس کی طرف ان کی عدم رغبت بی بی کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ اس پر بی بی کو ہنسی بھی آئی۔ بی بی عمر کے اس حصے میں تھی، جس میں عورت کو بڑے ہونے کا احساس ہو جاتا ہے، اور یہ احساس دانستہ اور نادانستہ اس کے رویئے میں جھلکتا رہتا ہے۔ فرشتے جو لباس بشری میں تھے، ان کی طرف سے بشارت باذن اللہ تھی، اس لئے فرشتوں کی طرف سے بشارت، اللہ کی طرف سے بشارت تھی۔ خوش خبری یہ دی گئی، کہ بی بی اللہ آپ کو بیٹا عطا فرمائے گا، جس کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام ہو گا۔ آپ کو جسمانی صحت و سلامتی کے ساتھ نوازے گا، اور اس بیٹے کے بیٹے کو بھی آپ دیکھیں گی، جن کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہو گا۔

حاصل : خدمت خلق میں کھانا کھلانے کا بڑا مقام ہے۔ جہاں یہ اہتمام ہوتا ہو، وہاں خاتون خانہ کو کھانا دینے کے بعد مزید ضروریات بہم پہنچانے کے لئے کھڑے رہنا چاہئے۔ بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت بی بی کے لئے انتہائی خوشی کی خبر تھی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

بی بی نے کہا: ہائے شامت! کیا میرے بچہ ہو گا، اور میں تو بوڑھی بانجھ ہوں اور یہ میرے بزرگ میاں ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو بشارت پر تعجب ہوا۔ اظہار تعجب کے لئے عورتوں کے خاص انداز میں بی بی نے کہا، ہائے شامت! کیا اس بڑھاپے میں میرے ہاں بچہ ہو گا، اور میرے تو میاں صاحب بھی عمر رسیدہ ہیں۔ اپنی بدنی کیفیت کا ذکر کر کے اور اپنے میاں صاحب کا حال بیان کر کے بی بی نے یہ واضح کیا، کہ بقاء نسل کے معمولات کے حوالے سے یہ بات قطعاً عجیب ہے۔

حاصل : اظہار تعجب میں عورتوں کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ عطاء الٰہی کی بشارت کو سن کر اپنی عدم اہلیت کا اعتراف کرنا بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

فرشتوں نے کہا: بی بی کیا تم اللہ کے امر پر

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

تعجب کرتی ہو۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں تم پر اس گھر والو۔ بے شک وہ حمد والا، بڑائی والا ہے۔

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کے تعجب پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا، اللہ کے امر پر تعجب اللہ کے ماننے والوں کو کیوں ہو۔ اللہ قادر مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اسباب تمام اس کے امر کے تابع ہیں، اس کا امر اسباب کے تابع نہیں ہوتا، اور اے اہل بیت آپ سب پر اللہ کی رحمت ہو اس کی برکات ہوں، آپ تو اپنے مشاہدے کے حوالے سے دوسروں پر یک فضیلت رکھتے ہیں۔ معجزات اور خوارق دیکھتے رہنے والوں کو امر الٰہی میں تعجب کیوں ہو۔ اللہ کی شان ہے، کہ وہ ہر ایک کو علم سے پالتا ہے، اور پالنے کا بہت بڑا کام ابتدا سے انتہا تک وحدہٗ لاشریک ہی کرتا ہے۔ تخلیق کے لئے ضروری ارکان، محل تخلیق، وہاں موزوں درجہ حرارت، موزوں نمی اور بہت کچھ جس کے بارے میں انسانی علم بہت ہی محدود ہے، سب امر الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

حاصل : اسباب ہمیشہ امر الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ بیوی اہل بیت میں شامل ہوتی ہے۔ جس گھر کی پاکیزگی اور مہمان نوازی دیکھنے میں آئے، اس کے لئے اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کی دعا کرنی چاہئے۔ اللہ کا کام ہمیشہ علم مطلق سے ہوتا ہے، وہ کسی ذریعے یا سبب کا محتاج نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ۝

تو جب ابراہیم (علیہ السلام) کا خوف زائل ہوا، اور آپ کو بشارت ملی، تو آپ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑے۔

ملائکہ کا لباس بشری میں آنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خوف کا باعث ہوا۔ آپ نے عذاب الٰہی کو مستقبل قریب میں دیکھا، تو فرشتوں نے یہ کہا، کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے پیچھے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے آئے ہیں۔ بشارت ہمیشہ باعث راحت ہوتی ہے۔ راحت کے اس مقام پر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے یہی چاہا، کہ ان لوگوں کو کچھ مہلت مزید دے دی جائے، اور عذاب الٰہی میں تاخیر ہو جائے، ممکن ہے اس طرح یہ قوم فسوق و عصیان سے باز آ جائے، اور اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو عذاب الٰہی کے لئے اللہ کا امر آنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اَرحَمُ الرّٰحِمِین ہے، مگر اس کے باوجود اس کے پیارے بندے، گناہ گاروں کے لئے اس کے حضور یہی دعا کرتے ہیں، کہ یا اللہ ان لوگوں کو کچھ مہلت مزید دے دے، کہ یہ لوگ فسوق و عصیان سے بچ کر فلاح پائیں۔

إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) حلیم، رقیق القلب، رجوع لانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کو بہر حال پورا جاننا، اس کا شکریہ ادا کرنا اور معطیٔ مطلق کی صفت و ثنا کرتے رہنا حلم ہے۔ عطاء الٰہی کی نسبت سے اپنے عمل کو بہت چھوٹا دیکھنا، اپنی کوتاہیوں کو دیکھتے رہنا اور ان پر آنسو بہانا رقّت قلب ہے۔ راحت کو باذن اللہ جاننا، مصائب و آرام کو باذن اللہ جاننا، اور دونوں صورتوں میں لوگوں کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنا انابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حلیم تھے، رقیق القلب تھے اور منیب تھے۔ یہ تینوں صفات موجود ہوں تو خلق اور خالق کے مابین وسیلہ ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہ وسیلہ پانے والے دنیا و آخرت میں فلاح پاتے ہیں۔

حاصل : حلم، رقّت قلب اور انابت کی موجودگی ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کا ثبوت ہے۔

يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَآ ۖ إِنَّهُۥ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾

اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ اس سے اعراض کیجئے۔ بے شک آپ کے ربّ کا امر آ چکا، اور ان پر عذاب آنے والا ہے جسے لوٹایا نہیں جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم لوط کے لئے درد مندی کی حد کر دی، تو ملائکہ نے یہ کہا، اے حضرت آپ اس بات کو چھوڑ دیجئے۔ عذاب کے لئے آپ کے رب کا امر آ چکا ہے۔ اس امر کا واقع ہونا باقی ہے۔ امر الٰہی کے آنے سے پہلے دعا کا مقام ہو سکتا تھا، اب اس قوم پر عذاب آنے والا ہے جس کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ اس عذاب کا منشاء اس قوم کو صراط مستقیم کی طرف آنے میں مدد دینا نہیں ہے، بلکہ اس عذاب کا منشاء تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔

حاصل : امر الٰہی علم مطلق سے ہوتا ہے۔ امر الٰہی کا علم ہو جانے کے بعد دعا نہیں کی جا سکتی۔ عذاب ادنیٰ رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دیتا ہے۔ فیصلہ کن عذاب سے کسی بھی قوم کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِىٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، تو آپ کو ان کے آنے کا غم ہوا، اور گھٹن محسوس ہوئی۔ کہا: یہ بڑی سختی کا دن ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی فرشتے لباس بشری میں تھے۔ آپ کو ان پاک نوجوان مہمانوں کی

قدر و منزلت میں راحت تو تھی، مگر یہ غم بھی تھا، کہ ان خوبرو نوجوانوں کے بارے میں جب بستی والوں کو خبر ملے گی، تو وہ فوراً برائی پر تل جائیں گے۔ غم کا کوئی مداوا نظر نہ آئے تو گھٹن ضرور ہوتی ہے۔ اس گھٹن کے شدید احساس کے ساتھ آپ نے یہ کہا، یہ بڑی سختی کا دن ہے۔ آداب مہمان نوازی کا علم بھی پورا ہو، ماحول کے ناپاک ہونے کا احساس بھی شدید ہو، اور کوئی جگہ ایسی بھی نظر نہ آئے جہاں مہمانوں کی تکریم کا حق ادا کیا جا سکے، تو میزبان کے لئے اس دن کی سختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کے ہر کام میں بے بدل حکمت ہوتی ہے۔ مہمان کی تکریم اسی طرح ہوتی ہے، کہ اس کی جسمانی خوراک کے ساتھ اس کی روحانی خوراک کا بھی بندوبست کیا جائے۔ حق کا علم ہو، اور ماحول اس کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے، تو غم بھی ہوتا ہے، گھٹن بھی ہوتی ہے۔ اس سختی کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔

وَجَاۤءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

اور آپ کے پاس وہ لوگ دوڑتے ہوئے آئے، اور وہ پہلے سے برے عمل کر رہے تھے۔ فرمایا: اے قوم، یہ بیٹیاں تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو، اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک مرد بھی نیک چلن نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے خوب رو مہمانوں کی خبر پاتے ہی، خواہشات نفس کی پیروی میں الجھے ہوئے لوگ، دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے، اور بدنی حرکات سے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔ برے عمل کے ارتکاب سے پہلے اس کی تیاری میں جو کچھ کیا جائے وہ بھی برے عمل کا حصہ ہوتا ہے۔ برائی کے لئے ان تیار لوگوں کو آپ نے فرمایا، جنسی ضرورت کو پورا کرنے کی بہترین صورت وہی ہے جو اللہ نے تمہارے لئے رکھی ہے۔ پاک بیبیاں تمہارے لئے بقاء نسل کا ذریعہ بنائی گئی ہیں، ان سے تمتع کرو۔ اس کے علاوہ اظہار کر کے مجھے میرے مہمانوں میں رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میرے مہمانوں کی تکریم کا حق ادا کرنے کی بجائے، تم ان کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے ہو۔ کتنا رسوا کن رویہ ہے تمہارا۔ کیا ایک مرد بھی تم میں ایسا نہیں، جو تمہیں اس بے حیائی سے روکے۔ جس قوم میں بے حیائی بڑھ رہی ہو، وہاں عورتیں بھی اپنے بچوں کے برے اعمال کو قابل مذمت نہیں جانتیں، اس لئے بچے برے اعمال میں آگے بڑھتے رہتے ہی۔ نیک چلنی کی تعمیر میں ماں کے ساتھ دوسری عورتوں کا بھی ایک مقام ہوتا ہے۔

حاصل : حدود اللہ کے احترام سے ہی معاشرتی سکون قائم رہ سکتا ہے۔ جنسی زندگی میں پاکیزگی کسی قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مہمان سے زیادتی میزبان کی رسوائی ہوتی ہے۔ برائی کی ترویج میں عورتوں کا حصہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نیک چلن مرد مشکل مقامات پر بھی لوگوں کو برائی اور بے حیائی سے منع کرتے ہیں۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

کہنے لگے: آپ کو علم ہے، ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں، اور آپ کو یقیناً علم ہے جو ہم چاہتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں، کہ تمہاری ازدواجی زندگی پاک بیبیوں سے درست رہ سکتی ہے، اس کے علاوہ جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے سب راستے بربادی کی طرف جاتے ہیں، قوم نے یہ کہا: آپ کو پتہ ہے، ہمیں آپ کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ جس راستے کی آپ بات کر رہے ہیں، ہم اس کو اختیار کرنے والے نہیں۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں۔ اس ارادے کو پورا کرنے سے آپ ہمیں روک نہیں سکتے۔ پھر مزاحمت سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔

حاصل: بےحیا لوگ، ناصح کو جواب دیتے ہوئے، حق کا صریحاً انکار کرتے ہیں، اور اپنے ناپاک ارادوں کو ظاہر کرنے میں بےباک ہو جاتے ہیں۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

پکارا: اے کاش، مجھے تمہارے مقابل قوت حاصل ہوتی، یا کسی مضبوط پناہ میں جا بیٹھنا ممکن ہوتا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی اخلاقی حالت پر شہادت دیتے ہوئے فرمایا، مجھے تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے میں، تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے میں خوشی ہوتی، مگر موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں ہے۔ نقل مکانی کی صورت یوں ہو سکتی تھی، کہ جو حق پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوتا، میں وہاں جا بیٹھتا۔ گویا آپ نے شہادت دی، کہ جس بستی میں آپ کی رہائش ہے، وہاں بھی کوئی نیک چلن نہیں ہے، اور قرب و جوار میں بھی یہی حالت ہے۔ اللہ کی رضا اس معاشرے میں کہیں بھی مطلوب نہیں ہے۔ قوم کے سامنے یہ بیان کرنا اور قوم کا اس کے جواب میں خاموش رہنا یہ ثابت کرتا ہے، کہ لوگوں نے اس بیان کے دونوں حصوں کا انکار نہیں کیا۔

حاصل: کسی جگہ کے رہنے والوں کے بارے میں جب یہ شہادت دی جائے، کہ وہ حد اصلاح سے گزر چکے ہیں، تو یہ گواہی عذابِ الٰہی کو پکارنے کے مترادف ہوتی ہے۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ

کہنے لگے، اے لوط (علیہ السلام) ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو کچھ رات گئے اپنے اہل کو لے کر نکل جایئے اور تم میں کوئی مڑ کر نہ دیکھے، مگر آپ کی عورت، اسے بھی وہی

إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ ٱلصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ ٱلصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾

پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے۔ کیا صبح قریب نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی اخلاقی حالت کے بارے میں اپنی شہادت دے دی، توان کے مہمانوں نے آپ سے یہ کہا. حضرت آپ مضطرب نہ ہوں، ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکتے اس کا بندوبست ابھی ہو جاتا ہے۔ مگر حکم خداوندی یہ ہے، کہ ان لوگوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ آپ کچھ رات گئے اپنے اہل کے ساتھ یہاں سے چلے جایئے۔ ہاں آپ کی عورت آپ کے ساتھ نہ ہوگی۔ وہ پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہوگی۔ آپ کے ساتھیوں کو یہاں سے نکلنے میں جلدی کرنی چاہئے، اور جس خطے کو عذاب کی لپیٹ میں آنا ہے، اس سے نکل جانے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کسی کو پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں چاہئے۔ آپ کی عورت منکرین حق کے ساتھ ہے۔ اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو منکرین حق کو پہنچے گا۔ موعودہ عذاب کا وقت صبح مقرر کیا گیا ہے، اور صبح قریب ہی ہے۔ آپ کا یہاں سے جانا، اور خطۂ عذاب سے سلامتی کے مقام پر پہنچ جانا مکمل ہو جائے۔ آپ اور آپ کے پاک ساتھی اس جگہ سے دور چلے جائیں جس جگہ عذاب آنے والا ہے۔ اور یہ سب صبح سے پہلے مکمل ہونا چاہئے، کہ نزول عذاب کا وقت مقرر ہے۔

حاصل : اللہ کی تائید شامل حال ہو، تو اضطراب دور ہو جاتا ہے۔ امر الٰہی کی تعمیل میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ شاہد کا قرب اسے فائدہ دیتا ہے جو اس سے محبت رکھتا ہو۔ منکر شاہد کے قریب بھی ہو، تو اس کا انجام منکرین کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ عذاب کی گھڑی کو دور نہیں جاننا چاہئے۔

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَٰلِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾

پھر جب ہمارا امر آیا، ہم نے اس بستی کے اوپر کو نیچے کر دیا، اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر برسائے لگاتار۔

قوم کو چھوڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کچھ رات گئے اپنے ساتھیوں کو لے کر محفوظ مقام پر تشریف لے گئے، تو عذاب کے متعلق امر الٰہی کے واقع ہونے کا وقت آ گیا۔ اس عذاب سے ایک خطۂ زمین کو جس پر یہ قوم بڑی شان و شوکت سے آباد تھی، زیر و زبر کر دیا گیا۔ اور اس بربادی کے بعد اس پر پتھروں کی وہ بارش ہوئی، جس میں وقفہ نہیں تھا، تا آنکہ یہ سب پیوند زمین ہو گئے۔

حاصل : عذاب الٰہی کے سامنے کوئی قوت اور کوئی تعمیر ٹھہر نہیں سکتی۔ عذاب الٰہی کے احاطے کے اندر کسی شے کا بچ جانا ناممکن ہے۔ پاک لوگوں کو رسوا کرنے والوں کا خاتمہ رسوائی کے ساتھ ہوتا ہے اور عبرت ناک ہوتا ہے۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝۸۳

نشان کئے ہوئے تمہارے رب کے پاس۔ اور وہ ان ظالمین سے دور نہیں ہے۔

ہر ظالم کو اس کے کئے کی جزا دی جاتی ہے۔ اس کا اپنا کیا ہی اس پر پڑتا ہے۔ خلاف حق کرنے والے اپنے لئے سامان عذاب جمع کرتے رہتے ہیں۔ جب عذاب الٰہی کا امر آ جائے، تو پھر اس عذاب سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ماضی میں جو لوگ مبتلاء عذاب ہو کر، رسوائی کے ساتھ اس دنیا سے گئے، وہ حال پر خلاف حق کرنے والوں سے دور نہیں ہیں۔ ظالموں سے دور رہنے کی صورت یہ ہے، کہ ہمارا قول و فعل ان سے ملتا جلتا نہ ہو۔

حاصل : ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دینے والا اللہ ہے۔ جہاں عمل ملتا جلتا ہو، وہاں نتیجہ بھی ملتا جلتا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے: اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا لے گا، اور یہ کہے گا:

يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝۲۷

ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کی معیّت اختیار کی ہوتی۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝۲۸

ہائے میری خرابی کسی طرح میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ

بے شک اس نے مجھے بہکا دیا اس نصیحت سے جو مجھے پہنچی تھی۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝۲۹

اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۸۴

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ فرمایا: اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ماپ اور تول کو نہ گھٹاؤ۔ میں تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں، اور مجھے تم پر ایک دن کے عذاب کا

ڈر ہے جو تمہارا احاطہ کر لے گا۔

اہل مدین کی طرف سنت الٰہی کے مطابق انہی میں سے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے بھی انبیاء سابقین کی طریقت کے مطابق نصیحت کی ابتداء یہیں سے کی، کہ اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کو لا شریک معبود ماننے کی صورت یہی ہے، کہ کسی بھی مقام پر لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا مطلوب ہو، اور لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو۔ اس نصیحت کو مان لیا جائے، تو معاشرتی روگ سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس نصیحت کے بعد اس قوم کی خصوصی خرابی کا ذکر کیا گیا، کہ تم لوگ معاشی طور پر آسودہ حال ہو، اس آسودگی کو قائم رکھنے کے لئے معطی مطلق کا شکریہ ادا کرتے رہنا ضروری ہے۔ شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ تم اپنے ذاتی مفادات کو قومی اور اجتماعی مفادات کے مقابل اہمیت نہ دو۔ تم لوگ ماپ اور تول میں لوگوں کو نقصان پہنچا کر جو کچھ کماتے ہو، یہ کمائی تمہارے لئے خطرے کی صورت میں جمع ہو رہی ہے۔ ایک دن تمہاری یہ کمائی تمہیں عذاب کی صورت میں گھیرے گی، اور اس گھیرے سے نکل جانا ناممکن ہو گا۔

حاصل : نصیحت کی ابتدا ہمیشہ اللہ کی بندگی کے پیغام سے کرنی چاہئے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ ماپ اور تول میں خوف خدا موجود ہو تو کسی کو دھوکا دینا ناممکن ہوتا ہے۔ آسودگی لوگوں کو دھوکا دینے سے برباد ہو جاتی ہے، اس بربادی کے احاطے سے نکل جانا ممکن نہیں ہوتا۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اے قوم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو، اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی: کہ اے قوم! انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ خریدنے والے کے ساتھ جو عہد کرو، اس عہد پر خوف خدا کے ساتھ پورے رہو گے تو ناپ اور تول میں انصاف ممکن ہو گا۔ اور اگر ناپ اور تول میں کمی کرو گے تو یہ لوگوں کے ساتھ بدعہدی ہو گی۔ اس سے بدعہدی کرنے والے کو جو فائدہ پہنچتا نظر آئے گا وہی فساد کا بیج بنتا جائے گا۔ افراد کے مابین اعتماد کی فضا قائم نہ رہے تو شکوک و شبہات بڑھتے رہتے ہیں۔ باہمی اعتماد کو ختم کرنے کی ہر صورت زمین میں فساد مچانے کے مترادف ہے۔

حاصل : جزا کا یقین ہو، تو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ ناپ اور تول پورا نہ رہے تو یہ بدعہدی ہوتی ہے، اور اس سے افراد کے مابین اعتماد کی بیخ کنی ہونے لگتی ہے۔ باہمی اعتماد کو ختم کرنے کی ہر صورت فساد کو بڑھاتی ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اللہ کا دیا جو بچ رہے، وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

ناپ اور تول کو پورا رکھنے کی صورت میں جو بچ رہے گا، وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے، جو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے۔ مگر یہ بہتری اسے ہی نظر آ سکتی ہے، جو مومن ہو۔ جسے جزا کا یقین نہ ہو، اس کی نظر وقتی اور قریبی فائدے سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔ پاک رہنے والے کو جو ملتا ہے، اس سے اس کے اندر اور باہر سلامتی قائم رہتی ہے، اس کی قدر و منزلت بڑھتی رہتی ہے، اس کے کاروبار میں برکت ہوتی ہے، اور اس کے لین دین میں حدود اللہ کا احترام نظر آتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا، میں تمہاری حفاظت پر مامور نہیں کیا گیا ہوں۔ تمہیں اپنے اعمال کی حفاظت خود کرنی ہے۔ آگاہی میرے ذمے تھی، وہ کر دی گئی ہے۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا وہی ہے، جو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ حاصل ہو۔ یہ مقدار میں قلیل بھی ہو، تو بھی اس کثیر سے بہتر ہے، جو پاک نہ ہو۔ جو اپنے قول و فعل کی حفاظت سے غافل ہو، اس کی حفاظت کون کر سکتا ہے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾

کہنے لگے، اے شعیب (علیہ السلام) کیا آپ کی نماز آپ کو یہ امر دیتی ہے، کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے، یا اپنے اموال میں جو چاہیں نہ کریں، آپ بڑے حلم والے نیک چلن ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کے جواب میں قوم نے کہا، جناب آپ بہت نماز پڑھتے ہیں، کیا اس کا یہی اثر ہے، کہ آپ ہمیں ہمارے ماضی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے آباء بھی جاہل تو نہیں ہوں گے۔ وہ جن کی عبادت کرتے رہے ہیں، ان کی عبادت کو چھوڑ دینا قطعاً ان سے الگ ہو جانے والی بات ہے۔ ماضی کی روایات کی نفی کر کے ہم قومی زندگی کو کس قدر نقصان پہنچائیں گے۔ دوسری بات اور بھی عجیب ہے، کہ اموال تو ہمارے ہوں، مگر ان میں تصرف کا اختیار ہمیں نہ ہو، اور ہم کاروبار میں آپ کی طرف سے مقرر کردہ حدود کے اندر رہیں۔ معاشی ترقی کے لئے یہ بات انتہائی نقصان دہ ہوگی۔ آپ بڑے حلم والے ہیں، نیک چلن ہیں، مگر یہ ضرور دیکھئے کہ آپ کی بات ماننے کے معنی اس قوم کے لئے اجتماعی خود کشی کے ہوں گے۔ نہ ہمارے آباء کی روایات باقی رہیں گی، نہ ہم معاشی طور پر ترقی کر سکیں گے۔ آپ کا مرتبہ تسلیم! مگر کوئی ایسی صورت نکالئے، کہ یہ قوم اپنے ماضی سے بھی نہ کٹ جائے، اور معاشی طور پر ترقی کی منازل بھی طے کرتی رہے۔

حاصل : اللہ کے پاک بندوں کو ہر زمانے میں یہ باتیں سننا پڑی ہیں، کہ آپ کی اطاعت سے قومی روایات کی نفی ہو جائے گی، اور معاشی بحران پیدا ہو جائے گا۔ آپ کی صلاحیت کو ہم تسلیم کرتے ہیں، مگر اپنا رخ درست کر لیجئے۔

قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّى وَرَزَقَنِى مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَآ أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا ٱلْإِصْلَٰحَ مَا ٱسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِىٓ إِلَّا بِٱللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾

فرمایا: اے میری قوم، دیکھو تو اگر میں اپنے ربّ کی طرف سے روشن سند پر ہوں اور اس نے مجھے رزق دیا، اچھا رزق۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ خود اس کے خلاف کروں جس سے تمہیں منع کروں۔ میں تو جہاں تک ہو سکے اصلاح چاہتا ہوں، اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر توکّل کیا، اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم مجھے عقل مند اور نیک چلن مانتے ہو، تو پھر اس بات پر غور کرو کہ جو کچھ تم دیکھ سکتے ہو، وہ مجھے بھی نظر آتا ہے، اور جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے وہ بھی نظر آتا ہے۔ ماضی میرے سامنے واضح ہے۔ حال پر کیا ہونا چاہئے یہ میرے سامنے روشن ہے۔ مستقبل کیا ہو گا، اس سے بھی مجھے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ نے مجھے جو رزق دیا ہے، اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ میری ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا، وہی معطیٔ مطلق ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہنا میرا کام ہے، جو رزق وہ دے گا، وہی رزق حسن ہے۔ تمہارا یہ خیال بے جا ہے، کہ تمہیں ناپ اور تول کے پورا کرنے کی نصیحت کر کے میں تمہیں معاشی بحران میں مبتلا کرنا چاہتا ہوں، اور اس بحران سے مفاد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ماضی اور میرا حال تمہارے سامنے ہے۔ تم میری زندگی میں تضاد نہیں دیکھ رہے۔ میں تو جہاں تک ممکن ہو اصلاح چاہتا ہوں۔ جو کچھ مجھے حاصل ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اسی کے سہارے میں اپنا حق ادا کرتا جا رہا ہوں، اور حال پر اللہ تعالیٰ کی عطا کو پورا جانتا ہوں، اور اسی کی رضا کو مطلوب جانتے ہوئے اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ یہ نہیں دیکھتا کہ لوگوں کے سلوک کے جواب میں مجھے کیا کرنا چاہئے، یہ دیکھتا ہوں، کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے حال پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دیکھو تو سہی کیا تمہیں ہر قدم پر میری زندگی میں یکسوئی نظر نہیں آ رہی۔

حاصل : ناصح کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل واضح ہوتا ہے۔ حدود اللہ کے احترام کے ساتھ جو رزق ملے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ناصح کبھی اپنی نصیحت کے خلاف نہیں کرتا۔ اصلاح طلبی بندے کی شان ہے، توفیق اللہ دیتا ہے۔ حال پر اس کی عطا کو پورا جانا جائے اور اس کی رضا مطلوب ہو، تو اس سے بڑی استقامت حاصل ہوتی ہے۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۸۹

اور اے قوم میرے ساتھ ضد یہ نوبت نہ لے آئے، کہ تم پر بھی پڑے، جیسے کہ پڑ چکا ہے قومِ نوح (علیہ السلام) اور قومِ ہود (علیہ السلام) اور قومِ صالح (علیہ السلام) پر، اور قومِ لوط (علیہ السلام) تو تم سے کچھ دور بھی نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا: میرے ساتھ ضد کرتے کرتے تم ہلاکت کی طرف جارہے ہو۔ اپنے حال کو دیکھو۔ ماضی میں جن قوموں پر عذاب الٰہی آ چکا ہے، تمہارے اعمال ان سے ملتے جلتے ہوں گے، تو انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا۔ تم جانتے ہو، حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والے غرق ہو گئے۔ تم جانتے ہو عاد حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والے لوگ تھے اور ہٹ دھرم لوگوں کی پیروی کرتے تھے، وہ بھی لعنت کے ساتھ اس دنیا سے گئے۔ تمہیں پتہ ہے، ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے ضد کی، اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کیا اور عذاب الٰہی کو دعوت دی، تو عذاب الٰہی نے انہیں بجھا کر رکھ دیا۔ زمان و مکان کے اعتبار سے یہ مثالیں کچھ دور کی ہیں، مگر حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والوں کی مثال تو دور کی نہیں ہے۔ نہ یہ جگہ تم سے دور ہے، نہ یہ زمانہ تم سے دور ہے۔ حق کے انکار کو تم اپنا حال بنالو گے، تو منکرین کے انجام سے بچ جانا ناممکن ہو گا۔

حاصل : ناصحین کے ساتھ ضد ہمیشہ باعث ہلاکت ہوتی ہے۔ حال اگر منکرین سے ملتا جلتا ہو گا، تو انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا۔ قرب و جوار میں حق کے جھٹلانے والوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۹۰

اور اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع لاؤ۔ بے شک میرا ربّ رحم فرمانے والا محبت والا ہے۔

دعوت فکر دینے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: لوگو تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ بخشش طلب کرنے والا، ماضی میں خلاف حق کرنے پر نادم ہوتا ہے، حال پر حق کو ادا کرتا ہے، اور نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے۔ ربّ العالمین کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ ظلمات سے نور کی طرف آنے والے پر رحم فرماتا ہے۔ جس ماضی کا حال شاہد نہ رہے، اس ماضی کی نفی کر دیتا ہے، اور مغفرت طلب کرنے والے رجوع لانے والے کے اخلاص کی قدر کرتا ہے۔ اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے۔ جسے اللہ اپنی محبت سے نوازے، وہ بڑا صاحب استقامت ہو جاتا ہے۔ خیر کے طالب اسے دیکھ کر اپنے رخ کو درست کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : اللہ سے بخشش طلب کرنا، اس کی طرف رجوع لانا، ناصح کے اتباع سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ماضی میں خلاف حق کرنے پر ندامت ہو، حال پر حق کو ادا کرنے میں استقامت ہو، تو اللہ تعالیٰ رحم بھی فرماتا ہے، محبت سے بھی نوازتا ہے۔ جسے ہم معاف کریں سنت الٰہی کے مطابق اس پر رحم بھی کرنا چاہئے، اور اس کی حسن نیت کے حوالے سے اس کی قدر بھی کرنی چاہئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

کہنے لگے: اے شعیب (علیہ السلام) ہمیں آپ کی بہت سی باتیں سمجھ نہیں آتیں، اور بے شک ہم اپنے میں آپ کو کمزور دیکھتے ہیں، اور اگر آپ کا کنبہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو رجم کر ڈالتے، اور آپ کو ہم پر کچھ عزّت حاصل نہیں ہے۔

منکرین قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا، کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ سمجھ میں نہ آنے کی کچھ وجوہات بھی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے، کہ ہم اپنی قومی زندگی میں آپ کو کمزور دیکھتے ہیں۔ یہ کمزوری معاشی لحاظ سے بھی ہے، اور آپ کے ماننے والوں کی عددی قوت کے لحاظ سے بھی ہے۔ آپکو مان لینے سے ہمارا مستقبل کیارہ جائے گا۔ آپ ہمیں شرمندہ بہت کرتے ہیں۔ ہم آپ کو سنگسار کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آڑے یہ بات آ جاتی ہے، کہ آپ کا کنبہ ہمارے ساتھ ٹکرائے گا تو پھر قومی زندگی بدامنی کا شکار ہو جائے گی۔ مگر یہ بات طے ہے کہ آپ کو ذاتی حیثیت میں ہم پر کچھ فضیلت و عزت حاصل نہیں۔ بتوں کی بے حرمتی کر کے آپ آباؤ واجداد کی روایات کی نفی کرتے ہیں۔ ناپ اور تول کو پورا رکھنے کی نصیحت پر اصرار کر کے آپ ہمیں جواب تو کر دیتے ہیں، مگر آپ کی معاشی برتری یا آپ کے ماننے والوں کی عددی قوت ہمیں مرعوب کرے تو ہم آپ کو لائق احترام ...نیں۔

حاصل : منکرین حق معاشی برتری اور عددی قوت کو مانتے ہیں۔ سمجھنے کے لئے حوالہ اگر اپنی پسند کا پیمانہ ہو، تو حق کی باتیں اکثر سمجھ میں نہیں آتیں۔ منکرین حق کو حق کے بیان کرنے والے صاحب استقامت سے عداوت شدید ہوتی ہے مگر اپنی مجبوریوں کا احساس بھی ہوتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

فرمایا: اے میری قوم کیا میرے کنبے کا دباؤ تم پر اللہ سے بڑھ کر ہے، اور اسے تم نے اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک جو تم کرتے ہو، میرا ربّ اس پر محیط ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرمایا کہ اے میری قوم! میرے کنبے کا تم دباؤ محسوس کرتے ہو، اور اپنے رویئے میں انتہا تک نہیں جاتے۔ میرے کنبے کی طاقت، قدرت اور تمہارے متعلق علم تمہیں مجبور کرتا ہے کہ تم اس کے دباؤ کو محسوس کرو، اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ اس سے بڑی قوت والا کوئی نہیں۔ خلوت و جلوت میں وہ تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اس وحدہٗ لاشریک کے حکم سے میں اپنا حق ادا کر رہا ہوں۔ تم نے مالک کل کو بھلا دیا ہے، اور پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے۔ یاد رکھو تم جو بھی کرتے ہو وہ سب میرے رب کے احاطۂ قدرت کے اندر ہے۔ تم کسی بھی صورت میں اس کی گرفت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

حاصل : اللہ کی قدرت لامحدود ہے، اس کا علم لامحدود ہے، اور اگر وہ گرفت کرے تو اس کی گرفت سے ناممکن ہوتا ہے۔ اس لئے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اللہ کا دباؤ سب سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔ مالک کل کے فرمان کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے۔ یہ یقین ہو کہ ہمارے اعمال پر اللہ کی قدرت کا احاطہ بہر حال ہے، تو ہمارے اعمال کو صالحین کے اعمال سے نسبت ہونی چاہئے۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

اور اے قوم تم اپنے مقام پر عمل کئے جاؤ، میں اپنا عمل کرتا ہوں۔ جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا، کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، اور کون کاذب ہے۔ اور دیکھتے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی کراہت کا اظہار کر دیا، اور آپ کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، تو آپ نے ان سے فرمایا، تم جس راستے پر جا رہے ہو، یہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ میں نے تمہیں تمہارے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب تم جو کر رہے ہو کرتے چلے جاؤ، میں اپنا حق ادا کرتا رہا ہوں، اور کرتا رہوں گا۔ میرا عمل تمہارے عمل سے بالکل الگ ہے۔ جلد ہی تمہیں علم ہو جائے گا، کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے، اور جھوٹا کون ہے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا تمہیں نفع نہیں دے گا، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہو گی۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

حاصل : منکرین پر یہ واضح کرنا ضروری ہوتا ہے کہ تمہارا عمل خلاف حق ہے، اور یہ کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے پر تمہیں ضرور پتہ لگ جائے گا، کہ کون حق پر ہے اور کون کاذب ہے، مگر اس وقت تمہارا ماننا بے معنی ہو گا۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کا انتظار واضح طور پر عذاب الٰہی کی پیش گوئی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور جب ہمارا امر آیا، ہم نے شعیب (علیہ السلام) اور آپ کی معیّت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ظالموں کو کڑک نے پکڑ لیا، تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

مقام عذاب کا تعین اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔ عذاب کے واقع ہونے سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ایمان والے ساتھیوں کو اس جگہ سے نکال لیا جاتا ہے، جہاں عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اور یہ نجات قطعاً اللہ کی رحمت سے ہی ممکن ہو سکتی ہے، کہ عذاب کی نوعیت، اس کی شدت کو وہی جانتا ہے۔ جس مقام پر عذاب آئے گا اس کی حدود کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ سلامتی اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کی رحمت جس کے شامل حال ہو۔ جن کو بچانا مقصود تھا، اس کے سلامتی کے مقام پر پہنچ جانے کے بعد ایک کڑک ایسی آئی، کہ ظالم سب ہلاک ہو گئے، اور صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حاصل : امر الٰہی علم مطلق سے ہوتا ہے۔ نجات شاہد کی بدولت ہوتی ہے، اس کی معیّت میں ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے۔ ظلم کی کس صورت کو کس طرح ختم کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ ہر تکبر کا انجام رسوائی ہے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ ارے پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی ثمود کو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مکذبین پر کڑک کی صورت میں عذاب آیا، اور وہ بجھ کر رہ گئے۔ بربادی ایسی تھی جیسے وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق کو پورا نہ سمجھا جائے، تو انسان اپنے برے اعمال کے لئے لاکھ جواز پیش کرے، وہ نور سے دور ہو رہا ہوتا ہے۔ جب یہ دوری باعث راحت نظر آنے لگے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھٹکار بن جاتی ہے، جس کے معنی دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا پاک رزق ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ جسے یہ ناکافی نظر آئے وہ پاک نہیں رہ سکتا۔ جو پاک اور ناپاک میں امتیاز نہ کرے اس پر دوری مسلّط ہو جاتی ہے، جس کے معنی دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (۵) میں ارشاد فرمایا ہے:

قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

فرما دیجئے: کہ خبیث اور طیّب مساوی نہیں، اگرچہ تجھے خبیث کی کثرت اچھی لگے۔ تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات اور روشن سند کے ساتھ بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ نے ان کے رسول اللہ ہونے کی نشانیاں بھی عطا فرمائیں۔ یہ نشانیاں آپ کے قول میں بھی تھیں، اور آپ کے اعمال میں بھی تھیں۔ آپ کا فرمان ہر حال میں حق تھا۔ جو آپ نے فرمایا، وہی درست ثابت ہوا۔ احکام الٰہی کی تعمیل میں ہر مقام پر پورے رہ کر اپنے ساتھیوں کو پورا رہنا سکھایا۔ انہیں یہ تعلیم دی، کہ اللہ تعالیٰ کی عطا، علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس عطا کے مقابل اپنی پسند کا ذکر کرنا بہترین کے دیکھنے کے بعد ادنیٰ چیز کو پسند کرنا ہے۔ یہ جہالت ہے، اور اس سے بچنا چاہئے۔ آپ نے اپنی قوم کو عملاً یہ دکھایا، کہ انسانی خواہشات کو وقعت دینے سے مشقت اور دکھ بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی رہنے سے، علم و حکمت عطا ہوتی ہیں، آسانیاں ملتی ہیں۔ افراد کے مابین بہتر تعلق کی وجہ سے بہتر معاشرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ تمام نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول اللہ ہونے کو واضح کرتی تھیں، مگر سلطانِ مبین وہ سند تھی، جو سحرِ عظیم کو کھا گئی، اور جسے دیکھ کر علم سحر کے منتہی لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رب پر ایمان لانے کا دعویٰ، فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے کیا۔ اس سند نے ان لوگوں کو وہ عرفان دیا کہ وہ فرعون اور اس کے درباریوں کے غیظ و غضب سے ڈگمگائے نہیں۔

حاصل : مخلصین کا قول و فعل حق کی نشانیوں کا درجہ رکھتا ہے۔ روشن سند، اللہ تعالیٰ کی وہ عطا ہوتی ہے، جس کو تسلیم کرنے پر مخالف مجبور ہو جائیں۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔ تو وہ لوگ فرعون کے کہنے پر چلے۔ اور فرعون کا حکم راستی کا نہیں تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس حقائق کے ساتھ بھیجا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے، اور وہ خود حق کو ادا کرتے ہوئے لوگوں کو حق کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اس طرح روشن ہوئی، کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ مگر فرعون کے درباری اور دوسرے لوگ فرعون کے کہنے پر ہی چلے۔ فرعون کی بات، تکبر اور بڑائی کی بات تھی۔ وہ جبر اور ہٹ دھرمی کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ جو حق بیان کرنے والے کو دشمن جانے اور اس سے دشمنی کرے، اس کی بات کبھی راستی کی نہیں ہوتی۔

حاصل : جسے حق کو پانا مطلوب ہو، وہی حق کو مانتا ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہو، وہ ہمیشہ جبر کرنے والے ہٹ دھرم کو ہی مانتا ہے۔ حق کی تبلیغ کرنے والے کو دشمن جاننا اور اس کے ساتھ دشمنی کرنا فرعونیت ہے، اور فرعونیت کبھی راستی پر نہیں ہو سکتی۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہو گا، تو انہیں آگ میں لا اتارے گا۔ اور وہ کیا ہی برا گھاٹ ہے اترنے کا۔

جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رشد و حقانیت کو دیکھنے کے باوجود، فرعون کا اتباع کیا، وہ قیامت کے دن بھی اسی کے ساتھ ہوں گے۔ حتیٰ کہ مقام جزا پر پہنچ جائیں گے۔ حق کا انکار انہیں وہاں پہنچا دے گا، جہاں آگ ان کے انتظار میں ہو گی۔ اس سے برا گھاٹ کوئی نہیں ہو سکتا، جہاں تکلیف انتہائی ہو اور محیط ہو اور بچ جانے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔

حاصل : جسے حال پر مقدّم رکھا جائے، مستقبل میں اس کے ساتھ سے بچ جانا ناممکن ہے۔ حق کا انکار کرتے کرتے منکر دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں۔ برا گھاٹ وہ ہے، جہاں تکلیف انتہائی ہو، اور بچ جانے کی راہ مسدود ہو۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اس جہان میں ان کے پیچھے لعنت لگی اور قیامت کے دن بھی۔ کیا ہی برا انعام ہے جو انہیں ملا۔

فرعون اور اس کی پیروی کرنے والے غرق کر دیئے گئے۔ وہ جبر و قہر جو یہ لوگ بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھتے تھے، ان کو ملعون بنا گیا۔ یہ لعنت دنیا میں بھی ان کے ساتھ رہے گی، اور قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ رہے گی۔ بڑا بننے کی طلب، اور بڑا کہلوانے کی طلب ان لوگوں کو یہاں تک لے آئی، کہ دنیا و آخرت میں لعنت ان کے لئے نشان امتیاز بن گئی۔ اس سے برا انعام کیا ہو گا، کہ جب بھی فرعون کا نام آئے تو وہ قابل نفرت اور قابل حقارت جانا جائے، اور فرعونیت ایسی اقدار میں شمار ہو، جو قطعاً منفی ہیں۔

حاصل : خلاف حق کرنا اور اسے اپنے لئے وجہ امتیاز بنا لینا، دنیا و آخرت میں لعنتی ہونے کی نشانی ہے۔ بدنامی کے ساتھ ملنے والی شہرت برا انعام ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ بستیوں کی خبریں ہیں، جو ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ان میں کوئی قائم ہے، اور کوئی

مٹ چکی ہے۔

مذکورہ قصص جن بستیوں سے متعلق ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں، جو قائم ہیں، اور وہاں اقتدار کے حامل بدل گئے ہیں۔ جیسے مصر میں فرعون کی حکومت کے بعد بنی اسرائیل کو وارث بنایا گیا۔ وہاں حکومتیں بدلتی رہیں، مگر وہ بستی اب بھی قائم ہے۔ مٹ جانے والی بستیوں کی مثالیں بہت سی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آثار بالکل ناپید ہو گئے ہیں۔ دوسری بہت سی اقوام کے نشان بھی مٹ گئے ہیں۔ اللہ کی قدرت ملاحظہ ہو، کہ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ ماضی میں وہی ہوا ہے، تو حال پر اس کی قدرت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اللہ کی قدرت کے احاطے کو مان لیا جائے، تو پھر حدود اللہ کا احترام ضرور ہونا چاہئے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے ماضی کی کوئی قوت ٹھہر نہیں سکی۔ ماضی سے سبق لینے والوں کا حال اچھا ہونا چاہئے۔ اللہ کو ماننے کا دعویٰ صالحین کے ساتھ سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ تو ان کے معبود جن کو وہ اللہ کے مقابل پکارتے تھے، تمہارے رب کے امر کے آنے پر ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اور ان سے ان کی بربادی ہی بڑھی۔

جن لوگوں نے خلاف حق کیا، وہ اپنے کئے کی بدولت گرفتار عذاب ہوئے۔ خود انہوں نے خلاف حق کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کئے کو ضرور ان پر ڈالا، ان پر کچھ زیادتی نہیں کی۔ خلاف حق کرتے وقت، منکرین حق کو ہمیشہ کچھ زعم ہوتا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ جن کو انہوں نے معبود مانا ہے، وہ انہیں عذاب سے چھڑا سکیں گے۔ مگر کبھی ایسا ہوا نہیں کہ عذاب الٰہی کے آ جانے پر کسی کے گھڑے ہوئے معبود نے اسے عذاب سے بچایا ہو۔ ایسے معبود انسان کی اپنی خواہشات سے وجود پاتے ہیں۔ انسان ان پر بھروسہ کر کے اپنا سب کچھ ان کی بندگی پر لگا دیتا ہے۔ اس سے اس کی بربادی ہی ہو سکتی ہے۔ بربادی بڑھتی اس طرح ہے، کہ عذاب الٰہی کے آ جانے پر ایسے معبودوں سے الگ ہونے کی شدید طلب ہوتی ہے، مگر ایسا کیا نہیں جا سکتا۔

حاصل : انسان کا کیا اس پر پڑتا ہے۔ یہ خود اس کا اپنے اوپر کیا ہوا ظلم ہوتا ہے۔ انسانی خواہشات سے بنا ہوا معبود عذاب الٰہی کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ عذاب میں مبتلا ہونے والے کو ایسے معبود سے بربادی کے بڑھنے کا احساس ضرور ہوتا ہے، کہ وہ اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، مگر ہو نہیں سکتا۔

وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۰۲﴾

اور ایسی ہی پکڑ ہے تمہارے رب کی، جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ شدید المناک ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے۔ ہر ایک کی پرورش اپنے مطلق علم سے کرتا ہے۔ فرد ہو یا جماعت سب اس کے احاطہ قدرت کے اندر ہیں۔ جب بھی بستیوں پر عذاب آیا ہے، تو وہاں کے رہنے والے خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنا چکے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو روشن کیا جاتا ہے۔ عملاً انہی حالات میں، اسی ماحول میں حق کو احسن طریق سے ادا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ مگر جب حق مطلوب ہی نہ ہو، تو اسے مانا نہیں جاتا، بلکہ تبلیغ حق کرنے والے سے عداوت کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا مقام آتا ہے۔ اس کی پکڑ اتنی شدید ہوتی ہے، کہ پکڑے جانے والے کو اس کا تصور بھی نہیں ہوتا، اور اتنی المناک ہوتی ہے، کہ اس کی قوت مدافعت بجھتی چلی جاتی ہے۔

حاصل : پالنے والے علیم مطلق کی طرف سے جب پکڑ کا مقام آتا ہے، تو ہمیشہ بستیوں کے رہنے والے ظلم کو اپنا معمول بنا چکے ہوتے ہیں۔ اللہ کی پکڑ شدید بھی ہوتی ہے، المناک بھی ہوتی ہے۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴿۱۰۳﴾

اس میں اس کے لئے نشانی ہے، جسے عذاب آخرت کا خوف ہو۔ وہ دن ہے، جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے، اور وہ دن پیش ہونے کا دن ہے۔

جس کا مشاہدہ اسے بتائے، کہ انسان اپنے کئے کی جزا ہی پاتا ہے، وہ یوم جزا کو دل سے مانتا ہے۔ جو جزا کے دن کا یقین رکھتا ہے، وہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا بھی ہے۔ جزا کا یقین ہی بندے کو خواہشات نفس کی پیروی سے بچا سکتا ہے۔ جزا کے دن کو یوم موعود بھی فرمایا گیا ہے، کہ اس دن کا وعدہ دیا گیا ہے۔ یوم مشہود بھی فرمایا گیا ہے، کہ اس دن ہر ایک کے اندر سے بھی شہادتیں ہوں گی، اشہاد بھی کھڑے کئے جائیں گے جو شہادتیں دیں گے۔ ذات کے اندر کی شہادتیں، اعضا کی شہادتیں ہوں گی، جن کو جھٹلانا ناممکن ہو گا۔ اجتماعی رویئے پر شاہد گواہی دیں گے، جن کو اللہ کے ہاں بولنے کا اذن ہو گا۔ ایک ہی دن میں تمام فیصلے اس طرح سے ہو جائیں گے، کہ شک و شبہے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔

حاصل : انسان اپنے اعمال کی جزا پاتا ہے، تو فرمان خداوندی کے مطابق آخرت پر یقین بھی لازم ہے۔ جسے عذاب آخرت کا ڈر ہو اس کے اعمال کو رضائے الٰہی کے مطابق ہو جانا چاہئے۔ بہترین فیصلے وہی ہیں، جن میں قریب کی شہادتیں بھی ہوں، اور پاک لوگ بھی ان میں شہادتیں دیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم اسے مؤخر نہیں کرتے مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لئے۔

ساعت قیامت کو لانے والا علیم مطلق اللہ تعالیٰ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بقائے دنیا کے لئے اس نے جو وقت رکھا ہے، وہ معدود بھی ہے، محدود بھی ہے۔ یہ گنا ہوا وقت، اللہ نے واضح نہیں کیا، کہ اس سے لوگوں کو من مانی کرنے کی رغبت نہ ملے۔ حیات دنیا کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو جزا کا دن آ جائے گا۔ اس دن کسی کا حق کو ماننا اسے نفع نہیں دے گا، کہ اس دن کی توبہ کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش کرنا ناممکن ہو گا۔

حاصل : خالق کائنات نے اس کائنات کی حیات مقرر کی ہے۔ اس حیات دنیا کے خاتمے تک عمل کے لئے مہلت ہے۔ جو جہاں پیدا کیا گیا ہے، اسے وہاں حق کو ماننے کے لئے جو کچھ درکار ہو سکتا ہے سب کچھ میسّر ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے قیامت کے دن وہ جواب دہ ہو گا۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

جب وہ دن آئے گا، کوئی اس کے اذن کے بغیر بات نہیں کرے گا۔ تو ان میں کوئی بدبخت ہے کوئی نیک بخت ہے۔

قیامت کے دن کسی کی مجال نہیں ہو گی، کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کلام کر سکے۔ جس کو اذن ہو گا، وہی بولے گا، اور جس قدر اذن ہو گا، اسی قدر بولے گا۔ جس کا بولنا حیات دنیا میں حق کے مطابق ہو گا، اسے خوشی ہو گی، کہ اسے مخلصین کی معیت نصیب تھی، اب بھی وہ مخلصین کے ساتھ رہے گا۔ جو خلاف حق کرتا ہوا، من مانی کرتا ہوا اس دنیا سے گیا ہو گا، اس کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔ اسے تبلیغ حق کرنے والوں کی صداقت کا اعتراف تو ہو گا، مگر وہ اعتراف نافع نہیں ہو گا۔ شقی وہ ہے جو فلاح سے دور رہے، سعید وہ ہے جو فلاح پائے۔ نیک بختی یا بد بختی انسان کے اعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو استعمال کرنے میں وہ جو رخ اختیار کرے وہی اس کا بخت ہوتا ہے۔ رخ اختیار کرنے کی آزادی انسان کو دی گئی ہے، اسی سے جزا بھی دی جائے گی۔ خسارے میں پڑے تو اس کی بد بختی اس کے کئے کی بدولت ہو گی۔ فلاح پائے تو اس کی نیک بختی اس کے کئے کی بدولت ہو گی۔

حاصل : ہماری زبان کو حق کے مطابق بولنا اور خاموش رہنا آ جائے تو یہ سعادت ہے اور نیک بختی ہے۔ بدبخت کا بولنا خلاف حق ہوتا ہے۔ قیامت کے دن کسی کا اذن الٰہی کے بغیر بولنا ممکن نہیں ہو گا۔ ہمیں اپنی زبان کے حوالے سے اپنی نیک بختی یا بد بختی کو دیکھتے رہنا چاہیے، اور اصلاح کی طرف آنا چاہیے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

تو وہ جو بدبخت ہیں، دوزخ میں ہیں۔ ان کو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے۔

بدبختی انسان کی اپنی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے۔ بدبخت دوزخ میں چیخیں ماریں گے، دھاڑیں ماریں گے۔ آگ سے نکلنا چاہیں گے، مگر نکل نہیں پائیں گے۔ عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی، مہلت بھی نہیں ملے گی۔ بدبخت کا دل سخت ہوتا ہے، وہ حق کے انکار پر اڑا رہتا ہے۔ اگر کبھی روئے تو خواہشات کے پورا نہ ہونے پر روتا ہے۔ اپنی پوری قوت کو اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگاتا رہتا ہے۔ وسعت مال کو مقصد حیات جانتے ہوئے، بھاگ دوڑ میں اپنی حیات تمام کر لیتا ہے اور حالت کفر میں اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

حاصل : بدبختی کے انجام کو جاننے کا فائدہ اسی کو ہو گا، جو بدبختی سے بچنے کی کوشش کرے۔ چیخنا اور دھاڑنا دنیا میں دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے ہوتا ہے، دوزخ میں وہ دکھ کے اظہار کے لئے ہو گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین رہے، مگر جو تمہارا ربّ چاہے۔ بے شک تمہارا ربّ جو چاہے کرتا ہے۔

بدبخت ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آسمان تو قیامت کے دن پھٹ جائے گا، زمین کی موجودہ صورت بھی بدل جائے گی، اس کے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے، جزا کے لئے جس نئے بندوبست کا اہتمام ہو گا، اس کی حد تک جزا ہو گی۔ ہاں اللہ اگر کسی کی سزا کو معاف کرنا چاہے، یا معاف نہ کرنا چاہے، تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ مالک کل جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی جاننے والا ہے ہی نہیں، اس لئے جو وہ کرے، اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کا کیا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، علم و حکمت کے اعتبار سے انتہائی سند کا درجہ رکھتا ہے۔

حاصل : جو دائمی ناپاکی کے ساتھ زندگی گزارے گا، وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو گا۔ جس کا انجام بخیر نہ ہو وہ دائمی عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ جزا کے لئے اللہ تعالیٰ کا بندوبست اس کے علم سے ہو گا، اس لئے پورا ہو گا۔ کسی کو معاف کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی شان سے تعلق رکھتا ہے، کوئی اللہ سے پوچھ نہیں سکتا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین رہیں، مگر جو تمہارا ربّ چاہے۔ یہ عطا بے انتہا ہے۔

نیک بخت لوگ دنیا میں ہدایت پانے کی وجہ سے خوف و حزن سے بچ جاتے ہیں۔ جزا کے دن انہیں جس راحت سے نوازا جائے گا، اسے جنت کہتے ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ جزا کے لئے جو بندوبست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جائے گا، اسے عمل

کے لئے دی گئی مہلت سے نسبت ہو گی۔ بدبختوں کو اللہ معاف کرنا چاہے تو معاف کر دے گا، مگر نیک بختوں پر جو عطا ہو گی وہ
بے انتہا ہو گی۔ جو لوگ تعمیل ارشاد الہٰی میں اپنی پسند سے کوئی حد نہیں بناتے، ان پر اللہ تعالیٰ کی عطا کی بھی کوئی حد نہیں
ہوتی۔

حاصل : نیک بخت ہونے کے لئے سعی کرنا چاہئے۔ جزا کے لئے کئے گئے اہتمام کو عمل کے لئے دی گئی
مہلت سے نسبت ہو گی۔ نیک بختوں پر اللہ تعالیٰ کی عطا بے انتہا ہوتی ہے، اور ہو گی۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴿١٠٩﴾

تو تجھے ان کے معبودوں سے دھوکہ نہ ہو۔ یہ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسے ہی جیسے اس سے قبل ان کے آباء پوجتے تھے۔ اور ہم انہیں ان کا حصہ پورا دیں گے، جس میں نقص نہیں ہو گا۔

بت پرستی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ کچھ ماضی میں تھیں، کچھ حال پر ہیں۔ منکرین حق کی اجتماعی زندگی میں کئی مقام ایسے
ہوتے ہیں، کہ انہیں دیکھ کر قیاس کرنے والے کو دھوکہ ہو سکتا ہے، کہ ایسے جدید علوم رکھنے والے لوگ اگر بت پرستی کرتے
ہیں، اور ان کے ہاں افراد کے مابین روابط بھی ان کی ایک معاشرتی سطح کو قائم رکھتے ہیں، اور یہ لوگ زوال پذیر بھی نظر نہیں آتے، تو
کہیں جدیدیت پرستی بھی سائنسی انداز میں معرفت الہٰی کا ذریعہ نہ بن سکتی ہو۔ جس ذات پاک نے کبھی خواہش کے تحت بات ہی
نہ کی ہو، اس کا قیاس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ فرد جو اپنے مشاہدات و تاثرات سے کچھ نتائج اخذ کر کے معلوم سے نامعلوم کی
طرف چلتا ہے، اسے مدد دی گئی ہے کہ وہ صحیح نتیجے پر پہنچ سکے۔ فرمایا گیا ہے کہ حال پر بت پرستی کرنے والے بھی اس طرح کر
رہے ہیں، جیسے اس سے قبل ان کے بڑے کرتے رہے ہیں۔ پرستش میں یہی بات ان کے پیش نظر رہتی ہے، کہ جو طریق عبادت
ہماری شناخت بن چکا ہے، وہ ٹھیک ہے، اور اس کو بدلنے کی کوشش ہماری ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنے گی۔ جزا کا انکار ہمیشہ منکرین
حق کو تھا، اور ہمیشہ رہے گا، مگر ان کو ان کے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی، اس میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔

حاصل : قیاس کرنے والے کو کثرت کے رویئے سے دھوکہ ہو سکتا ہے۔ جو حق کے خلاف ہے وہ
یقیناً گمراہی ہے۔ گمراہ ہمیشہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جزا دی
جائے گی، وہ انتہائی علم سے ہو گی، اس لئے پوری پوری ہو گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مَنَعَ ٱلنَّاسَ أَن يُؤْمِنُوٓا۟ إِذْ جَآءَهُمُ ٱلْهُدَىٰٓ إِلَّآ أَن قَالُوٓا۟ أَبَعَثَ ٱللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٤﴾

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی، مگر اسی نے کہ کہنے لگے، کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی، تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تمہارے ربّ کا فرمایا ہوا ایک کلمہ پہلے نہ ہوتا، تو ان کے مابین فیصلہ فرما دیا جاتا۔ اور وہ اس سے دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی۔ کتاب کے عطا ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے مظالم سے نجات مل چکی تھی۔ اب بنی اسرائیل کی حیثیت ایک آزاد قوم کی تھی۔ فرمانِ خداوندی پر عمل کرنے کے لئے انہیں بڑی توفیق دی گئی۔ مگر کچھ لوگوں نے حق کو مانا، کچھ نے اس کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں ماننے والوں سے اختلاف کیا۔ ایک طریقہ وہ تھا جس میں اللہ کی رضا مقصود تھی، موجود تھی۔ دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں تھا۔ فیصلہ تو کسی وقت کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نہ کبھی محدود تھی نہ ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے فرمان کو دیکھتا ہے۔ حیات دنیا میں اس نے لوگوں کو توفیق دے کر یہ اختیار دیا ہے، کہ وہ حق کو مانیں یا اس کا انکار کریں، حیات آخرت میں وہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں حق کو ماننے کے لئے سارے لوازمات کا اہتمام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جزا کے دن ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ منکرین جزا کے بارے میں دھوکہ ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں جزا کا یقین ہو، تو پھر ان کے قول میں بھی احتیاط ہونی چاہئے، عمل میں بھی احتیاط ہونی چاہئے۔

حاصل : کتاب الٰہی، بہت ہی بڑا انعام ہے۔ اس میں اختلاف کرنا انتہائی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت ضرور کی جاتی ہے۔ جزا کا انکار ہی لوگوں کو دھوکہ ڈالنے والے شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾

اور جتنے لوگ ہیں، تمہارا ربّ ان کو ان کے اعمال پورے دے گا۔ بے شک اسے خبر ہے، جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا ہے۔ سب کو توفیقِ عمل دی ہے۔ سب کو جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا دے گا۔ کوئی چھوٹا عمل ہو یا بڑا ہر ایک کی اللہ کو خبر ہوتی ہے۔ چھوٹا عمل وہ ہوتا ہے جس کا کرنا نفس کو

آسان معلوم ہو۔ بڑا وہ ہوتا ہے، جس کا کرنا نفس پر بھاری ہو۔ اللہ تعالیٰ اتنی خبر رکھتا ہے، کہ کسی مقام پر کسی حالت میں کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ جسے یہ یقین ہو کہ میرے عمل کے پیچھے نیت کو جزا دینے والا خوب جانتا ہے، اس کے عمل میں پاکیزگی موجود رہے گی۔ عمل میں یہی پاکیزگی اسے حسن بخشتی ہے۔ اسی کے نہ ہونے سے عمل برا ہو جاتا ہے۔

حاصل : ہمارے ہر عمل میں نیک نیّتی موجود ہونی چاہئے۔ جزا دینے والا سب سے بڑا خبردار ہے۔ مقصد اللہ کی رضا ہو، حصول مقصد کے لئے جو سعی کی جائے وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو، اور پھر نتائج کو باذن اللہ مان کر اپنا توازن ٹھیک رکھا جائے، تو سب مقامات پر سلامتی قائم رہتی ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

تو سیدھے رہو جیسے تمہیں امر ہے، اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے، اور سرکشی نہ کرو، بےشک وہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

یہ کہنے کے بعد کہ اللہ ہمارا رب ہے، ہمارے عمل سے اس کی شہادت ملنی چاہئے، کہ ہمارا مقصد رضائے الٰہی ہے، ہماری سعی صحیح رخ پر ہے، ہم اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کر رہے، اور نتائج کو باذن اللہ مانتے ہیں۔ سرکشی یہ ہے، کہ مقصد رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہو، یا حصول مقصد کے لئے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا جائے، یا نتائج کو باذن اللہ ماننے کی بجائے لوگوں کی طرف سے مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، ہمارے عمل کو بھی دیکھ رہا ہے، اور جزا دینے والا تو ہے ہی وہی۔

حاصل : سیدھے رہنا، خلوت و جلوت میں پاک رہنا ہے، اور سرکشی خلوت و جلوت میں کسی ایک مقام پر یا دنوں مقامات پر پاک نہ رہنا ہے۔ جزا دینے والے سے نہ کسی کی نیّت چھپی ہوتی ہے، نہ کسی کا عمل چھپا ہوا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں، کہ تمہیں آگ لگے گی، اور اللہ کے مقابل کوئی تمہارا حمایتی نہیں، پھر تم مدد نہ پاؤ گے۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والے ظالم ہیں۔ ان کی طرف جھکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ظالموں کے کسی قول کو ٹھیک سمجھ کر یا ان کے کسی عمل کو ٹھیک سمجھ کر اس کا ذکر کیا جائے، تو یہ ان کے ساتھ ایک درجے کی مصاحبت ہو گی۔ اس جھکاؤ سے کبھی حقائق روشن نہیں ہو سکتے۔ ان سے حال پر اگر تعلق ہو گا، تو مستقبل میں اس تعلق کا انکار نہیں ہو سکے گا، اور ان سے تعلق کے معنی آگ میں پڑنے کے ہیں۔ اس دکھ کو برداشت کرنے کے لئے کوئی سہارا نہیں ملے گا، کوئی حمایتی نہیں ہو گا، کوئی مدد گا

نہیں ہو گا۔ حمایت قول کے درجے میں ہوتی ہے، نصرت عمل کے درجے میں ہوتی ہے۔

حاصل : خلاف حق کرنے والوں کی طرف جھکاؤ ایسا دکھ خریدنے والی بات ہے، جس سے نجات ممکن نہ ہو گی۔ نہ کوئی حمایت کرنے والا ہو گا، نہ کوئی مددگار ہو گا۔ حق پر رہنے والوں کی حمایت و نصرت اللہ کے قریب ہونے کی صورت ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور دن کے دونوں طرف نماز قائم کرو، اور رات کے کچھ حصوں میں بھی۔ بےشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ذکر کرنے والوں کے لئے۔

طلوع آفتاب سے نصف النہار تک ایک حصہ ہے، اور نصف النہار سے غروب آفتاب تک دوسرا حصہ ہے۔ ایک طرف کی نماز، نماز فجر ہے، اور طلوع آفتاب کے بعد نماز اشراق ہے۔ دوسری نماز ظہر ہے اور نماز عصر ہے۔ رات کے ابتدائی حصے میں نماز مغرب ہے، اور کچھ رات گئے نماز عشاء ہے۔ رات کے دوسرے حصے میں نماز تہجد ہے۔ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ نماز قائم کی جائے، تو برائیوں سے بچاؤ یقیناً ہوتا ہے۔ نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیت کی جائے اور اس کے لئے وضو کر لیا جائے، تو نماز کی حفاظت کا حق ادا ہوتا ہے۔ نماز سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے یہ پاکیزگی جب دائمی ہو جائے، تو برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے، تو راحت بڑھتی ہے، برکت بڑھتی ہے۔ جس کو یہ مطلوب ہے وہ اس نصیحت کو ضرور مانے گا۔

حاصل : دن کے دونوں طرف کی نمازیں، پہلے نصف حصے میں نماز فجر اور طلوع آفتاب کے بعد نماز اشراق ہیں۔ دوسرے نصف حصے میں نماز ظہر اور نماز عصر ہیں۔ رات کے پہلے حصے میں مغرب اور عشاء ہیں۔ دوسرے حصے میں نماز تہجد ہے۔ نماز قائم کرنے سے برائیاں مٹتی ہیں۔ اس نصیحت سے فائدہ وہی اٹھائے گا، جسے نصیحت کرنے والے کی قدر ہو گی۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کرو کہ بےشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

نماز قائم کرنے سے نیکیوں میں اضافہ ہو گا، برائیوں کی نفی ہو گی، تو ماحول میں اس تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کیا جائے گا۔ بھلائی کرنے والے کی استقامت کو دیکھ کر معاشرہ اس پر اپنا دباؤ بڑھائے گا، اور یہ کوشش کرے گا کہ بھلائی کرنے والا رسم و

رواج کی حدود کو توڑ کر حق کو ماننے کا طریقہ چھوڑ دے۔ اس دباؤ کی شکلیں وقت کے ساتھ بدلتی رہیں گی۔ کبھی دھمکیاں دی جائیں گی، ایذا دی جائے گی، کبھی معاشی طور پر دکھ پہنچانے کی کوشش ہو گی۔ ان تمام مقامات پر صبر سے ہی دکھ کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ صبر یہ ہے، کہ مصائب کو باذن اللہ مان کر اللہ تعالیٰ کی معیت اختیار کی جائے، اور اپنا حق بطریق احسن ادا کیا جاتا رہے۔ برائی کے جواب میں بھلائی کی جائے، اور اجر لوگوں سے طلب نہ کیا جائے، تو ایسے محسنینؔ کی بڑی شان ہے۔ اللہ ان کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

حاصل : برائی کا جواب بھلائی سے دینا، اور رضاء الٰہی کو مقصود جانتے ہوئے استقامت سے اپنا حق بطریق احسن ادا کرتے رہنا صبر ہے۔ صبر کرنے والا محسن ہوتا ہے۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ جو بظاہر صبر کرتا ہوا نظر آئے مگر اللہ کی رضا اسے مطلوب نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے۔ مجبوری دور ہوتے ہی وہ خلاف حق کرنے لگتا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

تو کیوں نہ ہوئے اُن قرون میں جو تم سے قبل تھیں ایسے لوگ کہ ان میں بھلائی باقی ہوتی، کہ زمین میں فساد سے روکتے، مگر قلیل کہ جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا، اور ظالم اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا، اور وہ مجرم تھے۔

جو قرون اس سے قبل گزر چکے ہیں، ان کی حالت یہی تھی، کہ انہوں نے عطاء الٰہی کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اسے اپنی خواہشات و شہوات پر ہی لگاتے رہے، اور کفر و معاصی کی روش اختیار کی۔ چند ہی لوگ تھے، جو شاہدین کی معیت میں رہے اور ان کے احکام کو مانتے رہے، لوگوں کو زمین میں اصلاح کی ترغیب دیتے رہے اور فساد سے روکتے رہے۔ ان کو اللہ نے نجات دی اور یہ لوگ عذاب سے بچا لئے گئے۔ عیش و عشرت میں پڑے ہوئے لوگ عذاب الٰہی میں پکڑ لئے گئے، پھر ان کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ بااثر لوگ جب بھلائی کا امر نہ کریں اور برائی سے منع نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق فساد فی الارض کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس توفیق کو ختم کر دیتا ہے۔ مجرم عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر ان کے بچ جانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

حاصل : ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ جس معاشرے میں بھلائی کا امر کرنا اور برائی سے منع کرنا بااثر لوگوں کا طریق زندگی نہ ہو، وہاں جرائم بڑھ رہے ہوتے ہیں، عیش و عشرت میں عطاء الٰہی کو ضائع کیا جا رہا ہوتا ہے۔ ایک وقت کے بعد ایسے لوگ عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ نجات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو پاک رہے ہوں اور اصلاح کے لئے کوشاں رہے ہوں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا رب ایسا نہیں، کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کر دے، اور ان کے اہل اصلاح کرنے والے ہوں۔

جب لوگ ظلم و طغیان اور اثم و عدوان کے مرتکب ہوتے ہیں، تو وہ ان حدود کو توڑ رہے ہوتے ہیں، جو ان کی سلامتی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد انہیں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب وہ بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ لوگ زمین میں فساد کریں، خیر کی طرف بلانے والے، بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے معاشرے پر کوئی اثر نہ رکھتے ہوں، اور زمین میں اصلاح کرنے کا عمل ناپید ہو جائے، تو پھر ایسی بستی کو عذاب الٰہی کے ساتھ ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا، کہ لوگ تو اصلاح کرنے والے ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہلاک کر دیا جائے۔ بربادی لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔

حاصل : ظلم کو کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اصلاح ہمیشہ بستیوں کی آبادی کی جان ہوتی ہے۔ اصلاح کو دوام بخشنے کا عمل بستیوں کو زندہ رکھتا ہے۔ اصلاح ہمیشہ رضاء الٰہی کو مقصود بنانے سے ہوتی ہے۔ فساد ہمیشہ انسانی خواہشات کی پیروی میں عطاء الٰہی کو ضائع کرنے سے ہوتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا رب چاہتا، تو لوگوں کو امت واحدہ ٹھہرا دیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔

اگر لوگوں کو خواہشات کی پیروی کی توفیق نہ دی جاتی، تو لوگ ایک امت ہوتے۔ مگر اس صورت میں درجات اور بلندی کا تعین بھی نہ ہو سکتا۔ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے مابین امتیاز بھی نہ ہو سکتا۔ اللہ کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس نے انسان کو یہ آزادی دی ہے، کہ وہ حق کو مانے یا اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ انجام دونوں صورتوں میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ جو اپنے قول و فعل کو حق کے حوالے سے دیکھے گا، وہ پاک ہو گا؛ جو اپنی پسند کے حوالے سے دیکھے گا، وہ ناپاک ہو گا۔ پاک اور ناپاک کا اختلاف ہمیشہ رہے گا۔

حاصل : جبر سے کسی کو راہ راست پر لانا، اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔ جو اپنے قول و فعل کو حق کے حوالے سے دیکھے گا وہ پاک رہے گا، جو اپنی پسند کے حوالے سے دیکھے گا وہ ناپاک رہے گا۔ حوالہ ایک ہو جائے تو اختلاف کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ

مگر جن پر تمہارے رب نے رحم فرمایا، اور

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

انہیں اسی لئے بنایا ہے۔ اور تمہارے رب کی بات پوری ہوئی، کہ ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا، اکٹھے۔

اختلاف سے بچ جانا، اللہ کے رحم فرمانے سے ممکن ہوتا ہے۔ اللہ رحم اس پر فرماتا ہے، جو رحم کا طالب ہو، اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو عقل کے ساتھ استعمال کرے۔ اور اس پر رحم نہیں فرماتا، جو گمراہ ہو جائے۔ اللہ نے لوگوں کو شعور کے ساتھ اپنا راستہ اختیار کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے، کہ جو شیطان کا اتباع کرے گا جن ہو یا انس، اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم کا منشاء تخلیق بھی منکرین حق کو جلانا ہی ہے۔

۱۳۴

حاصل : جو اپنی خواہش کی پیروی سے بچے اور فیصلہ ہر مقام پر حق کے حوالے سے کرے، وہ اختلاف سے بچ جاتا ہے۔ اس پر اللہ کا رحم ہوتا ہے۔ مسلم و مجرم اللہ کے ہاں مساوی نہیں ہیں۔ مسلم کے لئے جنت اور مجرم کے لئے جہنم بنایا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور ہم آپ پر رسل کی سب خبریں بیان کرتے ہیں، جس سے آپ کے دل کو تسلّی ہو۔ اور اس میں آپ کے پاس حق آیا اور وعظ و نصیحت مومنین کے لئے۔

رسل کے احوال بیان کرنے کا منشاء بیان فرمایا گیا ہے، کہ اس سے حال پر دل کو تسلی ہوتی ہے۔ ماضی کے واقعات میں سبق موجود ہوتا ہے۔ ہر واقعہ جن نتائج کو روشن کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہوتے ہیں۔ لوگوں کو توفیق دی گئی، انہوں نے عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق استعمال کیا، توانہیں خوف و حزن سے نجات حاصل ہوئی، ورنہ وہ مشقت میں پڑے۔ مشیت الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک کی صورت میں جو انعامات عطا فرمائے گئے ان کا کوئی جواب نہیں۔ ان کو سند جان کر اپنے رخ کو درست رکھنا وعظ سے فائدہ ا نے والی بات ہے، اور حق کے مقابل اپنی پسند کی نفی کرتے رہنا نصیحت کو ماننے والی بات ہے۔

حاصل : ماضی سے سبق نہ لینا ناشکری ہے۔ رضاء الٰہی کے حصول کے لئے اپنے رخ کے درست ہونے کا یقین ہو تو دل کو تسلّی ہوتی ہے۔ حقائق کو مستند ماننا وعظ کو سننا ہے، اور ان کے مقابل اپنی پسند کی نفی کرتے رہنا نصیحت کو ماننا ہے۔ مومنین یہ کام ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى

اور ایمان نہ لانے والوں سے فرما دیجئے: تم

مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾

اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

ایمان نہ لانے والوں سے الگ ہو جانے کے لمحات سے پہلے یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ تم لوگ مانتے نہیں ہو۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت قریب الاختتام ہے۔ تم اپنے مقام پر جو کچھ کر رہے ہو، اسے جاری رکھو۔ تمہارے اعمال جزا کے انکار پر مبنی ہیں۔ ہم وہ کرتے ہیں، جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا گیا ہے، اور ویسے کرتے ہیں جیسے شاہدین نے کر کے دکھایا ہے۔

حاصل : جزا کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو وہ عنداللہ ماجور ہو گا۔ جزا کے انکار کے ساتھ عمل کیا جائے، تو وہ بظاہر جیسا بھی ہو، بے حقیقت ہو گا۔ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد کافروں سے اپنے عدم تعلق کا اعلان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔

کافر مقصد حیات کو نہیں مانتے، جزا کو نہیں مانتے، اس لئے جو ان کا جی چاہے کرتے رہتے ہیں۔ تبلیغ حق کرنے والے، نصیحت کرنے والے ان سے یہ کہتے ہیں، کہ جو کچھ تم پر واضح کیا جانا چاہئے تھا، وہ واضح کیا جا چکا ہے۔ تم نے حق کے انکار کو طریق زندگی بنا لیا ہے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے کبھی برابر نہیں ہوتے۔ اب صرف یہی باقی ہے، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو، اور تم اپنے کئے کا انجام پاؤ ہم اپنے کئے کا انجام پائیں۔

حاصل : منکرین حق، عذاب الٰہی سے کم جب کسی سند کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں، تو ان سے یہی کہنا چاہئے، انتظار کرو، تمہارا انجام عبرت ناک ہو گا، اور ماننے والے رحمت خداوندی سے نوازے جائیں گے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾

اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کے پاس ہے، اور سب کاموں کا رجوع اسی کی طرف ہے۔ تو اس کی بندگی کرو، اور اس پر توکّل رکھو۔ اور تمہارا ربّ اس سے غافل نہیں ہے، جو عمل تم کرتے ہو۔

ہر ظاہر کے ساتھ غیب بھی ہوتا ہے، اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ سب اللہ کا ہے۔ اس لئے ہر شے کی حقیقت

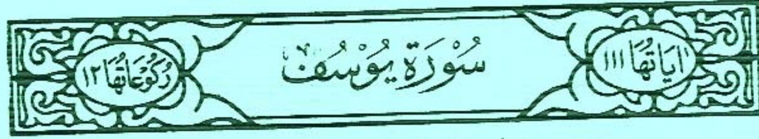
کا علم اللہ کو ہے۔ وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ جتنا چاہے عطا فرمائے۔ راستہ کوئی بھی ہو، ختم توفیق دینے والے کے پاس جا کر ہو گا۔ اس طرح جہاں بھی رخ خلاف حق ہو گا، وہاں غیر طبعی صورت ہو گی، اور ہر غیر طبعی صورت کے ساتھ اس کے متعلقہ مسائل بھی ہوتے ہیں۔ ماننے والے پر لازم ہے، کہ وہ اللہ کی بندگی کرتا رہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی اسے مطلوب نہ ہو، اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر نہ رکھتا ہو، اور یہ یقین بھی ہر حال میں ہو، کہ حق کی ادائیگی کے لئے جو در کار ہے وہ موجود ہے، اور مستقبل میں جو در کار ہو گا وہ عطا ہوتا رہے گا۔ ہم جو بھی کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے اس یقین کے ساتھ حق کی ادائیگی میں لگے رہنا چاہئے، کہ ہم جو کر رہے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں، اور ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے، باذن اللہ ہو رہا ہے۔

حاصل : اللہ ہر شے کا مالک ہے۔ جو وہ چاہے اس کو روک دینا کسی کے بس میں نہیں۔ اللہ کی رضا کا رخ ہو، تو طبعی طور پر جو ہونا چاہئے وہ ہو رہا ہو گا۔ اللہ کی بندگی بھی ہو، اور توکل بھی ہو، تو ماننے والا شاہدین کے ساتھ ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ وَلَآ أُشْرِكَ بِهِۦٓ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُوا۟ وَإِلَيْهِ مَـَٔابِ ﴿٣٦﴾

فرما دیجئے، مجھے تو یہی امر ہے، کہ اللہ کی بندگی کروں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾

الٓرٰ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں

حروف مقطعات سے ابتدا فرمائی گئی ہے، جن کے معنوں کا تعین کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہو گا۔ منشا یہ ہے، کہ بولنے کے مقام پر بولنا اور خاموش رہنے کے مقام پر خاموش رہنا حق ہے۔ کتاب مبین کی یہ شان ہے، کہ اس میں علیم مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہدایت موجود ہے۔ انسانی زندگی میں انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر خوف و حزن کی جتنی صورتیں بنتی ہیں، ان تمام کا حل کتاب مبین ہی میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی آیات کو ماننے والا ہمیشہ سکھ میں رہتا ہے۔

حاصل : کتاب مبین کی آیات سے نور ہدایت لینے والے کو جو راحت حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی بیان میں اس کی آیت کو انتہائی سند ماننا لازم ہے، جس کے بعد یہی کہا جائے، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾

ہم نے اسے قرآن عربی نازل فرمایا، تاکہ تم تعقّل کرو۔

قرآن پاک، قیامت تک آنے والے سب لوگوں کے لئے ہے۔ جس زبان میں اس کتاب کو نازل فرمایا گیا ہے، وہ عربی ہے۔ فصاحت، بلاغت، وسعت اور انضباط کسی زبان کو بین الاقوامی زبان بنانے کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ نے جس زبان کو حقائق و معارف کے اظہار کے لئے پسند فرمایا ہے، اقوام عالم کے درمیان لسانی رابطے کی سب سے احسن صورت یہی ہے۔ علوم و معارف کی جو ترقی اس طرح ہو سکتی ہے، وہ کسی دوسری زبان میں ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : قرآن پاک کا عربی زبان میں ہونا اس امر کو روشن کرتا ہے، کہ حق کو ماننے والے اپنی علمی تحقیق کو بین الاقوامی سطح پر لائیں، تو ذریعہ اظہار عربی زبان ہو۔ ہر مقامی زبان کو عربی زبان سے اپنا تعلق مضبوط بنانا چاہئے، اور عربی زبان میں ہر لحاظ سے آخری سند وہی ہوگی، جو قرآن پاک میں مذکور ہوگی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

ہم آپ کو احسن القصص سناتے ہیں، کہ ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف بصورت وحی بھیجا، اور اس سے قبل آپ اس کے جاننے

والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خوبصورت ترین قصہ فرمایا گیا ہے۔ بیان کرنے والی ذات تو حسن بیان میں ہے ہی انتہائی سند، اللہ سے بہتر بیان کسی کا ہو ہی نہیں سکتا، کہ وہ سننے والوں کا بڑا جاننے والا ہے۔ اس کا علم، علم مطلق ہے، اور جس کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے، اس کا کچھ بھی، بیان کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔ الفاظ کی موزونیت، پیرائے کی موزونیت اور حسن یوں سند ہے، کہ سنانے والا، سننے والوں کی بھلائی پر راضی ہے، اور انہیں حق کی ادائیگی میں پوری پوری مدد دینا چاہتا ہے۔ احسن القصص اللہ تعالیٰ نے ایک آئینہ بنا کر رکھ دیا ہے، جس میں فرد اپنی ذاتی زندگی کے تمام مقامات کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کی نیت کیا ہے، اس نے عمل کے لئے راستہ کون سا اختیار کیا ہے، اس راستے کے انتخاب میں اس کا نفس شریعت کے لبادے میں اس کو ترغیب تو نہیں دے رہا۔ نتائج کیا ہیں۔ انہیں باذن اللہ مانا گیا ہے، یا نہیں مانا گیا۔ اگر مصائب کو باذن اللہ مانا گیا ہے، تو اپنے مخالفین کو معاف کرنے کا اعلان کیا گیا ہے یا نہیں، اور دوسروں کو معاف کرنے میں اللہ کا ڈر ملحوظ ہے، یا دوسروں پر اپنی فضیلت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی صورت کیا ہے۔ ان سے توقعات میں توکل کی حدود کا احترام کیسے ہو۔ نفس کی خوشی کے سب لوازمات کی موجودگی میں پاک رہنے کی صورت کیا ہے، اور پاک رہنے کا انعام کیا ہے۔ عورت اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کتنی فہیم ہوتی ہے۔ حالات کو دیکھ کر اپنے بیان کو رنگ کس طرح دیتی ہے۔ فیصلہ دوسری زبان سے کروانا چاہتی ہے، الفاظ اس کے اپنے ہوتے ہیں۔ اپنی کمزوری کا اعتراف اس وقت کرتی ہے، جب اعتراض کرنے والیوں کو اپنے مطلوب کی ایک جھلک دکھا کر زخمی کر چکی ہو۔ جب اپنی انا کو تسکین دے چکی ہو، تو پھر اپنے مطلوب کے بارے میں بڑی پوری شہادت دیتی ہے۔ محسنین کبھی اپنی سہولت کو نہیں دیکھتے، اللہ کی رضا کو دیکھتے ہیں۔ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس کے مندرجات کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے قبل غور نہیں کیا۔ اگر کسی موقعہ پر سوال کیا گیا ہے، تو جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، اور اس جواب کی مثل لانا بھی ممکن نہیں۔

حاصل : سننے والوں کی بھلائی مقصود ہو، اللہ کی سنت ملحوظ ہو، تو بیان حسین ہو گا۔ احسن القصص کے آئینے میں اپنی ذاتی زندگی کے مقامات کو دیکھنا چاہئے، اور مشکل مقامات پر محسنین کی صورت سے رہنا چاہئے۔ ہماری سوچ کو قرآن پاک کے تحت رہنا چاہئے۔ اللہ سے بڑا انعامات دینے والا کوئی نہیں، مگر انعامات گمراہوں کے لئے نہیں ہوتے۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿۴﴾

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے عرض کیا: اے والد محترم! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا ہے، میں انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی قدر کے علمی مرتبے کو بچپن میں بھی لائق تکریم جانتے تھے، اس لئے آپ نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے بات کو دو حصوں میں بیان کیا۔ پہلے یہ عرض کیا، کہ میں نے

گیارہ ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا ہے۔ پھر یہ عرض کیا، کہ انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خواب کے دوسرے حصے کو بیان کرنا آپ کے مزاج پر کچھ گراں ہے، مگر بہتر جاننے والے سے علم حاصل کرنے کے لئے اپنا خواب بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اس عمر میں بھی یوسف علیہ السلام ساجد اور مسجود کے فرق کو محسوس کرتے ہیں۔

حاصل : اپنے مشاہدے کی بہتر جاننے والے سے تصدیق کروانی چاہئے۔ جس بات کے اظہار میں نفس کی خوشی نظر آئے، اسے احتیاط کے ساتھ اور اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

فرمایا: اے میرے بیٹے! اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا، وہ تمہارے ساتھ کوئی چال چلیں گے، بے شک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سننے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا، اے میرے بیٹے! اپنے بھائیوں سے اس خواب کا ذکر نہ کرنا، ممکن ہے وہ تمہارے ساتھ مکر و فریب سے کوئی چال چلیں۔ برادران یوسف بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے علمی مرتبے سے آگاہ ضرور تھے، مگر جھکاؤ اپنی خواہشات کی پیروی کی طرف تھا۔ جس کی یہ صورت ہو، اس کی دشمنی کا اعلان شیطان نے کر رکھا ہے، اور شیطان کے پاس انسان دشمنی کی جو استطاعت ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ شیطان کسی بھی حال میں انسان دشمنی کے کام میں غفلت نہیں برتتا۔

حاصل : علم والے یہ دیکھتے ہیں، کہ کون ان کے حکم کو مانتا ہے، اور کون ماننے کا تاثر دیتا ہے۔ جو ماننے کا تاثر دینے میں لگا رہے، وہ من مانی کرنے سے بچ جائے تو بے بس ہو گا۔ شیطان کبھی انسان دشمنی کے کام میں غفلت نہیں برتتا۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں چن لے گا، اور باتوں کی تاویل کا علم عطا فرمائے گا، اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا، جیسے اس سے قبل تمہارے دو بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) پر پوری کی تھی، بے شک تمہارا رب علم والا، حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ایک وقت آئے گا، جب تمہارا رب تمہیں چن لے گا، اور تمہیں باتوں سے ان کے انجام کو جاننے کا علم عطا فرمائے گا۔ اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا، اور یہ اتمام نعمت اسی طرح کا ہو گا، جیسے اس سے قبل تمہارے دو بزرگوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر ہوا۔ تمہارے رب کی عطا میں ہمیشہ علم و حکمت موجود ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چن لیا جائے، وہ لوگوں کے ذاتی اور اجتماعی معاملات میں ان کی رہنمائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اللہ اسے ایسا علم عطا فرماتا ہے، کہ وہ یقین کے ساتھ کسی بات کے انجام کو واضح کر سکتا ہے۔ سامعین کے لئے اس میں بشارت ہو، یا انداز وہ اسے بیان کئے دیتا ہے۔ اتمام نعمت کی صورت یہ ہے، کہ تم عطاء الٰہی کو ہر مقام پر علم الٰہی سے استعمال کرنے کا شرف پاؤ گے، اور علم الٰہی ہی سب سے بڑی نعمت ہے، جو بندے کو تمام مقامات پر پورا رکھ سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے نوازا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کسی دوسرے کی قدرت کو انتہائی مشکل مقام پر بھی نہیں مانا۔ اللہ نے ان کے لئے نار کو گلزار بنا دیا، کہ وہ قادر مطلق کو لاشریک مانتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی ایسا علم عطا فرمایا، کہ ان کے تعلق باللہ کی بدولت ان پر نہ ہونے کا مقام ہونے میں بدل گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ روشن کر دیا، کہ انتہائی مشکل مقامات سے گزرنا ہو گا۔ اگر مصائب و آلام کو باذن اللہ جانو گے، تو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کو پا سکو گے۔ پھر یہ نظر آئے گا، کہ عزت تو اللہ کی ہے اس کے رسول کی ہے، اور مومنین کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عزت والا نہیں۔ علیم مطلق اور حکیم مطلق کس مقام سے کس طرح گزارتا ہے، یہ وہی جانتا ہے۔ جس کو گزارہ جارہا ہے، اسے اللہ کے ساتھ بڑے ادب سے رہنا چاہئے، اور کسی بھی مقام پر اس بات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، کہ لوگ کیا دیکھ رہے ہیں، اور کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیان میں یہ تاکید ہے، کہ بزرگان کرام کی راہ پر رہنا اور ہر حال میں پاک دامن رہنا، اور اللہ کے ساتھ رہنا، کسی بھی مقام پر اپنی پسند کو اہمیت نہ دینا۔ سہولت وہی ٹھیک ہوگی، جو اللہ دے گا۔ اس بیان میں یوسف علیہ السلام کی آئندہ زندگی کا پورا نقشہ موجود ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ جسے بھی چنتا ہے، وہ مخلص ہوتا ہے، اور اس کے اتباع میں فلاح ہوتی ہے۔ تاویل الاحادیث کا علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہو تو بیان کرنے والے کی اس میں کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہوتی۔ علم الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے، جو شاکرین کو عطا ہوتی ہے۔ جن کا احترام کیا جائے، ان کے راستے سے گزرنا پڑے تو ادب و احترام سے گزرنا چاہئے۔ لوگوں کے مشاہدے اور بیان کو اہمیت دینے کی بجائے اللہ کے علم اور اس کی حکمت پر نظر رکھنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾

کتنا سنیں گے، اور کتنا دیکھیں گے، جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے، مگر آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑦

بے شک یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سوال کرنے والوں کو موضوع کے متعلق کچھ پتہ ہوتا ہے، اور کچھ مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے متعلق وضاحت مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً یہ ایک سوال تھا، کہ بنی اسرائیل کے سرزمین مصر میں داخلے کا سبب کیا تھا۔ یہود یہ جاننے کے لئے سوال کرتے تھے۔ وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام نے کیا کیا، ان کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا، اور تائیدایزدی نے کس کس مقام پر یوسف علیہ السلام کی کیسے کیسے مدد کی۔ سامعین کے لئے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بیان میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً اس سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ رضاء الٰہی کے خلاف کرنے والے، مشیت الٰہی کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ مشکل مقامات سے سلامتی کے ساتھ گزرنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے، کہ علم والے اور حکمت والے ملک کل کی معیت میں رہا جائے، یہ نہ دیکھا جائے لوگ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھا جائے ہمیں ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ اپنے رخ کو درست کرنے کی سعی کرنے والوں کے لئے اس بیان میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ کس مقام پر سوچ کو ٹیڑھا ہونے سے روکنے کی تدبیر کرنی چاہئے، اور سوچ درست نہ رہے تو واقعات اس کو کس طرح بڑھاوا دیتے ہیں۔ نتائج اخذ کرتے وقت نفس ایک خاص زاویہ نگاہ سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اس بیان میں ہر ہر فرد خود کو دیکھ سکتا ہے، کہ وہ یوسف علیہ السلام کے نقش قدم پر ہے، یا ان کے بھائیوں کی راہ پر ہے۔

حاصل : سوال کرنے والے کو اپنے حال کے متعلق سوال کرنا چاہئے۔ سوال اس سے کرنا چاہئے، جس کا جواب سند کا درجہ رکھتا ہو۔ نشانیاں دیکھ کر ظلمات سے نور کی طرف آنا آسان ہوتا ہے۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ⑧

جب انہوں نے کہا، یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور ان کا بھائی ہمارے باپ کو زیادہ عزیز ہیں، اور ہم مضبوط جماعت ہیں۔ ہمارے والد صاحب بالکل ایک طرف ہی جھک گئے ہیں۔

برادران یوسف نے کہا، کہ ہمارے مشاہدے کے مطابق والد صاحب یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو زیادہ پیارا جانتے ہیں، حالانکہ ہماری اہمیت قوی جماعت ہونے کے اعتبار سے اور اپنے باپ کے مدد گار ہونے کے لحاظ سے ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہمارے باپ کو بھی اس بات کا احساس تو ہونا چاہئے، مگر ان بچوں کی محبت انہیں کچھ سوجھنے ہی نہیں دیتی۔ جو کسی کی علمی فضیلت کو بھی مانتا ہو، اور اس کے رخ کے درست نہ ہونے کا ذکر بھی کرے، اس کے اپنے اندر تضاد موجود ہوتا ہے۔ اس کی سوچ درست نہیں ہو سکتی۔ سوچ کے درست ہونے کی صورت یہ ہے، کہ وہ بہتر جاننے والے کی نظر سے دیکھنا شروع کرے۔

حاصل : اپنی قوت اور افادیت کا احساس ہو، تو نفس کو قدر و منزلت کی بڑی طلب ہوتی ہے۔ جہاں یہ طلب پوری نہ ہو، وہاں نفس خطرات کی نسبت سے اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ⑨

یوسف (علیہ السلام) کو مار ڈالو، یا کسی ملک میں پھینک آؤ، کہ تمہارے باپ کا رخ تمہاری ہی طرف رہے، اور اس کے بعد صالح ہو جانا۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی ترکیب یہ سوچی، کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے موجودہ مقام سے ہٹا دیا جائے۔ ان کو مار ڈالا جائے، یا کسی دور ملک میں پھینک دیا جائے۔ باپ کے پاس ہمارا کوئی بدل رہے گا ہی نہیں، تو توجہ ہماری طرف ہو جائے گی، اور پھر ہم ویسے ہو جائیں گے، جیسے باپ کی نسبت سے ہمیں ہونا چاہئے۔ برادران یوسف کو جو کدورت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی، اس کا ایک سبب تو سوتیلا پن تھا، مگر یوسف علیہ السلام کی صلاحیت جو یعقوب علیہ السلام کو محبوب تھی، بھائیوں کو بالکل نہیں بھاتی تھی۔ ان بھائیوں کو یہ احساس تھا، کہ جو صفات حضرت یعقوب علیہ السلام کو پسند ہیں وہ ان میں نہیں ہیں۔

حاصل : ابتدا میں نفس کی طرف سے جب برائی کی ترغیب ملتی ہے، تو وہ اسی طرح کی ہوتی ہے، کہ موجودہ برائی کا ارتکاب اپنے حالات کو ٹھیک کرنے کے لئے ضروری ہے۔ جب حالات ہماری مرضی کے ہو گئے، پھر صالح ہو جائیں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ⑩

ان میں ایک کہنے والے نے یہ کہا، کہ یوسف (علیہ السلام) کو مارو نہیں، اور اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، کہ کوئی مسافر اسے اٹھا لے جائے، اگر تم کو کرنا ہی ہے۔

برادران یوسف میں سے ایک صاحب نے قتل کی تجویز کو رد کرتے ہوئے یہ کہا، کہ مارنا ٹھیک نہیں۔ منشاء اس کو راستے سے ہٹانا ہے۔ اس کے لئے قتل ضروری نہیں ہے۔ کسی ایسے کنویں میں پھینک دیا جائے، جس میں سے مسافر کبھی پانی لیتے ہوں۔ جس کی نظر پڑے گی اسے بے آسرا سمجھے گا اور لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہی ہے، تو اس سے زیادہ مت کرو۔

حاصل : مخالفت کی تجویز کے وقت، زاید از ضرورت کام نہ کرنے کی رائے دینے والے کا کہا، اثر رکھتا

ہے۔ کہنا اسی طرح پڑتا ہے، اگر تم کو کرنا ہی ہے، تو یہ کر لو۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪

کہنے لگے: اے ہمارے ابا، کیا بات ہے آپ یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، اور ہم تو اس کے لئے یقیناً ناصح ہیں۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں یہ گزارش پیش کی، کہ حضرت گرامی قدر! آپ یوسف بھائی کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے، ہمیں یہ بہت عجیب لگتا ہے۔ یقین کیجئے، ہمارا اس کے ساتھ وہی تعلق ہے، جو کسی بڑے ناصح کا، بڑے خیر خواہ کا، اپنے سے چھوٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے اپنے رویئے میں سختی کا اعتراف تو کیا، مگر اس سختی کو نصیحت کرنے والے کی مجبوری بنا کر پیش کیا۔

حاصل: بہتر جاننے والے کے سامنے اپنے تاثر کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ناصح کے رویئے میں اگر سختی بھی نظر آئے، تو بھی بظاہر اس کا مقصد نصیحت پانے والے کی بھلائی ہوتا ہے، اس لئے ناصح واجب الاحترام ہوتا ہے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ خوب کھائے اور کھیلے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

برادران یوسف نے ناصح ہونے کے اعتبار سے اپنا مقام بیان کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی، کہ یوسف بھائی کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ اس عمر کے جسمانی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اسے کھانا بھی خوب چاہئے، اور ورزش بھی کرنی چاہئے۔ رہا یہ فکر کہ کھانے میں حفاظت کی حدود کے اندر رہنے کا علم اس کو نہیں ہے، ورزش میں حفاظت کی حدود کے اندر رہنے کا علم اس کو نہیں ہے، تو اطمینان فرمایئے، ہم اس کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ ہم بتا دیں گے، کہ اپنی ذاتی حفاظت کے لئے حدود کا احترام کیسے کرنا ہے۔

حاصل: بد خواہی ہمیشہ خیر خواہی کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ جس کو قائل کرنا ہو، اس کی پسند کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اس کے خدشات کا بھی جواب دیا جاتا ہے۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

فرمایا: تم اسے لے جاؤ تو مجھے رنج ہو گا۔ اور مجھے ڈر ہے، کہ اسے بھیڑیا کھا جائے،

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تم اس سے غافل رہو۔

برادران یوسف کی درخواست کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اسے لے جاؤ گے، تو اس کی سیر و تفریح تو ہو سکتی ہے، مگر مجھے اس سے رنج ہو گا۔ وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم کے لئے عطا فرمائی جاتی ہے، اس سے استفادہ نہ کیا جائے گا، تو مجھے دکھ ہو گا۔ پھر تم کو سیر و تفریح، کھیل کود اس قدر عزیز ہے، کہ تمہارا انہماک تمہیں کئی باتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ اس جنگل میں آدم خور بھیڑیئے موجود ہیں، تمہاری غفلت کے لمحات میں کوئی اس کو کھا جائے تو یہ کتنی تکلیف دہ صورت ہو گی۔

حاصل : تجویز ناقص ہو، تو پیش کرنے والوں کو بتانا چاہیئے، کہ جس کے متعلق یہ تجویز ہے، اس کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا، جس کے سامنے پیش کی جا رہی ہے، اس کو اس میں کوئی راحت نظر نہیں آتی۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہنے لگے۔ اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، اور ہم مضبوط گروہ ہیں، تب تو ہمارے پلّے کچھ بھی نہ رہا۔

برادران یوسف نے کہا اگر ہم حفاظت کرنے میں نااہل ثابت ہو گئے، تو ہمارے پلے کیا رہ جائے گا۔ ایک مضبوط گروہ اگر اپنے گراں قدر بھائی کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا، تو اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل : طاقت کے حوالے سے پہچانے جانے والے لوگ، اگر کمزور ثابت ہو جائیں، تو یہ ان کے لئے بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر جب اسے لے کر چلے، اور اتفاق اس پر ہوا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈالا جائے، اور ہم نے اسے وحی فرمائی، کہ تم انہیں اس امر کی خبر دو گے، اور انہیں شعور بھی نہ ہو گا۔

قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے، کہ اس میں کوئی لفظ زاید از ضرورت نہیں۔ مثلاً یہ نہیں فرمایا گیا، کہ پھر یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ لے کر چلنے کی بات سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ اجازت دے دی گئی۔ مقصد یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام کی جگہ برادران یوسف توجہ حاصل کر سکیں، طریقہ یہ سوچا گیا کہ یوسف علیہ السلام کو اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے۔ یہ کسی ایسی جگہ پہنچا دیئے جائیں گے، جہاں سے ان کی واپسی ممکن نہ ہو گی۔ باپ کے زخم فراق مندمل ہوتے ہوتے ہو ہی جائیں

گے۔ کنویں میں ڈالے جانے سے پہلے یوسف علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہا گیا، اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا گیا، وہ ان کے سامنے
تھا. اور انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس تکلیف کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی فرمائی گئی، کہ ایک وقت آئے گا، جب ان کا یہ
کام تمہاری زبان سے بیان ہو گا، اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہو گا۔ آج تم ان کے سامنے اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہے ہو، اس
وقت یہ تمہارے سامنے بے بس ہوں گے۔ روشن مستقبل سے آگاہی دکھ کی موجودہ صورت میں بڑا اثر رکھتی ہے۔ حال سے
مستقبل تک کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ تائید ایزدی سے قوت برداشت اور صبر و تحمل میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ دکھ آتا ضرور
ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہو، تو سلامتی بہر حال قائم رہتی ہے، اور مصائب کی شدت اور طوالت کا احساس نہیں ہوتا۔

حاصل : زاید از ضرورت بات نہیں کرنی چاہئے۔ اتفاق اسی بات پر ہونا چاہئے، جو حق ہو۔ مصائب و
آلام میں صبر و تحمل سے اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کا ساتھ ہو، تو مصائب و آلام کی شدّت اور
طوالت بوجھ نہیں بنتی۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾

اور عشاء کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

برادران یوسف نے متفقہ فیصلے پر عمل کرتے ہوئے، بھائی کو اندھے کنویں میں ڈالا، اور اپنے اپنے انتقام کا اظہار کرتے
رہے۔ باپ کی خدمت میں جلد حاضر ہو کر اس واقعہ کو بیان کرنا، جو انہوں نے گھڑا تھا، انہیں مناسب نہیں لگا۔ پھر ان کا بیان
کردہ واقعہ سورج کی روشنی میں اپنے آثار چھپا نہیں سکتا تھا۔ وہ یہ تاثر بھی دینا چاہتے تھے، کہ ہم نے تلاش کی حد کر دی ہے، اور
ہمیں بھائی کے کھو جانے پر بڑی ندامت ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیا تھا۔
روتے ہوئے آنا، یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر سنانے کا ابتدائیہ تھا۔ وہ یہ جانتے تھے، کہ باپ کے لئے اس خبر کا سننا کس قدر
تکلیف دہ ہو گا، اس لئے باپ کے غم میں شامل ہونے کے لئے روتے ہوئے آنا بھی ایک سکیم تھی۔

حاصل : برائی کے ارتکاب کے بعد، اس کے آثار کو مٹانے کے لئے نفس کو بڑا زور لگانا پڑتا ہے۔
کوشش یہی ہوتی ہے کہ بھید نہ کھلے، اس لئے گھڑا ہوا واقعہ ایسے وقت بیان کیا جاتا ہے، جب آثار سے اس کی
تصدیق نہ ہو سکے، اور ایسے طریقے سے بیان کیا جاتا ہے، کہ سننے والے سنانے والوں کو شریک غم دیکھیں۔
غم حقیقی نہ ہو، اور دکھاوا ضروری ہو، تو آہ و بکا میں زور لگانا پڑتا ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾

کہنے لگے: اے باپ ہم سبقت کے لئے دوڑتے رہے اور یوسف (علیہ السلام) کو اپنی متاع کے پاس چھوڑ دیا، تو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات مانیں گے نہیں اگرچہ ہم صادق ہوں۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑتے رہے، اور اپنے سامان کی حفاظت کے لئے یوسف بھائی کو کہہ دیا۔ جب ہم کھیل سے لوٹے تو دیکھا کہ یوسف بھائی کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ آدم خور بھیڑیئے تو یہاں ہیں ہی بہت۔ آپ کو پہلے ہی ہمارے بارے میں کچھ شبہات تھے، موجودہ حالات میں وہ شبہات بڑھ جائیں گے، اس لئے آپ ہماری بات کو مان نہیں سکیں گے، ہماری صداقت آپ کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

حاصل : اسلام میں تمام کھیلیں، خدمت خلق کے لئے اپنی اہلیت کو بہتر بنانے کے مقصد کے تحت ہوتی ہیں، اور ایک طرح سے جہاد کے لئے ضروری تربیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ چیز کی مثل چیز تو مل سکتی ہے، مگر بندے کا بدل کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اس لئے علم والے بندے کی حفاظت کو بڑا حق جانتے ہیں۔ بے علم اشیاء کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بے علم کے پاس اپنی صداقت کا ثبوت نہ ہو، تو وہ اپنی بات نہ ماننے والوں کے رویئے پر اعتراض کرنے لگتا ہے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اس کے قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ فرمایا: تو تمہارے انفس نے تمہارے لئے ایک بات گھڑ لی ہے۔ تو صبر جمیل کرتا ہوں، اور اللہ سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بنا رہے ہو۔

برادران یوسف نے، یوسف علیہ السلام کے کھائے جانے کی جو نشانی حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے پیش کی، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو دیکھا، اور پہچانا۔ یہ قمیص خون آلودہ تو تھا، مگر بیان کردہ قصے کی تصدیق نہیں کر رہا تھا۔ اگر بھیڑیئے نے کھالیا ہو، تو اس جانور نے قمیص اتار کر پاس رکھنے کا موقعہ تو نہیں دیا ہو گا۔ قمیص کو بالکل پھٹا ہوا ہونا چاہئے تھا، اور یوسف علیہ السلام کے خون سے آلودہ ہو جانا چاہئے تھا، اور وہاں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس موقعہ پر فرمایا: تمہارے انفس نے تمہارے لئے ایک بات گھڑ لی ہے۔ میں اس جھوٹ کا پول کھولنے کے لئے اپنا وقت اور اپنی قوت نہیں لگاؤں گا۔ میں اس دکھ کو باذن اللہ جانتا ہوں، اور صبر جمیل کرتا ہوں۔ صبر جمیل میں شکایت نہیں ہوتی، یہ یقین ہوتا ہے، کہ اللہ کے کاموں میں بڑی حکمت ہوتی ہے۔ لمحات یقیناً فراق کے تھے اور بہت مشکل تھے، اس لئے آپ نے فرمایا: میں اللہ سے مدد چاہتا ہوں۔ وہی ان باتوں کو جو تم بیان کر رہے ہو، واضح کر سکتا ہے۔ جب اللہ حقائق کو کھولتا ہے، تو پھر ان کی تردید ممکن نہیں رہتی۔

حاصل : واقعاتی شہادت جس بات کو جھوٹا ثابت کرے، وہ کبھی سچی نہیں ہوتی۔ جس کو اس جھوٹ سے دکھ پہنچ رہا ہو، اہل حق ہونے کی صورت میں اس کی شان یہی ہے، کہ وہ اسے گھڑی ہوئی بات کہنے پر اکتفا کرے۔ صبر جمیل میں شکایت نہیں ہوتی، انتقام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صبر جمیل کے ساتھ اللہ کی مدد طلب کی جائے، تو حقائق اس طرح واضح ہو جاتے ہیں، کہ پھر ان کی تردید نہیں کی جا سکتی، اور بات گھڑنے

والوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔

وَجَآءَتۡ سَيَّارَةٞ فَأَرۡسَلُواْ وَارِدَهُمۡ فَأَدۡلَىٰ دَلۡوَهُۥۖ قَالَ يَٰبُشۡرَىٰ هَٰذَا غُلَٰمٞۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةٗۚ وَٱللَّهُ عَلِيمُۢ بِمَا يَعۡمَلُونَ ﴿١٩﴾

اور ایک قافلہ آیا، تو انہوں نے اپنے 'وارد' کو بھیجا۔ پھر اس نے ڈول ڈالا، پکارا. او خوشخبری! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور اسے پونجی جان کر چھپا لیا، اور اللہ کو علم ہے جو وہ کرتے ہیں۔

برادران یوسف نے جس کنویں کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے موزوں سمجھا تھا، وہاں سے کبھی کبھی قافلوں والے پانی لیا کرتے تھے۔ ہر قافلے میں ایک دانا شخص کے ذمے پانی کا بندوبست کرنا ہوتا تھا۔ وہی پانی کی موزونیت کا فیصلہ کرتا تھا۔ پانی چونکہ ضروریات زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس لئے پانی لانے والے کی نظر کا درست ہونا، اس کے ذائقے کا ٹھیک ہونا، اور اس کے سونگھنے کی حس کا ٹھیک ہونا، عمومی صحت کے درست ہونے کے ساتھ ساتھ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے صاحب کو قافلے والے 'وارد' کہتے تھے۔ پانی کے اس مہتمم نے جب اپنا ڈول ڈالا، اور کنویں میں جھانکا تو خوشی سے پکارا! یہ تو ایک لڑکا ہے۔ قافلے والے مدد کو آ گئے۔ اس طرح اللہ کی طرف سے آپ کے کنویں سے نکالے جانے کی صورت بنا دی گئی۔ نکالنے والوں کو یہ خیال تھا، کہ انہوں نے اسے کنویں سے پایا ہے اور محنت سے نکالا ہے، اس لئے وہ اب ان کی پونجی ہے، اور اس پونجی کو سنبھالنا ضروری ہے۔ اس لئے وہ اسے چھپا کر رکھنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ ان کی تدبیر اللہ سے مخفی تو نہیں تھی۔ اور ہونا وہی تھا، جو اللہ چاہتا تھا۔

حاصل : اللہ کے کام بڑے علم سے ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام زیادہ دیر کنویں میں نہیں رہے۔ ان کی ذاتی سلامتی کے تقاضے کو علیم مطلق سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ نکالے جانے کی صورت اللہ نے بنائی، نکالنے والوں کا لالچ چھپا کر رکھنے کا باعث بنا، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔ عمل کرنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے، مگر نتائج ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔

وَشَرَوۡهُ بِثَمَنِۭ بَخۡسٖ دَرَٰهِمَ مَعۡدُودَةٖ وَكَانُواْ فِيهِ مِنَ ٱلزَّٰهِدِينَ ﴿٢٠﴾

اور اسے تھوڑی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ دیا، اور وہ کچھ زیادہ نہیں چاہتے تھے۔

قافلے والوں نے سامان تجارت کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھی سنبھالا اور کوچ کر گئے۔ خطرہ یہی تھا، کہ کوئی دعویدار آ گیا، تو مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لڑکے کو اپنے پاس رکھنا بھی آسان کام نہیں تھا، اس کی حفاظت سے غفلت بھی ممکن نہ تھی۔

زیادہ قیمت اس لئے نہیں مانگ سکتے تھے، کہ خریدنے والے کو بتانے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ زیادہ قیمت طلب کرنے کی صورت میں وہ بڑی خبر بن سکتی تھی، جس میں بیچنے والوں کو بڑے خطرات نظر آتے تھے۔ اس لئے بدویانہ دانش کے تحت، بیچنے والوں نے آپ کو جلد بیچا، اور بہت کم قیمت پر بیچا۔

حاصل : تھوڑی قیمت سے بڑی خبر نہیں بنتی، اور بڑی خبر سے متعلقہ دکھ نہیں پہنچتا۔ نفس کو اپنی سلامتی بہر حال عزیز ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات (۴۹) میں ارشاد فرمایا ہے:
وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾
اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو تو تمہارے اعمال سے تمہیں نقصان نہیں دے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

اور مصر کے جس شخص نے آپ کو خریدا، اپنی عورت سے بولا، اس کو عزت سے رکھنا کہ ہمیں اس سے نفع ہو یا ہمیں اسے بیٹا بنا لیں۔ اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو اُس زمین میں جماؤ دیا۔ اور اس لئے کہ اسے تاویل الاحادیث کا علم سکھائیں۔ اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے مگر اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے والے صاحب نے اپنی عورت سے یہ کہا، کہ اس بچے کو خریدا ہوا سمجھ کر رکھنا بالکل بے جا ہو گا۔ اس کو نہایت اکرام کے ساتھ رکھنا چاہئے۔ اس سے ہمیں نفع ہو گا۔ اس کے فہم فراست کو دیکھا جائے، اس کے حیادار ہونے کو دیکھا جائے، اس کے چہرے پر شکایات کی عدم موجودگی کو دیکھا جائے، تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے بہت فائدے ہوں گے۔ یہ عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ امور سلطنت ہوں یا دوسرے امور یہ کامل اعتماد کے لائق ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ ہم اس کی اہلیت کو دیکھنے کے بعد اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ یقیناً ہمیں اس کی ضرورت ہو گی۔ اللہ کی قدرت دیکھئے، مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام پر پہنچا دیئے گئے ہیں، جہاں حاکم وقت ان کا قدر دان ہے۔ اس کا گھر ان کے لئے عزت کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی آپ کو خریدا ہوا غلام کہے۔ قدر و منزلت کے اس مقام پر آپ کو اللہ نے پہنچایا ہے اور اس میں دیر ہی کتنی لگی ہے۔ اس مقام پر آپ کو مملکت کے معاملات کو دیکھنے کا موقعہ ملا، اور آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم کی روشنی میں معاملہ فہمی سیکھی۔ آپ کو اللہ نے ایسا علم عطا فرمایا، کہ حال پر رخ کو دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والا ماضی بھی آپ کو معلوم ہو جاتا تھا، مستقبل بھی معلوم ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے مثل ہے۔ وہ جو کرنا چاہے، کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اس کی تدبیر

کے سامنے کسی کی تدبیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خصوصی توجہ کو ختم کرنے کی تدبیر کی۔ مگر ہوا یہ کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے لئے دعا میں زیادہ منہمک ہو گئے۔ آپ سے آسائشیں چھیننے کی کوشش کی گئی، اللہ نے آپ کو وہ آسائشیں دیں جن سے بڑھ کر اس وقت کسی آسائش کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بھائیوں نے آپ کی ناقدری کی، اللہ نے بڑے مرتبے والے آپ کے قدردان بنا دیئے۔ بھائیوں کو آپ کا اختیار نہیں بھایا، اللہ نے آپ کو بڑے مقام پر مختار بنا دیا۔ بھائیوں کو آپ کی معاملہ فہمی اور فراست سے حسد ہوا، اللہ نے آپ کو ایسے مقام پر پہنچا دیا، کہ جہاں سیکھنے کے لئے سب کچھ موجود تھا، اور سیکھنے میں مشکل بھی کوئی نہ تھی۔ عام لوگوں کی زندگی میں بھی ایسے مقامات آتے ضرور ہیں، کہ جہاں انہیں احساس ہوتا ہے، کہ جو فوائد انہیں حاصل ہوتے ہیں، جو راحتیں میسر آتی ہیں، وہ ان کی تدبیر کا حصہ نہیں تھیں۔ مگر وہ اسباب میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اسباب بنانے والے مالک کو نہیں دیکھ پاتے۔ انہیں علم کیسے ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ جو چاہے، کرتا ہے۔ اس کی تدبیر کو الٹ دینا قطعاً ناممکن ہے۔ جو اللہ کی قدرت کو مان لے، اس کا مشاہدہ اس کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾

اور جب آپ پوری طرح بلوغت کو پہنچے، ہم نے آپ کو حکم اور علم عطا فرمایا، اور ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصائب و آلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے، بڑی متانت کے ساتھ وقت گزارا۔ کم عمری میں، اپنے آپ کو مالک حقیقی کی منشاء کے مطابق بنالینا، بولنے کے مقام پر بولنا، خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا، اور اس حق کی ادائیگی پر توجہ مرکوز رکھنا، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھ ہوگی، محسنین کی صفات ہیں۔ یہ صفات جہاں ہوں گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے موصوف کو ضرور نوازا جائے گا۔ عطا حال پر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے ہوگی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام دکھ برداشت کرتے کرتے اپنے قویٰ کے اعتبار سے کمال کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو انعامات سے نوازا۔ حکم عطا فرمایا، اور علم عطا فرمایا۔ آپ جو عنوان رکھتے اسی کا تصرف شروع ہو جاتا۔ آپ کا فرمان، حق ہوتا تھا۔ معاملات انفرادی ہوں یا اجتماعی آپ صحیح کو واضح کر سکتے تھے۔ اگر کسی جگہ حق کے ساتھ کسی کی خواہشات کے مل جانے سے الجھاؤ پیدا ہو جاتا تھا، تو آپ علم سے اس الجھاؤ کو دور کر دیتے تھے۔ مشکل کشائی کا یہ شرف اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت تھا۔

حاصل : محسنین مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے، حرف شکایت کو زبان پر نہیں لاتے، اور اللہ کی قدرت کے سامنے لوگوں کی قدرت کو ہیچ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ انہیں حق کو واضح کرنے کا شرف دیا جاتا ہے، اور ماننے والوں کی زندگی سے الجھاؤ کو دور کرنے کی توفیق دی جاتی ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ

اور آپ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے آپ کو لبھایا، کہ اپنے نفس کو نہ روکے،

وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور دروازے بند کر دیئے، اور کہنے لگی: میں آپ کے لئے حاضر ہوں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ، بےشک میرے رب نے مجھے احسن رکھا ہے، بےشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے والے نے اپنی بیوی سے یہ کہا تھا: ان کو اکرام سے رکھنا، ان سے ہمیں نفع ہو گا یا ہم ان کو بیٹا بنالیں گے۔ وہ عورت آپ کی ذات شریف میں بہت دلچسپی لینے لگی۔ ذاتی خدمت کرتے کرتے اس کی خواہشات میں ابھار آیا۔ عارف دنیا ہونے کے حوالے سے اس نے سب سامان اکٹھے کئے، جو اس کی طلب کو پورا کرنے میں مدد دے سکتے تھے۔ آپ کو لبھایا، کہ عیش و نشاط کی موجودگی میں اپنے نفس کو روکا نہ جائے، اور دروازے بند کرتی گئی۔ لبھانے کی کوشش کے ساتھ دروازوں کا بند کرتے جانا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے تھا، مگر آپ کی شان ملاحظہ ہو، کہ آپ نے اس پر زبان نہیں کھولی۔ جب جسم کی زبان سے وہ آپ کو اپنی طرف راغب کرنے میں ناکام ہو گئی، تو اس نے زبان سے یہ کہا، کہ میں آپ کے لئے حاضر ہوں، میری خواہش آپ کے علم میں ہے۔ اس بات کے جواب میں آپ نے فرمایا: "معاذ اللہ" (اللہ کی پناہ)، خلاف حق عمل میں میرے لئے کوئی راحت نہیں، اللہ کی پناہ میں مجھے بڑی راحت ہے۔ میرے پالنے والے نے مجھے اس طرح رکھا ہے، کہ اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرے پالنے والے کا حکم ہے، کہ اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرو، ورنہ راہ راست پر رہ نہیں سکو گے۔ میرے پالنے والے کے حکم کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور ظالموں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

حاصل : عورت کو گھر کا زیادہ علم ہوتا ہے۔ جسم کی حرکات دوسرے کے لئے باعث ترغیب نہ ہوں، تو ان کے سامنے زبان سے اپنی خواہش کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ پاک لوگ دعوت عیش کے جواب میں یہی کہتے ہیں: اللہ کی پناہ! میرے رب نے مجھے جو عطا کیا ہے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا، اس کے حکم کے خلاف کرنا ظلم ہے، اور ظالموں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا، ظالموں کو کبھی راحت نہیں ملتی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور بےشک وہ آپ کی طرف مائل ہوئی اور آپ بھی ہوتے اگر اپنے ربّ کا برہان نہ دیکھتے۔ اس طرح ہم نے برائی اور بےحیائی کو اس کے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ بےشک وہ ہمارے عبادِ مخلصین سے ہیں۔

جس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں پہنچایا، انہیں لبھایا، دروازے بند کر لئے، اور اس کے بعد زبان

سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا، اس کا تو آپ کی طرف مائل ہونا بالکل واضح ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوت ناحق کے جواب میں فرمایا، اللہ کی پناہ! میرے رب نے مجھے احسن طریق سے رکھا ہے۔ یہ فعل ظلم ہے، اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔ آپ کو اپنے زر خرید ہونے کا علم تھا۔ اپنی مالکہ کی اطاعت کس حد تک کرنی چاہئے تھی، یہ بھی آپ کو معلوم تھا۔ آپ نے اس وقت بھی اس وقف لازم پر نظر رکھی، کہ جب مالک یا مالکہ کا امر مالک کل کے امر کے خلاف ہو، تو مالک یا مالکہ کا امر واجب الاطاعت نہیں رہتا، اور اس کو ماننے سے انکار کرنا حق ہے۔ آپ نے دیکھا، کہ مالکہ کا امر قطعاً امر الٰہی کے خلاف ہے، اس لئے آپ نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اس مقام پر وقف لازم کو نہ دیکھتے، تو ناپاک اور پاک کے درمیان حد فاصل کیسے قائم رہتی۔ اس برہان کو دیکھنے کی بدولت، وقف لازم کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے برائی اور بے حیائی آپ کے قریب بھی نہ پھٹک سکی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مخلص ہونے کی شہادت دی ہے، اور مخلص وہ ہوتا ہے، جس کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ کسی برائی کے منسوب کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : ناپاک اور پاک کے درمیان وقف لازم ہوتا ہے۔ اس وقف کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ یہی برہان ہے۔ جو اس برہان کو دیکھتا رہے، برائی اور بے حیائی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ مخلص کو شیطان کبھی نہیں بہکا سکتا، اس لئے کسی برائی کو مخلص کے ساتھ منسوب کرنا قطعاً گناہ ہے۔ جو اپنی حفاظت چاہتا ہے، اسے حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے، وہ ہمیشہ برائی اور بے حیائی سے محفوظ رہے گا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا، اور سردار دونوں کو دروازے پر ملا، عورت کہنے لگی: کیا جزا ہے اس کی جو تیری اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا اسے سخت سزا دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھا، کہ اس مقام سے ہٹ جانا ضروری ہے، اس لئے آپ وہاں سے دوڑے۔ عورت نے اپنے علم کے مطابق ضروری بندوبست کئے ہوئے تھے۔ دروازے بند تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اس سے درخواست نہیں کی، کہ وہ دروازے کھول دے۔ آپ نے اپنے علم کے مطابق وہاں سے ہٹ جانے کی سعی کی۔ اللہ نے آپ کی مدد فرمائی، کوئی رکاوٹ آپ کے راستے میں حائل نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ آخری دروازے کے قریب پہنچے تو عورت بھی آپ کے قریب پہنچ گئی۔ عورت اپنے شوہر کو دیکھتے ہی کہنے لگی: اس کی سزا کیا ہے، جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، مگر یہی کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے، یا اس کو سخت سزا دی جائے۔ عورت نے مکر و فریب کا جو جال یوسف علیہ السلام کے لئے تیار کیا تھا، آپ کا اس سے نکل جانا، اس کی نظر میں چھوٹی بات نہ تھی۔ مگر اپنی خواہش کی تکمیل کے علاوہ اس نے سوچ کے سب دروازے بند کر رکھے تھے۔ شوہر کو دیکھ کر خطرات کا احساس ہوا، تو اس نے اپنے بچاؤ کے لئے فوراً یہ کہا، کہ جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ

کرے، اس کی سزا کیا ہو گی۔ مگر معاً یہ خیال آیا، کہ شوہر کو سزا کا اعلان کرنے کا موقعہ نہیں دینا چاہئے، اس لئے فوراً بولی: جزا یہی ہو سکتی ہے، کہ اس کو قید کر دیا جائے، یا سخت سزا دی جائے۔

حاصل: پاک کا دوڑنا نور کی طرف ہوتا ہے، ناپاک کا دوڑنا ظلمات کی طرف ہوتا ہے، اگرچہ بظاہر ایک ہی سمت میں دوڑتے ہوئے نظر آئیں۔ پاک اور ناپاک کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لئے موقعہ پر آثار ضرور موجود ہوتے ہیں۔ خواہش کی پیروی میں پھنسا ہوا، خطرات کو دیکھ کر اپنے بچاؤ کے لئے اپنے پیارے کو بھی پھنسانے سے دریغ نہیں کرتا، مگر اس کی سلامتی کو ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

فرمایا: اس نے مجھ سے چاہا کہ میں اپنے نفس کو نہ تھاموں۔ اور عورت کے اہل میں سے شہادت دینے والے نے شہادت دی، کہ اگر ان کا قمیص آگے سے پھٹا ہے، تو عورت سچّی ہے، اور آپ سچّے نہیں ہیں۔

عورت کے الزام کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا: کہ اس نے مجھے لبھانے کی کوشش کی، مگر میں نے وہ نہیں کیا، جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پاکیزگی کے اس دعوے کے ساتھ، موقعہ سے متعلقہ آثار اور قرینے کا ذکر ہوا، تو عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب نے جو واقعات اور علامات سے صحیح نتائج اخذ کرنے میں اپنا مقام رکھتے تھے، یہ بیان دیا، کہ دونوں کا بیان ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے، اس لئے خلوت میں یہ دونوں کسی عمل پر متفق نہیں تھے۔ موقعہ پر موجود علامت صرف قمیص کا پھٹا ہوا ہونا ہے۔ دونوں کے وجود پر تشدد کے آثار کا نہ پایا جانا، یہ ثابت کرتا ہے، کہ ان کے درمیان فاصلہ قائم رہا۔ اب ایک بات فیصلہ طلب رہ جاتی ہے، کہ کس کا رخ کیا تھا۔ قمیص کو دیکھنا چاہئے اگر وہ آگے سے پھٹا ہوا ہے، تو عورت نے اپنی مدافعت کی کوشش میں اسے پھاڑا ہے۔ اگر ایسا ہے، تو یہ بات عورت کو سچا ثابت کرے گی، اور مرد کا بیان سچا نہیں ہو گا۔

حاصل: مخلصین الزام کے جواب میں صرف اپنے مشاہدے کو بیان کرتے ہیں، پاکیزگی کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کا بندوبست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ علامات سے نتائج اخذ کرنے والے کو تمام امکانات کو بیان کرنا چاہئے۔ مدعی کے موقف کے درست ہونے کا امکان پہلے بیان کرنا چاہئے۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے، تو عورت جھوٹ بولتی ہے اور وہ سچّے

وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾

ہیں۔

علامات اور آثار کے حوالے سے نتائج اخذ کرنے والے شاہد نے اپنی شہادت کے دوسرے حصے کو بیان کرتے ہوئے کہا.
اگر یوسف علیہ السلام نے کراہت کے اظہار کے ساتھ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی ہو. اور عورت نے آپ کو ٹھہرانے کی تدبیر میں
آپ کا قمیص دوڑ کر پیچھے سے کھینچا ہو. تو اسے پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا چاہئے۔

حاصل : علامات، آثار اور قرائن اگر مدعا علیہ کی بات کو درست ثابت کر رہے ہوں، تو اس کی صداقت کی
تصدیق کرنی چاہئے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾

پھر جب سردار نے آپ کا قمیص پیچھے سے پھٹا دیکھا، کہنے لگا: یہ تم عورتوں کا مکر ہے، بے شک تمہارا فریب بڑا ہوتا ہے۔

اپنی عورت کے رشتہ دار کے ماہرانہ بیان کو سننے کے بعد عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کو دیکھا. تو اسے پیچھے
سے پھٹا ہوا پایا۔ اسے اپنی عورت کا بیان قطعاً غلط نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: یہ تم نے مکر کیا ہے. جیسے عورتیں
کرتی ہیں، اور تمہارے مکر و فریب کا سلسلہ بڑا ہوتا ہے۔ سردار نے جس صاحب سے مدد لی تھی وہ اس کی بیوی کا رشتہ دار تھا. اس
لئے اس گھر کی عزت و ناموس میں کمی کرنے کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی سردار کو مطلوب تھا۔ سردار عموماً اپنے مرتبے کو بڑا
ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے گھر والوں میں سے کوئی گناہ کا مرتکب ہو، تو اسے سزا نہیں دیتے، دوسروں کو سزا دینا انہیں
انتظام و انصرام کو ٹھیک رکھنے کے لئے ضروری نظر آتا ہے۔ عورت جب کسی خواہش کو پورا کرنے کی ٹھان لے. تو منشاء کے حصول
تک ترکیبیں بناتی رہتی ہے۔ تھک ہار کر بیٹھ جانا اور مایوسی کا اظہار کرنا اس کا معمول نہیں ہوتا۔ اس طرح عورت کا مکر ہمیشہ بڑا
ہوتا ہے۔

حاصل : جب فیصلہ علامات کے مشاہدے پر مبنی ہو، تو علامات کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ حق کے مطابق رہنے
والے اپنے اقرباء کو قانون شکنی کی سخت سزا دیتے ہیں۔ حق کو اپنے مطابق بنانے والے، اپنے عزیزوں کو
قانون شکنی کی سزا نہیں دیتے۔ وہ انہیں سرزنش ہی کرتے ہیں، وہ بھی خلوت میں، اور انفرادی گناہ کو اجتماعی
رویئے کی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ گناہ کی سیاہی وسیع جگہ پر پھیل جائے اور پھیکی نظر آئے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾

اے یوسف (علیہ السلام) آپ اس سے اعراض فرمائیے، اور اے عورت تو اپنے گناہ پر استغفار کر، بے شک تو خطا کار ہے۔

عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی نشانیاں دیکھ کر یہ کہا. اے یوسف علیہ السلام آپ اس بات کو جانے دیجئے۔ آپ کو یقیناً بڑی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑا ہے۔ آپ کی کرامت اخلاق کے شان کے لائق یہی ہے. کہ آپ اس بات کو بھول جایئے۔ اور اپنی بیوی سے اس نے یہ کہا. اے عورت تو گناہ گار ہے۔ تونے آپ کو لبھانے کی کوشش کی. آپ کو خلوت میں لے گئی. جب انہوں نے ناپاکی سے کراہت کا اظہار کیا. اور ان کے پیچھے میرے سامنے آئی. تو تم نے ان پر الزام لگا دیا۔ تیرا گناہ بالکل واضح ہے. تو استغفار کر۔ تیرے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے. کہ تو خطا کار ہے۔

حاصل : فیصلے کا اعلان طرفین کے سامنے ہونا چاہئے۔ جس کی صداقت کی اسناد مل جائیں تو اس کو پہلے مخاطب کرنا چاہئے اور اس کی عزت افزائی کرنی چاہئے۔ فیصلہ سنانے والے کا جھوٹے سے تعلق ہو، تو وہ اس کو خطا کار تو کہتا ہے. مگر سزا نہیں دیتا۔ حق کو وہی ادا کرتا ہے. جو جزا کا یقین رکھتا ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (٤٧) میں ارشاد فرمایا ہے

إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱرْتَدُّوا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَـٰرِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلْهُدَى ۙ ٱلشَّيْطَـٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

بے شک وہ لوگ جو پیچھے پلٹ گئے بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی، شیطان نے انہیں فریب دیا. اور انہیں مدت دراز تک رہنے کی امید دلائی۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِى ٱلْمَدِينَةِ ٱمْرَأَتُ ٱلْعَزِيزِ تُرَٰوِدُ فَتَىٰهَا عَن نَّفْسِهِۦ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَىٰهَا فِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا، کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان (غلام) کا دل لبھاتی ہے۔ بے شک اسے اس کی محبت کا شغف ہے۔ ہماری نظر میں وہ صریحاً غلطی کر رہی ہے۔

شرفاء مصر کی عورتوں نے جب یہ واقعہ سنا، تو اس کے بارے میں اپنے تاثرات کو بیان کیا۔ بات ان تک کیسے پہنچی؟ عزیز مصر کے نزدیک یہ بات چھپانے کے لائق تھی۔ اس کی بیوی کو اپنی ملامت کا سامان جمع نہیں کرنا تھا۔ یوسف علیہ السلام پاک تھے وہ اس خبر کو پھیلانے والے نہیں تھے۔ شہادت دینے والا، عورت کے اہل سے تھا، وہ بھی اس خبر کو پھیلانے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعہ سے تعلق ان چاروں کا ہی تھا، اور ان چاروں کا مفاد اس واقعہ کے اظہار میں نہیں تھا۔ خبر پھیلانے کا ذریعہ وہ خدمت گار بنے، جن کو عزیز کی عورت نے مکر و فریب کا جال پھیلانے میں استعمال کیا۔ یوسف علیہ السلام کو لبھانے کے لئے جو اہتمام بھی کیا گیا وہ خدمت گاروں کے تعاون کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ خبر ان عورتوں کے لئے بہت اہم تھی، جن کو کسی کی کمزوری کا پتہ لگ جائے تو وہ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے اسے بیان کرتے نہیں جھکتیں۔ خبر یہ پھیلی کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی ہے۔ نوجوان غلام کے ساتھ اظہار محبت کے علاوہ اسے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ بات کرتی ہے تو اس کی، سنتی ہے تو اس کی، کام کرتی ہے تو اس کا، کرواتی ہے تو اس کا۔ اس نوجوان غلام کو اپنے شعور پر اس طرح سوار کر لینا قطعاً غلطی ہے، اور اس غلطی کا اثر صرف اس کی ذات پر ہی نہیں پڑ رہا، اس حلقے پر بھی پڑ رہا ہے جس سے عزیز کی عورت کا تعلق ہے۔

حاصل : خدمت گار جانتے ہیں، کہ انہیں کس مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جب وہ ایک دوسرے کو راز دار بناتے ہیں، تو بات پھیل جاتی ہے۔ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے کچھ عورتیں ایسے واقعات کی ٹوہ میں لگی رہتی ہیں۔ جس بات کو برا کہنا ہو، اسے وہ اپنی شان کے منافی ثابت کرتی ہیں۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَّآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾

تو جب اس نے ان کا مکر سنا، تو ان عورتوں کو بلا بھیجا، اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو چھری دی، اور یوسف (علیہ السلام) سے درخواست کی کہ ان کے سامنے تشریف لائیے۔ جب ان عورتوں نے آپ کو دیکھا ششدر رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا ﷲ یہ بشر تو نہیں۔ یہ تو کوئی مکرّم فرشتہ ہے۔

عزیز کی عورت کو پتہ تھا، کہ شرفاء مصر کی عورتیں دیدار یوسف کے لئے بے تاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ملامت تو کرتی ہیں کہ اپنے غلام پر مفتون ہو گئی ہے، مگر یہ دیکھنے کی طلب بھی شدید ہے، کہ وہ غلام ہے کیسا۔ اس مکر کو سن کر عزیز کی عورت نے ایک مجلس آراستہ کی، اور ان عورتوں کے لئے بڑا پر تکلف اہتمام کیا۔ کھانے کی چیزیں ان کے سامنے سجا دی گئیں، جن کو کاٹ کر ہی کھایا جانا تھا۔ چھری بھی ہر ایک کو دے دی گئی، تاکہ سب بہ یک وقت مصروف ہو جائیں۔ اسی وقت میں یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے لانے کے لئے تیار کر دیا گیا، اور عزیز کی عورت نے یہ کہا، ان عورتوں کے سامنے ذرا تشریف لائیے۔ یوسف علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے۔ کھانے میں مصروف عورتوں نے جب آپ کو دیکھا تو وہ ششدر رہ گئیں۔ دیدار یوسف میں اس قدر انہماک تھا، کہ کھانے کی چیزوں پر توجہ قائم نہ رہی، اور چھری چلانے کے لئے جو شعوری احتیاط ملحوظ ہوتی ہے ختم ہو گئی، یوں انہوں نے خود کو زخمی کر لیا۔ جب عزیز کی عورت نے ان عورتوں کے جسم پر دیدار یوسف کے موقعہ پر شعور کو قائم نہ رکھ سکنے کے نشانات دیکھ لئے تو آپ سے درخواست کی، آپ جائیے۔ جب ان عورتوں نے اپنے حال پر نظر کی اور محویت کے نشانات اپنے ہاتھوں پر دیکھے، تو کہنے لگیں: یہ تو حاشاﷲ بشر نہیں ہے، یقیناً بزرگ فرشتہ لگتا ہے۔ عزیز کی عورت نے شرفاء مصر کی عورتوں کو صرف یہ نہیں دکھانا تھا، کہ آپ دیکھنے والوں کو کیسے لگتے ہیں، یہ بھی دکھانا تھا، کہ تم کسی بھی طرح انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان سب نے خلوت میں آپ کو اپنے اپنے انداز میں عزیز کی عورت کی اجازت سے لبھانے کی کوشش کی، اور جس عمل پر انہوں نے عزیز کی عورت کو ملامت کی تھی، وہ عمل ان میں سے ہر ایک نے کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص تھے، اس لئے شیطان ان کو بہکا نہیں سکتا تھا۔ جب ان عورتوں کو ناکامی ہوئی، تو انہوں نے آپ کی عدم رغبت کو عدم بشریت کا نام دیا، اور آپ کو مکرم فرشتہ کہہ کر سلام کیا۔

حاصل : عورت، عورتوں کے مکر کو جانتی ہے۔ کسی کے مکر کو واضح کرنے کے لئے مناسب مقام کا

انتخاب، مناسب سامان کا اہتمام بڑے علم سے کیا جاتا ہے۔ غائبانہ تعارف سے ایک ھیولہ ذہن میں بنتا ہے۔ پاک ہمیشہ اپنے ھیولے سے بڑا ہوتا ہے۔ ناپاک اپنے ھیولے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ کسی کو ملامت کرتے وقت، اپنے نفس پر اپنی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ اپنا کہا سنا اپنے سامنے آ جاتا ہے۔ عورت کا مکر نہ چلے تو جنس مخالف کو فرشتہ کہہ دیتی ہے۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہنے لگی، یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں۔ اور بے شک میں نے ان کو لبھایا، تو یہ معصوم رہے۔ اور اگر یہ وہ نہ کریں گے جس کا میں امر دیتی ہوں، تو یقیناً قید ہوں گے، اور عزّت بھی نہیں رہے گی۔

شرفاء مصر کی عورتوں کو ان کے اپنے ہاتھوں زخمی کروا کے، اور انہیں لبھانے میں ناکامی کا احساس دلا کر، عزیز کی عورت نے یہ کہا۔ دیکھ لیا تم نے، یہ ہیں وہ جن کے متعلق تم باتیں بناتی تھیں، اور مجھے طعنہ دیتی تھیں۔ جو کچھ تم سے ہو سکتا تھا، تم نے بھی کر کے دیکھ لیا ہے، مگر آپ کسی کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ میری طرف سے ان کو لبھانے کی کوشش میں میرے پاس وقت بہت تھا، سامان بہت تھے، مقام موزوں تھا اور غفلت بالکل نہیں تھی، لیکن صدقے اس پاک مرد کے کہ بہر حال انہوں نے اپنی عصمت کو قائم رکھا۔ مگر ایسا نہیں ہے، کہ میں ان کا پیچھا چھوڑ دوں گی۔ ان کو وہ کرنے پر مجبور کروں گی، جس کی مجھے طلب ہے۔ اگر یہ نہیں مانے تو پھر سزا دلواؤں گی، قید کرواؤں گی، اور انہیں اس مقام پر پہنچاؤں گی کہ جہاں قدر و منزلت نہیں ہوگی۔ ممکن ہے پھر ماضی یاد آئے اور موجودہ سہولتوں کی قدر ہو۔

حاصل : عورت اپنی ہم جنسوں کو متاثر کر کے اپنے عمل کی حقیقت ان پر واضح کرتی ہے تب ان کے سامنے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتی ہے، مگر ناپاک ارادے کو چھوڑنے کی بات نہیں کرتی بلکہ مستقبل میں اپنی خواہش کے پورا نہ ہونے کی صورت میں انتقامی کاروائی کے منصوبے بناتی ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

دعا کی، اے میرے ربّ، مجھے قید زیادہ پسند ہے اس کام سے، جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔ اور اگر تو ان کے مکر کو مجھ سے دفع نہ کرے گا، تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا، اور یہ جہالت ہو گی۔

شرفاء مصر کی عورتوں کے مکر و فریب میں جو دعوت تھی، اس میں خواہشات نفس کے حوالے سے سب کچھ موجود تھا۔ آپ

نے پاکیزگی کے مقابلے میں اس سب کچھ سے کراہت کا اظہار کیا، اور کہا. اے میرے رب پاکیزگی کے ساتھ قید خانے میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت ان آسائشوں کے جو ناپاکی کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان عورتوں کے مکر و فریب کو مجھ سے دور کرنا تیرا ہی کام ہے۔ ان کے عزائم قطعاً ناپاک ہیں۔ ناپاکی کے اس جال میں پھنس جانا جہالت ہوگی۔ بچ جانا صرف تیری مدد سے ہی ممکن ہے۔ تو ان کے مکر و فریب کو مجھ سے دفع کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ میری ہمت کو تجھ سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ وقف لازم کو ملحوظ رکھنا بھی تیرے عطا کردہ علم کی بدولت تھا، تیری پناہ میں رہنا بھی تیری عنایت سے تھا، اور اس دعوت کو جہالت سمجھنا بھی تیرے کرم سے ہے۔ ان عورتوں کے مکر و فریب نے اس دکھ کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ ان کے مکر و فریب کو دور کرنا تیرے ہی بس میں ہے۔ میں تیری مدد کا طالب ہوں، اور عجز و نیاز کے ساتھ اظہار بندگی کرتا ہوں۔

حاصل : مخلصین کی شان یہی ہے، کہ انہیں پاکیزگی میں راحت ہوتی ہے، چاہے اس کے ساتھ تکالیف بھی لگی ہوئی ہوں، اور ناپاکی سے کراہت ہوتی ہے، چاہے اس میں نفس کی خوشی کے سب سامان ہوں۔ اپنا حق ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾

تو آپ کے ربّ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اور آپ سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا۔ بےشک وہ سننے والا، علم والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی: اے میرے رب ان عورتوں کے مکر کو دفع کر دے، یہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے۔ جس کام کی یہ ترغیب دیتی ہیں مجھے اس سے کراہت ہے، اس کے مقابلے میں قید خانہ میرے لئے عافیت اور سلامتی کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اور آپ سے عورتوں کے مکر کو دفع کر دیا۔ اس دعا کو سننا، جس کا اظہار مدد مانگنے والے کے لئے ممکن نہ ہو، اور مدد دینے والے سے رابطے کا یہی ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اسے علم ہے، کس مقام پر کس طرح کیا تبدیلی لانی ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل : عصمت و عفت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے سکھ مانگنا چاہئے۔ وہ علیم مطلق ہے، وہ جہاں سکھ دے دے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اس سے بڑا سننے والا اور علم والا کوئی نہیں۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾

پھر اُن نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی انہیں یہی خیال آیا، کہ ایک مدت تک آپ کو قید رکھا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد حاکمان وقت کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ ایک مدت تک آپ کو قید کر دیا جائے۔ غلام کو سزا دی جائے گی، تو لوگ شرفاء مصر کی عورتوں کو نیک نام جانتے رہیں گے۔ عورت کو سزا دی گئی تو

حق کے حوالے سے بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور بڑی ہلچل مچ جائے گی۔ سکون قائم نہ رہا تو حالات پر قابو نہیں رہے گا۔ اس لئے یہی ٹھیک ہے، کہ نظام حکومت کو موجودہ حالت پر رکھنے کے لئے یوسف علیہ السلام کو ایک وقت تک قید کر دیا جائے۔

حاصل : جب حاکم جزا پر یقین نہ رکھتے ہوں، تو وہ نام چاہے حق کا لیتے ہوں، کرتے خلاف حق ہیں۔ امن وہی قائم رہے گا، جس کے نیچے لوگوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین ہو۔ ظالم حاکم کو معاشرے کی سطح پر امن دیکھنا بڑا عزیز ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں فرمایا ہے:
أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٤﴾
یا یہ سمجھے ہوئے ہیں، وہ جو برے کام کرتے ہیں، کہ ہم سے بچ نکلیں گے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾

اور قید خانے میں آپ کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا، میں نے خود کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا، میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تاویل کی خبر دیجئے، بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والا دیکھ رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالا گیا، تو وہاں کے رہنے والوں نے حسن اخلاق کے اس نمونے سے بڑی راحت پائی۔ آپ کے علم و فضل کا چرچا ہوا، تو قیدی اپنے مسائل آپ کی خدمت میں پیش کرنے لگے۔ دو جوان جن کی قید کا زمانہ آپ کے ساتھ ہی شروع ہوا تھا، ایک وقت کے بعد آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے اپنے خوابوں کی تعبیر جاننے کے لئے آپ کو اپنے خواب سنائے۔ ایک نے یہ عرض کیا، کہ اس نے خود کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسرے نے یہ عرض کیا، کہ اس نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں، اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں۔ دونوں نے یہ گزارش کی، کہ ہمیں آپ کے سامنے اپنا خواب بیان کرنا ضروری معلوم ہوا ہے، آپ تعبیر بیان فرمادیں گے تو آپ کی عنایت ہوگی۔ ہم نے دیکھا ہے، کہ آپ لوگوں پر احسان کرتے ہیں، ہم بھی اسی احسان کے طالب ہیں۔

حاصل : دکھ بھی مشترک قدر بن جاتا ہے۔ قیدی اپنے ساتھیوں کے مشاہدات و تاثرات سنتے بھی ہیں، انہیں سناتے بھی ہیں، اس لئے آسانیاں دینے والا بہت جلد متعارف ہو جاتا ہے۔ احسان کرنے والے کے

سامنے اپنا حال بیان کرنے میں کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ خواب کی تعبیر اسی سے پوچھنی چاہئے، جو حق کو مانتا ہو اور اسے احسن طریق سے ادا کرتا ہو۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾

فرمایا، تمہارا طعام جو تمہیں ملا کرتا ہے، تمہارے پاس آنے نہیں پائے گا کہ اس کے آنے سے قبل میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ علم ہے جو مجھے میرے ربّ نے سکھایا ہے۔ میں نے اس قوم کی ملّت ترک کی، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے خوابوں کی تعبیر، تمہارے طعام کے آنے سے پہلے تمہیں بتادی جائے گی، تاکہ تم پر بوجھ نہ پڑے۔ تعبیر بھی تمہیں مطلوب ہے، کھانے کا بھی تمہیں انتظار ہوتا ہے، اس لئے اطمینان رکھو کہ تمہاری راحت اور کھانے کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ کھانے کی بات قیدیوں کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت نے ان کی جسمانی ضروریات کے متعلق ان کو تسلی دے کر نصیحت کرنی شروع کی۔ اپنے بارے میں یہ فرمایا، کہ جس علم سے میں تعبیر بتاتا ہوں، یہ میرے رب کا عطا کردہ ہے جو علیم مطلق ہے، اس لئے اس سے بہتر کوئی علم نہیں ہو سکتا۔ تعبیر بیان کرنے والے کی شان یہ ہے، کہ وہ اللہ پر ایمان نہ لانے والوں، اور آخرت کا انکار کرنے والوں کی ملت کو ترک کر چکا ہے اور ان کے قول و فعل کو کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

حاصل : روحانی تسکین کے طالب کو اس کی جسمانی ضروریات کے بارے میں اطمینان دلا کر دوسری باتیں کرنی چاہئیں۔ جس علم کے حوالے سے کوئی پوچھنے آئے، اس علم کے عطا کرنے والے کا ذکر پہلے کرنا چاہئے، پھر اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ قوم اور ملت ہم معنی لفظ نہیں ہیں۔ ملت کا تعلق عقیدے سے ہوتا ہے۔ قوم میں مختلف عقائد والے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اور میں اپنے آباء ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کی ملّت کا اتباع کرتا ہوں۔ ہم کسی شے کو اللہ کا شریک قرار دینے والے نہیں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، مگر اکثر لوگ

يَشۡكُرُونَ ﴿٣٨﴾ شکر نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بزرگان عالی قدر کا نام لے کر ان کی ملت کے اتباع کا ذکر کیا، تاکہ حال کی تصدیق ماضی کے حوالے سے ہو. اور یہ روشن ہو، کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک قرار دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اللہ مالک کل ہے۔ خالق کل ہے۔ توفیق دینے والا ہے۔ بشارت و انذار کے راستوں کو مرسلین کے ذریعے سے واضح کرتا رہا ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ عبادات کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ساتھ معاملات اس طرح سے ہوں، کہ اپنے حق کی ادائیگی کو کسی کے عمل کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو لاشریک ماننے کی سند ہے۔ یکسوئی کا یہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے. جو انبیاء کرام کو عطا ہوا اور ان کی شہادت سے سب لوگوں تک پہنچا۔ اللہ کا یہ فضل سب لوگوں کے لئے ہے۔ مگر جو لوگ یکسوئی کے علم کی قدر نہیں کرتے وہ ناشکرے ہیں. اور ناشکرے اللہ کے فضل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

حاصل : حق کی تبلیغ سے پہلے انبیاء کرام سے اپنے تعلق کا اظہار کرنا چاہئے۔ یہ کہنا چاہئے، ہم کسی شے کو اللہ کا شریک قرار دینے والے نہیں۔ یکسوئی کا علم اللہ کا فضل ہے، اور یہ علم سب کے لئے ہے۔ جو اس کی بےقدری کرے، اسے یکسوئی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ اے قید خانہ کے رفیقو، کیا متفرق رب بہتر ہیں، یا اللہ جو واحد ہے اور قہار ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ساتھیوں کو خطاب کرتے وقت، حال کے حوالے سے بات کی گئی ہے، اور ان سے پوچھا گیا ہے، کہ اظہار بندگی کے لئے کون سا راستہ صحیح ہے۔ کچھ لوگ بہت سے رب بنا لیتے ہیں، اور ربوبیت کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان کا کسی رب کے ساتھ بھی کلی اور ہمہ وقتی تعلق نہیں ہوتا۔ اپنی خواہشات کے حوالے سے انہوں نے جو نام رکھ لئے ہیں، جو شکلیں بنا رکھی ہیں، جو تماثیل تراش لی ہیں اور ان کی پوجا کا ایک طریقہ بھی خود ہی تجویز کر لیا ہے، بندگی کا یہ طریقہ زندگی کو تضادات کا مجموعہ بنا دے گا۔ اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، توفیق دینے والا معطیٔ مطلق ماننا، اور ہر حال پر اس کے غلبے کو تسلیم کرنا، بندگی کا یہ طریقہ زندگی کو تضادات سے پاک کر دے گا۔ صرف اسی صورت میں کوئی معاشرہ وحدت فکر کے مقام پر آ سکتا ہے، جو کسی معاشرے کے باحقیقت ہونے کے لئے ضروری ہے۔

حاصل : ساتھیوں سے خطاب، حال کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ جب متفرق رب مانے جائیں گے. تو اپنی خواہش کی پیروی سے بچنا ناممکن ہو گا۔ اللہ کو مانا جائے گا، تو سیدھ ہر مقام پر قائم رہے گی، اور وحدت فکر، ماننے والوں کا امتیاز ہو گی۔

مَا تَعۡبُدُونَ مِنۡ دُونِهٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّيۡتُمُوهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ تم اس کے مقابل کچھ نہیں پوجتے مگر نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾

لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ حکم نہیں مگر اللہ کا۔ اس کا امر ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جن کی اللہ کے مقابل بندگی کی جاتی ہے، ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ وہ چند نام ہیں، جو
حال پر بت پرستوں نے رکھ لئے ہیں، اور ماضی میں بت پرستوں نے رکھ لئے تھے۔ خالق کل کی طرف سے اس کی کوئی سند نازل
نہیں فرمائی گئی۔ جزا دینے والے کا حکم ہی حکم ہے۔ کسی دوسرے کا یہ حق ہی نہیں، کہ وہ خود کو حکم دینے والے کے مرتبے کے
برابر بتائے۔ حکم مالک کل کا ہے، حکم مالک یوم الدین کا ہے۔ اس نے یہ فرمایا ہے: کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے۔ اللہ
کی رضا کو احق مانا جائے، اور اس کے ڈر کو بھی احق مانا جائے۔ جو حکم، حکم الٰہی کے خلاف ہو، اس کو ماننے سے انکار کیا جائے، یہ
سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ حکم الٰہی کی باتیں کرتے رہتے ہیں، حکم کو مانتے نہیں۔ اس لئے حکم کو جاننے کا مقام ان پر نہیں
آتا۔ جاننے کا مقام ہمیشہ ماننے کے بعد آتا ہے۔

حاصل : حکم خداوندی کے خلاف جو بھی کیا جائے، بے سند ہوتا ہے۔ جو حکم، حکم الٰہی کے خلاف ہو اس
کو ماننے سے انکار کرنا چاہئے۔ دین کا علم، حکم الٰہی کو ماننے سے ہوتا ہے۔ نہ ماننے سے اور دین کی باتیں
کرنے سے، علم حقیقی کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو، تم میں ایک تو اپنے صاحب کو شراب پلائے گا اور دوسرا جو ہے، اس کو سولی پر چڑھایا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، فیصلہ ہو چکا اس بات کا، جس کے متعلق تم سوال کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمادی۔ مگر ان کی موجودگی کے باوجود انہیں الگ
الگ خطاب نہیں کیا۔ بات ان پر واضح تھی۔ آپ نے یہ فرمایا: تم میں سے ایک تو اپنے صاحب کو شراب پلانے پر مامور ہو جائے
گا۔ رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا۔ اس کو دی گئی سزا کو دیکھنے والوں کے لئے عبرتناک بنانے کے لئے اس کی لاش کو ایک وقت
تک لٹکتے رکھا جائے گا، حتیٰ کہ پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم نے جو پوچھا وہ تمہیں بتا دیا گیا
ہے۔ جس علم سے یہ فیصلہ سنایا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، اس لئے اس کی قطعیت میں شک نہیں ہو سکتا۔

حاصل : بات سننے والوں کی سمجھ میں آ جائے، اس سے زیادہ وضاحت غیر ضروری ہوتی ہے اور
تکلیف دہ بھی ہوتی ہے، اس لئے ایسی وضاحت سے اجتناب ضروری ہے۔ جو فیصلہ علم حقیقی پر مبنی ہو، وہ
بدلا نہیں کرتا۔

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ز فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور ان دونوں میں سے جسے آپ نے نجات پانے والا دیکھا، اس سے یہ کہا، کہ اپنے صاحب کے پاس میرا ذکر کرنا۔ تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ آپ کا ذکر اپنے صاحب سے کرے، تو آپ کئی برس قید خانے میں رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے، دونوں قیدیوں میں سے ایک کو نجات پانے والا دیکھا، اس سے یہ کہا، کہ جب تم اپنے
منصب پر بحال ہو جاؤ، اور تمہیں اپنے صاحب کا قرب حاصل ہو، تو میرے بارے میں اپنے تاثرات کو بیان کرنا۔ آپ اس قیدی
کے محسن تھے۔ اسے اپنے صاحب سے آپ کا ذکر کرنا چاہئے تھا۔ قید خانہ کے حالات کا اپنے صاحب سے بیان کرنا، اصلاح قید
خانہ کے لئے ضروری تھا۔ آپ نے نجات پانے والے قیدی کو جو بھی کہا، وہ قطعاً حق تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آزادی کی
طلب کے پیش نظر یہ تدبیر نہیں کی تھی۔ ثبوت یہ ہے کہ جب بادشاہ نے آپ کو بلایا، تو آپ نے بادشاہ کے پیغام بر کو لوٹا دیا، اور
فرمایا: اپنے صاحب کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اِنَّ رَبِّيْ
بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ میرے رب کو ان کے مکر کا بڑا علم ہے۔ باہر کے حالات جب تک پاکیزگی اور سلامتی کے حوالے سے درست نہ
ہوتے، یوسف علیہ السلام کو قید خانہ عزیز تھا۔ اس لئے یہ کہنا کہ آپ نے خلاف توکل، قیدی سے یہ کہا، کہ اپنے صاحب سے میرا
ذکر کرنا درست نہیں ہے۔ نجات پانے والا قیدی، آپ کے علم کو دیکھ چکا تھا، آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ چکا تھا۔ مسائل کو حل
کرنے کی جس صلاحیت کا اس نے آپ کی ذات گرامی میں مشاہدہ کیا تھا، اسی کو اس نے اپنے صاحب کو سامنے بیان کرنا تھا۔ نجات
پانے والے قیدی نے تکلیف کے زمانے کو بھلا دیا، اور اپنی چاہتوں میں ایسا الجھا کہ اسے اپنے محسن کا ذکر کرنا یاد ہی نہ رہا۔ اپنی
خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو تو شیطان بہکاتا ہی ہے۔ نجات پانے والا قیدی، اپنے صاحب سے حضرت یوسف علیہ السلام کا
غائبانہ تعارف ہی کروا سکتا تھا۔ یہ تعارف اس کے صاحب کے لئے مفید بھی تھا، ضروری بھی تھا، کہ علم حقیقی کے جاننے والے سے
رہنمائی حاصل کرنے کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کے علم اور مرتبے کو نہ جاننے والوں نے کئی سال آپ کو قید خانہ میں
رکھا۔

حاصل : بلند مقامات پر اپنے محسن کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس سے سکھ پہنچانے والے کا تعارف ہو جاتا ہے۔
لوگوں کو آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اپنی پسند کے کاموں میں الجھ جانے والا، اپنے محسن کو بھول جاتا ہے۔
علم والوں کی بے قدری، علم والوں کے لئے بھی تکلیف دہ ہوتی ہے، فائدہ نہ اٹھانے والوں کو بھی دکھ ہی

پہنچتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزّمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

فرما دیجئے: کیا مساوی ہیں، علم والے اور علم نہ رکھنے والے۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾

اور بادشاہ نے کہا، کہ میں نے خواب میں سات فربہ گائیں دیکھی ہیں، جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں، اور سات بالیں سبز اور دوسری خشک، اے درباریو، مجھ سے میرے خواب کی تعبیر کہو، اگر تم خواب کی تعبیر دینا جانتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کی قدر و منزلت بڑھانا، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس نے اس کے لئے جو اسباب چاہے پیدا کر دیئے۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا، کہ سات گائیں ہیں جو موٹی تازی ہیں، مگر انہیں دوسری سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں۔ اسی خواب میں بادشاہ نے یہ بھی دیکھا، کہ سات ہری بالیاں ہیں، اور دوسری سات خشک ہیں، اور خشک بالیں، ہری بالیوں پر لپٹ کر انہیں سکھا دیتی ہیں۔ بادشاہ کو یہ خواب بہت عجیب لگا۔ اس نے اپنے درباریوں سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی مگر یہ تاکید کر دی، کہ جسے معبّر ہونے کا دعویٰ ہو، وہی بیان کرے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، اسباب اسی کے مطابق رخ اختیار کرنے لگتے ہیں۔ جس علم کے حوالے سے بات ہو رہی ہو، اس علم کے جاننے والوں کو بولنا چاہئے، دوسروں کو سننا چاہئے۔ بولنے والوں پر لازم ہے، کہ وہ سننے والوں کے لئے الجھاؤ کا باعث نہ بنیں۔

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾

کہنے لگے، یہ پریشان خوابیں ہیں، اور ہم ایسی باتوں کا مطلب نہیں جانتے۔

درباریوں نے بادشاہ کے خواب کو سن کر، اسے غیر اہم قرار دیا، اور اس کے متعلق یہ رائے دی، کہ بعض اوقات نیند میں [illegible]ی صورتیں اور ایسی کیفیتیں نظر آ جاتی ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایسا ہی خواب ہے۔ ایسی باتوں کی [illegible]ویل ہمارے علم میں نہیں۔ بادشاہ کو اس خواب کے بعد جو پریشانی لاحق تھی، وہ اس کے رویئے سے بالکل عیاں تھی۔ درباریوں [illegible]ی کوشش یہی تھی، کہ اس پریشانی کو بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ کو یہ منظور تھا، کہ انسان کا بنایا ہوا علم جو [illegible]ے اور گمان پر مبنی ہوتا ہے، علم حقیقی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھ لے، اور جس ذات پاک کو اس علم حقیقی سے نوازا گیا ہے، لوگ

اس کے بلند مرتبے کو دیکھ سکیں۔

حاصل : درباری لوگ، اپنے صاحب کی خوشی کے لئے باتیں بناتے رہتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں، تو اس مقام کو غیر اہم ثابت کرنے سے نہیں چوکتے۔

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾

اور ان دو میں سے نجات پانے والا بولا، اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا، میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، مجھے بھیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں داخل ہونے والے دو جوانوں میں سے ایک کو رہائی ملی تھی، اور یہ بادشاہ کے درباریوں میں سے ایک تھا۔ بادشاہ کی خواب کو سن کر اور درباری معتبروں کی بے بسی کو دیکھ کر اسے یاد آیا، کہ قید خانے میں اسے ایک بزرگ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اور اس کے خواب کی تعبیر آپ نے بڑے یقینی علم سے بیان فرمائی تھی۔ اسے یہ بھی یاد آیا، کہ اس نے اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے آپ کا غائبانہ تعارف کروانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اس نے دربار والوں سے رخصت کی اجازت چاہی، اور انہیں یہ بتایا، کہ وہ انہیں بادشاہ کے خواب کی تعبیر لا کر دے گا، اور وہ ایسی تعبیر ہو گی، جو قطعاً درست ہو گی۔

حاصل : مخلصین کی صحبت میں گزرے ہوئے لمحات سرمایہ حیات ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی دنیاوی مشکلات کے حل کو ڈھونڈتے ہوئے مخلصین تک پہنچ پاتے ہیں، وہ اگر اپنی مشکل کے حل ہونے کے بعد انہیں بھول جائیں تو اپنی یا اپنے متعلقین کی آئندہ مشکلات میں انہیں پورا ماضی یاد آ جاتا ہے۔ تب وہ اپنے ساتھیوں کو اطمینان دلا کر، ان کی مشکل کی گرہ کشائی کا وعدہ کرتے ہیں۔

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾

اے یوسف علیہ السلام اے صدّیق، ہمیں تعبیر بتایئے، سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دبلی گائیں کھاتی ہیں، اور سات ہری بالیاں اور دوسری سوکھی کہ میں تعبیر کے ساتھ لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں، تاکہ انہیں علم ہو جائے۔

بادشاہ کے ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور آپ کی صداقت کو بصد تکریم

تسلیم کیا۔ نجات پانے والے کی ذات، یوسف علیہ السلام کی صداقت کی نشانی تھی۔ آداب بجالانے کے بعد حاضر خدمت ہونے کا منشاء عرض کیا، اور خواب بیان کیا۔ یہ بھی عرض کیا، کہ اس تعبیر کو لے کر اسے لوگوں کی طرف لوٹ کر جانا ہے، انہیں اس خواب کی تعبیر جاننی چاہئے۔ درباری معبّراس کو خواب پریشان کہہ کر بادشاہ کو اس خواب کے غیر اہم ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ آپ کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ سند کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ کی بیان کردہ تعبیر سن کر یہ لوگ آپ کے علمی مرتبے کو جان سکیں گے، اور اس طرح جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے، اس کا ازالہ ہو جائے گا۔

حاصل : جس کی صداقت کا مشاہدہ ہو چکا ہو، اس کا احترام بڑھ جاتا ہے۔ اس کی بات پورے یقین سے سنی جاتی ہے، اور لوگوں کو پورے یقین سے سنائی جاتی ہے۔ لوگ جس قدر مذکورہ صاحب کی تکریم کریں تعارف کرانے والے کو اسی قدر راحت ہوتی ہے۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

فرمایا، تم سات برس خوب زراعت کرو گے، جو کاٹو اسے اس کی بال میں رکھ چھوڑو مگر تھوڑا جو تمہیں کھانا ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا: سات برس خوب زراعت ہوگی۔ فصلیں اچھی ہوں گی۔ ان سات برسوں کی پیداوار کو سنبھالنے کی بہترین صورت یہی ہے، کہ پکے ہوئے دانے، ان کی بالوں میں رہنے دیئے جائیں۔ حفاظت کا جو بندوبست اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔ جو دانے استعمال کرنے ہوں وہ بالکل ضرورت سے زاید نہ ہوں۔ انہیں ان کی بالوں سے نکال کر استعمال کر لیا جائے۔ آپ نے تعبیر بھی بتائی، اور سلامتی کے ساتھ رہنے کی تدبیر بھی بتائی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے استفادہ کرنے والوں پر کوئی شرط نہیں لگائی۔

حاصل : مخلصین کی طریقت یہی ہے، کہ عطاالٰہی کو تقسیم کرنے میں دیر نہ لگائی جائے، اور کوئی شرط بھی نہ عاید کی جائے۔ تعبیر وہی پوری ہوگی، جس کے ساتھ اس حال پر رہنے کی احسن تدبیر بھی موجود ہوگی۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے، کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے رکھا ہو گا، سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم بچا رکھو گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ سات برس خوب فصلیں ہوں گی، اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے، اور ان سات برسوں میں پہلے سات برسوں کا بچایا ہوا سب ختم ہو جائے گا، سوائے اس کے جسے روک رکھا جائے گا۔ آسانی کے سات برسوں میں بچا کر رکھنے کی تدبیر ضروری تھی۔ تنگی کے سات برسوں میں بچا کر رکھے ہوئے کو اس طرح استعمال کیا جانا تھا، کہ

مشکل وقت بھی گزرے اور کچھ بچ بھی رہے۔ انفرادی سطح پر بھی احتیاط لازم تھی، اجتماعی سطح پر بھی دھیان رکھنا ضروری تھا، کہ کسی جگہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

حاصل : اجتماعی مسائل تبھی حل ہوتے ہیں، جب فرد اپنی ذات کے ساتھ رعایت نہ برتے، اور دوسروں کو رعایت دے۔ جہاں اصول و ضوابط کو اپنی خواہشات کے مقابل غیر اہم سمجھا جائے گا، وہاں اجتماعی مسائل بڑھتے رہیں گے۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

پھر اس کے بعد ایک برس آئے گا، جس میں لوگوں پر بارش خوب ہو گی، اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے۔

خواب کی تعبیر بیان کر دینے کے بعد، آسانی کے سالوں میں اور قحط کے سالوں میں فصلوں کو سنبھالنے اور کھانے کے اصول و تدابیر کو واضح کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت نے یہ بشارت بھی دی، کہ ان مذکورہ سالوں کے گزرنے کے بعد ایک سال آئے گا، جس میں بارش خوب ہو گی، مردہ زمین زندہ ہو جائے گی، فصلیں اچھی ہوں گی۔ لوگ برکات سے نوازے جائیں گے، اور تنگی کے بعد انہیں آسانی حاصل ہو گی۔ ثمرات بھی کثرت سے ہوں گے، غلہ بھی بہت ہو گا۔ یہ بشارت بھی تعبیر کا حصہ ہے، کہ عسر کے ساتھ ہی یسر بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا ہوتا ہے۔

حاصل : خواب کی تعبیر وہی پوری ہو گی، جس میں سلامتی کے راستے کو روشن کیا جائے۔ تنگی کے وقت سے آگاہی حاصل ہو تو اس وقت کو گزارنے کی احسن صورت بھی معلوم ہو جائے، اور تنگی کے بعد آسانی کی بشارت بھی دی جائے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (٣٢) میں ارشاد فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾

اور کیا دیکھتے نہیں کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بھیجتے ہیں، پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ اس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا انہیں سوجھتا نہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ

اور بادشاہ نے کہا، انہیں میرے پاس لے آؤ، تو جب اس کا بھیجا ہوا آپ کے پاس پہنچا، فرمایا: اپنے صاحب کے پاس لوٹ

رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

جاؤ اور اس سے سوال کرو کہ ان عورتوں کا حال کیا ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، میرا رب تو ان کے مکر کو جانتا ہے۔

ساقی کی زبان سے خواب کی تعبیر سن کر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس نے حکم دیا، کہ یوسف علیہ السلام کو دربار میں لایا جائے۔ جب بادشاہ کا بھیجا ہوا، حضرت کی خدمت میں پہنچا، اور بادشاہ کے بلاوے کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا: جس حوالے سے مجھے قید میں ڈالا گیا تھا، اسی حوالے کے فیصلے سے اس قید کو ختم ہونا چاہئے۔ جن عورتوں نے میرے ساتھ مکر کیا تھا، اور جن کے مکر کو سن کر مجھے قید کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، ان سے حقیقت حال معلوم کی جائے۔ ان کی نشانی یہی ہے، کہ انہوں نے محویت میں پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیا تھا۔

حاصل: جس کی دانش اور علم و فضل کا یقین ہو جائے، اس سے ملنے کا شوق کا ہو جاتا ہے۔ علم والے ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں، کہ جس حوالے سے کسی کام کی ابتدا ہوئی تھی، اسی حوالے سے اس کی انتہا ہونی چاہئے۔ اگر فیصلہ کرنے والے کو وہ حوالہ ملحوظ نہ رہے تو فیصلے سے متاثر ہونے والے، ابتدائی حوالے کا ذکر کرنا اپنا حق جانتے ہیں۔ منشاء یہی ہوتا ہے، کہ پاکی اور ناپاکی کے درمیان حد فاصل کو دیکھا جائے، اور شبہات کی بیخ کنی ہو۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

بادشاہ نے عورتوں سے کہا، تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف علیہ السلام کا دل لبھایا۔ کہنے لگیں، اللہ کو پاکی ہے، ہمیں ان میں کسی برائی کا علم نہیں۔ عزیز کی عورت بولی، اب اصل بات کھل گئی ہے، میں نے ان کو لبھایا تھا، اور یہ یقیناً صادق ہیں۔

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کو جاننے کے ساتھ ہی آپ کی پاکیزگی کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا۔ ان عورتوں کو بلا بھیجا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اور یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کا یقین رکھتے ہوئے، ان سے پوچھا: تمہارا کیا کام تھا، کہ تم نے حضرت کا دل لبھایا۔ اس کے جواب میں عورتوں نے کہا۔ آپ کے متعلق ہمارا مشاہدہ یہی ہے، کہ ہم نے آپ میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ عزیز کی عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کو جس قدر دیکھا تھا، کسی دوسرے کا مقام نہیں تھا۔ اب اس کو آپ سے محبت ہو چکی تھی۔ اس کے محبوب کے بارے میں، ہاتھ کاٹ لینے والی عورتیں گواہی دے

رہی تھیں کہ انہوں نے آپ کی ذات پاک میں کوئی برائی نہیں دیکھی، مگر اپنے عمل کے بارے میں انہیں کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ عزیز کی عورت اگر خاموش بھی رہتی، تو بادشاہ آپ کی پاکیزگی کا معترف تھا، مگر محبت نے اس عورت کو حوصلہ دیا، اور اس نے جلوت میں یہ شہادت دی: حق واضح ہو چکا ہے، میں نے ان کو لبھایا تھا، اور ان کی پاکیزگی اور صداقت میں کوئی شک نہیں۔

حاصل : فیصلہ کرنے والے کو پاک اور ناپاک سے ایک ہی لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیئے۔ جس کی پاکیزگی کو روشن کرنا مقصود ہو، اس کے بارے میں یہ پوچھنا چاہیئے، کیا اس صاحب میں کسی نے برائی دیکھی ہے۔ اور جواب یہی ہو کہ نہیں دیکھی، تو پاکیزگی روشن ہو جائے گی۔ محبّ ہی اپنے محبوب کے متعلق پوری بات کر سکتا ہے۔ جو اپنے قصور کا اعتراف نہ کرے، وہ باحقیقت نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

یہ اس لئے کہ اسے علم ہو جائے، کہ میں نے اس کے پیچھے اس کی کوئی خیانت نہیں کی اور اس لئے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا مکر چلنے نہیں دیتا۔

جب لوگوں نے یہ دیکھا، کہ آپ کو قید سے بڑی عزت کے ساتھ نجات مل رہی ہے لیکن نجات سے پیشتر آپ اس واقعہ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں جس کی بناپر آپ کو قید میں ڈالا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ اس لئے ضروری ہے کہ میرے ماضی کے بارے میں جو شبہات تھے وہ اس طرح ختم ہوں کہ عزیز کو علم ہو جائے کہ اس کے گھر میں جس طرح رہنے کی اس نے مجھے اجازت دی تھی میں بالکل اسی طرح رہا ہوں، اس صورت میں کسی خیانت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ نہیں ہے، وہ کبھی خیانت کرنے والوں کا مکر چلنے نہیں دیتا۔

حاصل : اپنی پاک دامنی کو ثابت کرنا حق ہے۔ اس کے ساتھ ہی تائید ایزدی کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، کہ حق کو چھپانے کے لئے جو بھی مکر کیا جائے، ناکام ہو جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے مکر کرنے والوں کی تدبیر کی حقیقت ہی کیا ہے۔

(الجزء الثالث عشر ۱۳)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں اپنے نفس کی برأت کی بات نہیں کرتا، بےشک نفس تو برائی کا امر کرتا ہے، مگر جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔ بےشک میرا ربّ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ماضی کے واقعہ سے پردہ اٹھانے کا منشاء یہ نہیں ہے، کہ میں اپنے نفس کی برأت اور

نزاہت کا ذکر کر کے اپنے دل کو خوش کروں۔ نفس کا مزاج جب وہ امّارہ کے درجے میں ہو، یہی ہے کہ وہ برائی کا امر کرتا ہے اور لبادہ اس کا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر جس پر میرے ربّ کا رحم ہو جائے وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔ جو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے، اسے نفس کی خوشی مطلوب ہی نہیں ہوتی۔ یہ ایک انعام ہے جو میرا ربّ عطا فرماتا ہے، جو بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : اپنے نفس کی نزاہت و برأت ثابت کرنے کی بجائے، اللہ کے رحم کا ذکر کرنا چاہئے۔ جسے اللہ کی رضا کے مقابل اپنے نفس کی خوشی مطلوب نہ ہو، اللہ کا رحم اسے اپنے احاطے میں لئے رکھتا ہے۔ اس میں جو راحت ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾

اور بادشاہ نے کہا، انہیں میرے پاس لے آؤ، میں انہیں اپنا معتمد خاص بنا لوں گا۔ پھر جب آپ سے کلام کیا، کہنے لگا، بے شک آج آپ ہمارے ہاں معزز معتمد ہیں۔

اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ کا رابطہ بالواسطہ تھا۔ اس نے اپنے خواب کی تعبیر آپ سے پائی۔ آسانی اور تنگی کے سالوں میں رہنے کی تدبیر آپ سے پائی۔ آپ نے قید سے نجات کے لئے اس حوالے کا ذکر کیا، جس حوالے سے آپ کو قید میں ڈالا گیا تھا۔ قید سے نجات میں جلد بازی نہ کرنے پر دیکھنے والوں کی حیرت کا جواب بھی آپ نے دیا۔ یہ باتیں بھی بادشاہ کے علم میں آئیں۔ تو اس نے اپنے دربار میں اعلان کیا: کہ حضرت کو یہاں لایا جائے۔ میں انہیں ان کے علم و فضل اور صبر و تحمل کی بدولت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اب میں انہیں اپنا معتمد خاص بناؤں گا۔ اعلان درباریوں کو سنانے کے لئے کیا گیا تھا، کہ کوئی آپ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے مرتبے کے بارے میں لاعلم نہ رہے، اور آپ کے مرتبے کے حوالے سے آپ کی تکریم میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔ جب آپ تشریف لے آئے، اور بادشاہ کے انتظام و انصرام کے مطابق آپ سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی، اس نے آپ سے کلام کیا۔ بالمشافہ بات چیت سے بادشاہ کے اندر آپ کی قدر و منزلت مزید بڑھی۔ اس نے کہا: جو ہو چکا سو ہو چکا، آج سے آپ ہمارے ہاں بڑے عزت والے اور بڑے معتمد ہیں۔ ہم آپ کے فرمان کو بھی مانیں گے، اور مقام کوئی ہو، آپ کی نظر سے ہی دیکھیں گے۔ آپ کا فیصلہ ہمارا فیصلہ تو ہو گا ہی، مگر یہ ایسا فیصلہ ہو گا، جس کو ہم بدلیں گے نہیں۔ آپ پر کسی کو شک کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ آپ کے حکم کی اسی طرح تعمیل ہوگی، جس طرح ہمارے حکم کی ہوتی ہے۔ درباریوں نے آپ کے مرتبے اور مقام کو خوب جان لیا۔

حاصل : جس کے علم و فضل اور صبر و تحمل کا پتہ بالواسطہ چلے، اس سے ملاقات ایسے ماحول میں کرنی چاہئے، جہاں سب آدابِ تکریم سے آگاہ ہوں۔ بات چیت میں اپنی قلبی کیفیت کو بیان کرنا چاہئے، اور آخر میں اس صاحب کے مرتبے اور مقام کا اعلان کرنا چاہئے، جس سے ملنے اور اپنے ساتھیوں کو ملانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

فرمایا، مجھے ملکی خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا، علم والا ہوں۔

بادشاہ کو آنے والے سالوں کے بارے میں جب یہ معلوم ہو گیا، کہ پہلے سات سال فصل اچھی ہو گی، پھر سات سال قحط کے ہوں گے، تو اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی، کہ کسی ایسے صاحب کو جس کی خوش انتظامی شک و شبہ سے بالا ہو ملکی خزانوں پر مقرر کیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: اس خدمت کے لئے جس اہلیت کی ضرورت ہے وہ ہے، حفاظت پیداوار کا علم اور تقسیم پیداوار کا علم۔ میرے پاس یہ علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ موجودہ وسائل کو اس طرح استعمال کیا جائے، کہ ضروریات زندگی سب کو میسر آئیں، اور فرد اپنی ضرورت کو اس حد سے آگے نہ بڑھنے دے، جو اجتماعی سلامتی کے لئے مقرر کی گئی ہے تو قحط کے دکھ کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ طلب امارت اور مشکل حالات میں اپنی خدمات کا پیش کرنا کبھی مساوی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : طلب امارت، خواہش کی پیروی ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ مشکل حالات میں خدمات سرانجام دینا، اجتماعی بھلائی کے لئے اچھی اور قابل تقلید مثال قائم کرنا، امانت و دیانت کے ساتھ آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھنا، لوگوں کو ضروریات زندگی کے نام پر خواہشات نفس کی پیروی سے روکنا، یہ سب کام صرف مخلصین ہی کر سکتے ہیں۔ امارت کی طلب ہو تو یہ کام نہیں کئے جا سکتے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۗ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں اقتدار بخشا، اس میں جہاں چاہیں متمکّن ہوں۔ ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے نوازیں، اور ہم محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں اقتدار اعلیٰ سے نوازا، جس میں آپ کچھ عرصہ پہلے عزیز مصر کے غلام تھے۔ اختیار و اقتدار کا یہ عالم تھا، کہ پورا ملک آپ کے تصرف میں تھا۔ آپ کا فرمان بڑے احترام کے ساتھ مانا جاتا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بڑے علم سے اور بڑی حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو علم و حکمت سے دور ہو وہ ایسے امور کو جاننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ محسنین وہ لوگ ہوتے ہیں، جو مصائب و آلام کو باذن اللہ جان کر صبر کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے، یہ دیکھتے ہیں، کہ رضاالٰہی کے مطابق حال پر ان کا عمل کیا ہونا چاہئے۔ یہ لوگ بھلائی کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ اپنے تعارف میں یہ بتا دیتے ہیں "کہ ہمارا اجر رب العالمین پر ہے"۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ محسن کو رضاء الٰہی کے حصول میں راحت ملتی ہے۔ لوگ اس کی قدر کریں یا بےقدری کریں، وہ اسے باذن اللہ جانتا ہے۔

حاصل : جسے اللہ تعالیٰ اقتدار بخشتا ہے، وہ پاکیزگی کے حوالے سے برسراقتدار آتا ہے۔ جو ناپاک ہو اور اقتدار پر قابض ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ضرور ہوتا ہے۔ اقتدار اس کے لئے دنیا میں بھی باعث عذاب ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہو گا۔ جس کی پاکیزگی کی سند موجود ہو، اس کے اختیار کو تقویت دینی چاہیئے، اس کی تکریم کرنی چاہیئے۔ ہم پر کسی کا احسان ہو تو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے یاد رکھنا چاہیئے، اور ہمارا کسی پر احسان ہو، تو اسے یاد نہیں رکھنا چاہیئے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

اور آخرت کا اجر ان کے لئے بہتر ہے، جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے رہے۔

حیات دنیا میں جو لوگ رضاء الٰہی کے مقابل کسی کی خوشی نہیں دیکھتے، اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی سے ڈرتے نہیں یہ اللہ کو ماننے والے اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں، آخرت کا یقین رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان کے لئے یقیناً آخرت کا اجر بہتر ہے۔ انہیں دنیا میں حسن عمل کا بدلہ، اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہونے کی بدولت، راحت کی صورت میں ملتا ہے۔ آخرت میں یہ بڑی عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہوں گے۔ جو لوگ حیات دنیا میں من مانی کرتے ہیں، اور اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ جو بھی کرتے ہیں، لوگوں کی خوشی کے لئے یا لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی۔ آخرت میں تو انہیں عذاب ہو گا ہی۔

حاصل : ایمان اور تقویٰ حیات دنیا میں باعث راحت ہوتا ہے۔ آخرت میں تو ایسے حضرات کو بڑے اجر سے نوازا جائے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف (۴۶) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے درجات ہیں، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال پورے بھر دے، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے، اور آپ کے پاس حاضر ہوئے، تو آپ نے انہیں پہچان لیا، اور وہ آپ کو نہیں پہچان سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ملک میں ایسا انتظام کیا، کہ سات سال میں ملک کے غلے کو سنبھال کر رکھنے والے گودام

بھر گئے۔ لوگوں نے اپنی ضرورتوں کو کم کرنے کی مسلسل کوشش کی۔ مصر والے قحط کے زمانے میں غلہ دینے والے مشہور ہو گئے۔ اس شہرت کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر میں آئے۔ لوگوں سے غلہ حاصل کرنے کا طریقہ معلوم کیا، اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں پہچان لیا، مگر وہ آپ کو نہیں پہچان سکے۔ آپ نے بھی بھائیوں کو بڑی مدت کے بعد دیکھا تھا، مگر ان کی سابقہ اور موجودہ حالت میں وہی فرق تھا، جو اتنا وقت گزرنے کے بعد اور ان مقامات کے حوالے سے جن سے ان لوگوں کا گزر ہوا تھا، ہونا چاہئے تھا، اس لئے آپ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ بھائی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے، کہ یوسف علیہ السلام کی وہ حالت جس میں آپ کو کنویں میں پھینکا گیا تھا اور موجودہ حالت جس میں آپ ملکی خزانوں کے منتظم تھے، اتنا فرق تھا، کہ آپ کو پہچاننا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔

حاصل : جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے دیکھے، اس کی نظر میں ان کی سابقہ اور موجودہ حالت کا فرق حجاب نہیں بنتا۔ جو اسباب میں الجھ جائے، اس کے سامنے بہت حجابات ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾

اور جب ان کا سامان انہیں مہیا کر دیا، فرمایا اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لے آئیو، تم دیکھتے نہیں، میں ماپ پورا دیتا ہوں، اور میں خوب مہمان نوازی کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلے کی تقسیم کا ایسا بندوبست کیا تھا، کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوتا تھا۔ جو آ سکتا ہو اور نہ آئے اس کے حصے کا غلہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جو نہ آ سکتا ہو اس کا عذر قبول کیا جاتا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، تم اپنے بھائی کا حصہ بھی مانگتے ہو اور یہ بھی کہتے ہو، کہ وہ آ سکتا ہے، اب آئندہ اسے لے کر آنا۔ تم نے یقیناً دیکھا ہو گا، کہ میں ہر ایک کو اس کا ماپ پورا دیتا ہوں۔ قحط کا زمانہ ہے، ہر ایک کو سامان زیست درکار ہے۔ لوگ کسی کے ہاتھ بلا عذر اپنا حصہ منگوانا شروع کر دیں تو نظم وضبط درست نہیں رہتا۔ ہر آنے والے کا یہ حق ہے، کہ اسے مقررہ مقدار میں غلہ دیا جائے، اور اس کی مہمان نوازی خوب ہو، اور تم یہ دیکھ چکے ہو کہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

حاصل : منتظمین پر یہ حق ہے، کہ وہ نظم وضبط کو درست رکھیں، تاکہ ہر ایک کو اس کا حصہ پورا ملے، عزت واحترام کے ساتھ ملے اور مقررہ حدود کے اندر مہمان نوازی بھی ہو۔

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾

اور اگر تم اسے نہ لاؤ، تو میرے یہاں تمہارے لئے ماپ نہیں، اور میرے قریب آنے کا تمہیں حق بھی نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا قاعدہ یہی مقرر ہوا ہے کہ جو آ سکتا ہو، اسے آ کر غلہ لینا ہے۔ تمہارے بیان پر تمہارے ساتھ رعایت برتی گئی ہے۔ اس بیان کو صحیح ثابت کرنا تمہارے ذمے ہے۔ اگر تم اپنے سوتیلے بھائی کو اگلی بار نہ لاؤ گے تو پھر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہارے لئے یہاں ماپ نہیں ہو گا، اور تمہیں میرے قریب آنے کا حق بھی نہیں ہو گا۔

حاصل : جس پر اعتبار کیا جائے، اسے کہنا چاہئے، کہ تمہارے ساتھ آئندہ تعلقات کی بنیاد اسی بات پر ہو گی، کہ تم اپنے آپ کو سچا ثابت کرو گے۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہنے لگے، ہماری اس کے باپ سے یہی چاہت ہو گی، اور ہمیں یہ ضرور کرنا ہے

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ کہا، کہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا ہمارے ذمے ہے۔ ہم یہی چاہیں گے کہ والد صاحب اس بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ تدبیر کوئی بھی کرنی پڑے، ہمیں اس کام کو کرنا ہے۔ والد صاحب کی اجازت کے بغیر اس بھائی کا آنا ممکن نہیں۔ یہ اجازت لینا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے۔

حاصل : وعدہ وہی کرنا چاہئے، جس کا پورا کرنا ہمارے بس میں ہو۔ اپنی ضرورت پیش نظر ہو، تو کوشش میں کمی نہیں ہوتی۔ اپنی کوشش اپنی ضرورت کے حوالے سے ہوتی ہے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور آپ نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا، ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو، کہ اپنے اہل کی طرف واپس جا کر اس کو پہچانیں، تاکہ پھر بھی آئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا، ان لوگوں سے لی گئی پونجی ان کے سامان میں رکھ دی جائے۔ آپ نے اس عمل کے منشاء کو بھی واضح فرمایا، کہ یہ لوگ جب اپنے اہل کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اپنے سامان میں اپنی پونجی کو پائیں گے، تو ان پر واضح ہو جائے گا، کہ ان کی پونجی احترام کے ساتھ انہیں لوٹا دی گئی ہے۔ اس طرح ان کو واپس آنے میں کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہو گی۔

حاصل : اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر اپنے منشاء کو واضح کر دینے سے، ان کی یکسوئی قائم رہتی ہے۔ جس کے ساتھ مروّت کی جائے اس کی عزت افزائی اسی طرح کرنی چاہئے، جس طرح اپنی ذات کے لئے پسند

ہو۔ لوٹ کر وہی آتا ہے جس کو لوٹ کر آنے میں راحت ہو۔

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ کر گئے، کہنے لگے اے والد محترم ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے، تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ غلہ لا سکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی خدمت میں سفر سے واپسی پر حاضر ہوئے، تو عرض کرنے لگے۔ اے والد محترم ہم سے بہت اچھا سلوک کیا گیا ہے۔ مصر میں ہمیں بڑی عزت سے رکھا گیا ہے۔ ہم نے اپنے بھائی کا حصہ بھی مانگا تو انہوں نے ہم پر مہربانی کی۔ دے تو دیا مگر یہ شرط بھی عاید کر دی، کہ آئندہ اس بھائی کو لے کر آنا ورنہ تمہیں غلہ نہیں ملے گا، اور تمہیں قاسم کے قریب آنے کا حق بھی نہیں ہو گا۔ آپ مہربانی سے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں گے، تو ہم غلہ لا سکیں گے، اور بھائی کی حفاظت کے بارے میں کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔

حاصل : اپنے بڑوں کے سامنے اپنے سفر کے مشاہدات و تاثرات بیان کرنے میں مطلوب ان سے تصدیق ہونی چاہئے۔ اپنی ضرورت کے حوالے سے جو بات کی جائے، اس کے وزن کو بڑھانے کی کوشش ضرور ہوتی ہے، اور اپنی ذمہ داری کو نباھنے کا عہد بھی ہوتا ہے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

فرمایا، کیا میں تم پر اعتبار کروں مگر ویسے ہی، جیسے اس سے قبل اس کے بھائی کے بارے میں اعتبار کیا تھا۔ تو اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی درخواست کے جواب میں یہ فرمایا، کہ حفاظت کرنے کا ایسا ہی وعدہ تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی کیا تھا۔ اب ایسے ہی وعدے کو سن کر تم پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تمہاری ضرورت شدید ہے۔ تمہارے ساتھ اس بھائی کو نہ بھیجا جائے تو تمہیں قاسم کے قریب جانے کا حق نہیں ہو گا، غلے کا حصول تو بعد کی بات ہے۔ اب رہا سوال کہ تم حفاظت کا حق ادا کرو گے یا نہیں، اور تم اس پر رحم کرو گے یا نہیں، تو حفاظت کرنے کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے، جب اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ رحم تبھی کیا جا سکتا ہے، جب ارحم کی سنّت پیش نظر ہو۔ اور جب اللہ کی رضا کے مقابل کچھ اور مطلوب ہو، تو نہ حفاظت کرنے کا حق ادا کیا جا سکتا ہے، نہ رحم کرنے کا علم ہی ہو سکتا ہے۔ علم الٰہی کے علاوہ کسی علم سے یہ جواب نہیں دیا جا

سکتا جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی درخواست کے جواب میں دیا۔

حاصل : کسی پر اعتبار کرنے سے پہلے اس کی سابقہ کارکردگی کو دیکھا جاتا ہے۔ کسی مقام پر حفاظت کرنے کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے، جب اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ رحم کرنا تبھی ممکن ہوتا ہے جب ارحم کا ساتھ ہو۔ اس زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ معیاری ہوتا ہے، جو علم الٰہی سے بولتی ہو۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾

اور جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا، تو اپنی پونجی کو اس میں پایا کہ ان کی طرف لوٹا دی گئی تھی۔ عرض کرنے لگے، اے والد گرامی قدر ہمیں اور کیا چاہیئے، یہ رہی ہماری پونجی کہ ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے، اور ہم اپنے اہل کے لئے غلہ لائیں، اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں، اور ایک اونٹ کی بھرتی زیادہ پائیں، وہ بھرتی آسان ہے۔

جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا، تو اپنی پونجی کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ یہ پونجی انہیں لوٹا دی گئی تھی۔ اس مشاہدے کے بعد انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے والد گرامی قدر یہ دیکھئے، ہمیں غلے کے ساتھ یہ پونجی بھی لوٹا دی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن اخلاق ہو سکتا ہے۔ بہتری یہی ہے کہ ہم وہاں جائیں، اور اپنے اہل کے لئے غلہ لائیں۔ ہم یقیناً اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔ ہمیں ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ ملے گا۔ یہ بڑی بات ہے، اور ہمارے لئے اس کا حصول بھی آسان ہے۔

حاصل : جس کام میں اپنی منشاء سے بڑھ کر فائدہ ہو، اس کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ ایسی رغبت کے جواز کو ثابت کرنا مشکل نہیں ہوتا۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ

فرمایا، ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کا عہد دو، کہ تم ضرور اسے لے کر آؤ گے، سوائے اس کے کہ تم سب گھیر لئے جاؤ۔ پھر جب آپ کو سب

اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ﴿۶۶﴾

نے عہد دیا، فرمایا، اللہ ہماری باتوں پر وکیل ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی درخواست کو سنا اور فرمایا: ہر گز میں تمہارے ساتھ اس بھائی کو نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کا عہد دو، اور عہد یہ ہو کہ تم اسے ضرور لے کر آؤ گے، سوائے اس صورت کے کہ تم سب بے بس ہو جاؤ۔ اس عہد کا منشاء، عہد کرنے والوں کو انتہائی سنجیدگی کے مقام پر لانا ہے۔ انہیں ان کی ذمہ داری کا احساس دلانا ہے، اور واضح کرنا ہے کہ یہ ذمہ داری رخصت کے وقت سے شروع ہو گی اور یہاں پر واپسی تک ہو گی۔ حفاظت کا وعدہ کرنے والے خود گھر جائیں تو پھر یہ ان کے بس کی بات نہ ہو گی۔ سب نے حضرت کے سامنے یہ عہد کیا، تو آپ نے فرمایا: ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اللہ اسے سن رہا ہے۔ وہ اس پر گواہ ہے، اور وہی کارساز ہے۔

حاصل : جس سے عہد لیا جائے، اس کو سنجیدگی کے مقام پر لانا ضروری ہے۔ عہد اپنے بس کے حوالے سے ہوتا ہے، اور ایک وقت کے لئے ہوتا ہے، جس کی ابتدا و انتہا معلوم ہوتی ہے۔ جب عہد لے لیا جائے، تو عہد لینے والے کو یہ کہنا چاہئے، کہ اللہ ہی گواہ ہے اور کارساز ہے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

فرمایا، اے میرے بیٹو، ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، متفرق دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ حکم سب اللہ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکّل کیا، اور توکّل کرنے والوں کو اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی، کہ ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ کئی دروازوں سے داخل ہونا۔ منشاء آپ کا یہ تھا، کہ ان لوگوں کا شہر میں داخل ہونا، بڑی خبر نہ بنے، اور اس خبر کا جو منفی ردعمل ہو سکتا ہے، اس سے یہ لوگ بچ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا: میری تدبیر قطعاً اللہ کی مشیت کو روک نہیں سکتی۔ حکم بہرحال اسی کا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ میں اسی پر توکّل کرتا ہوں، اور توکّل کرنے والوں کو اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔ توکّل یہ ہے، کہ اپنی دانست میں صحیح رخ اختیار کرنے کے بعد، یہ امید رہے، کہ اللہ کا فضل شامل حال ہو گا، نتیجہ باذن اللہ ہو گا، اور اس میں ضرور بھلائی ہو گی۔ بندے کی شان یہی ہے، کہ وہ اپنا حق رضاءِ الٰہی کے لئے ادا کرے۔ نتیجہ اس کے لئے باعث راحت ہو، تو اسے اپنی تدبیر کی بدولت نہ سمجھے، اور اگر نتیجہ باعث راحت نہ ہو، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یقین رکھے۔

حاصل : اپنے ساتھیوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور یہ بھی بتانا چاہئے کہ نتائج بہرحال باذن اللہ ہوتے ہیں۔ کسی بھی مقام پر اپنا رخ صحیح رکھتے ہوئے اللہ سے اس کے فضل کی امید رکھی جائے، اور یہ یقین رکھا جائے کہ ساحل مراد تک اللہ ہی پہنچا سکتا ہے، توکّل ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

اور جب داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد صاحب کا امر تھا، اللہ کی کسی بات سے انہیں بچا نہیں سکتا تھا، مگر وہ یعقوب علیہ السلام کے جی میں ایک حاجت تھی جسے آپ نے پورا کیا، اور بے شک وہ ضرور علم والے تھے جو علم ہم نے انہیں عطا کیا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے والد صاحب کے امر کی تعمیل کی اور مصر میں داخل ہوتے وقت متفرق ابواب سے داخل ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو بھی فرمایا تھا وہ علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا۔ آپ کو ان بچوں کی سلامتی کی طلب تھی۔ اس کے لئے جو حق آپ پر عاید ہوتا تھا، آپ نے اس کو پورا کیا، اور بڑے علم سے پورا کیا۔ مگر جو اللہ کو منظور تھا، اس کو روکا نہیں جا سکتا تھا، اور آپ نے پہلے فرما دیا تھا: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۔ تدبیر کرنا حق ہے اور اس کا منشاء کبھی اللہ کی مشیت کو بدلنا نہیں ہوتا۔ تدبیر یہی ہے، کہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کی اس طرح حفاظت کی جائے، کہ وہ رضاء الٰہی کے مطابق صحیح محل پر استعمال ہو۔

حاصل : علم حقیقی رکھنے والوں کے امر میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ تدبیر کرنا حق ہے، اور اس کا منشاء کبھی اللہ کی مشیت کو بدلنا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر تدبیر کرنے کا حق عاید کیا گیا ہے، اسی لئے اللہ کی رضا کو انسان پر واضح کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا پتہ کسی کو اسی قدر لگ سکتا ہے، جس قدر اللہ چاہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (۳۲) میں فرمایا ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا، بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ ۖ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾

اور جب وہ یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اپنے بھائی کو پاس بٹھایا۔ فرمایا، بے شک میں تمہارا بھائی ہوں، تو افسوس نہ کر ان کاموں کا جو انہوں نے کئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا۔ اس عزت افزائی کے ساتھ مہمان نے میزبان کو غور سے دیکھا، تو اس کا پیمانہ صبر گیا۔ میزبان کی بھائی سے قریبی مشابہت، بھائی کی جدائی کا زخم، اس کے متعلق بھائیوں کی گھڑی ہوئی خبر، باپ پر فراق کے ا اور کیا کچھ سامنے نہیں تھا۔ گریہ طاری تھا، مگر بھائیوں کا ڈر بھی تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے موقعہ پیدا کر کے اپنے سہارا دیا، اس پر واضح کیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، اب افسوس نہ کر جو کچھ یہ بھائی کرتے رہے ہیں، اس کو مصائب باذن اللہ صبر کرنا چاہیئے۔

حاصل : مجبور کی عزت افزائی کرنی چاہیئے، اس کو سہارا دینا چاہیئے، اور اس کے ماضی کے مصائب و کو باذن اللہ کہہ کر ان پر صبر کا مرہم رکھنا چاہیئے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾

پھر جب ان کا سامان مہیا کر دیا، پ پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ د پھر ایک پکارنے والے نے پکارا، اے والو تم تو چور ہو۔

جب ان لوگوں کا سامان مہیا کر دیا گیا، تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سامان میں پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ بھائی بات پر تیار نہ تھا، کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ اسے روک لینے کی تدبیر یہی تھی کہ اس پر کچھ ہو، اور تفتیش کے لئے اسے روک لیا جائے۔ بھائی کو یوسف علیہ السلام نے یہ بتا دیا تھا، کہ یہ بات تمہاری پریشانی کا باعث نہ بنے جب سرکاری کارندوں نے اپنا سامان سنبھالا، تو پیالے کو نہ پا کر ان کا خیال قافلہ والوں کی طرف گیا۔ ایک صاحب نے کچھ فا پر ان کو روکا اور کہا، تم تو چور ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا انتظام ایسا تھا، کہ منتظمین کی نظر شک کے اظہار کے لئے کسی دوس طرف گئی ہی نہیں۔ اسی لئے پکارنے والے نے پکار کر کہا، تم تو چور ہو۔

حاصل : مدد کسی کو بھی مروجہ قانون کے حوالے سے دی جانی چاہیئے۔ جس کو مدد مطلوب ہو اسے بتا چاہیئے، کہ اس پر کیا بوجھ پڑ سکتا ہے۔ انتظام ایسا ہونا چاہیئے، کہ سرکاری کارندوں پر شک کی گنجائش ہی ہو، اور یقین سے ملزم کی نشاندہی کی جا سکے۔

قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾

کہنے لگے، اور ان کی طرف متوجہ ہو کر کہ تمہیں کیا نہیں مل رہا۔

برادران یوسف پکارنے والے کی پکار کو سن کر رک گئے، اور کہنے لگے، آپ کا کیا کھو گیا ہے کہ آپ ہم پر شبہ کر رہے ہیں اور آپ کو ہم پر اس شبہ کی گنجائش کیسے ملی ہے۔ ہم کہیں بھاگے نہیں، ہمارا سامان آپ کے سامنے ہے، تلاشی لی جا سکتی ہے۔

حاصل : شک کا اظہار کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھنا چاہئے، آپ کو کیا نہیں مل رہا، اور ہم پر شک کی گنجائش آپ کو کیسے ملی ہے۔

قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

کہنے لگے بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا، اور جو اسے لائے گا اسے ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا، اور میں اس کا ضامن ہوں۔

محافظین نے قافلے والوں کے جواب میں کہا، کہ بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا، اور اگر کوئی اسے خود بادشاہ کی طرف لوٹا دے اس کے لئے انعام بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ اسے ایک اونٹ کا بوجھ بطور انعام ملے گا۔ اعلان کرنے والے نے اپنی سرکاری ت میں یہ واضح کیا، کہ انعام کا دلانا اس کی ذمہ داری ہے۔

حاصل : کسی شے کے گم ہو جانے کی صورت میں پہلے یہ موقعہ فراہم کرنا چاہئے، کہ اسے ایک وقت تک لوٹایا جا سکے۔ لوٹانے والے کو انعام بھی دینا چاہئے، اور اس انعام کا اعلان بھی کرنا چاہئے۔

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

کہنے لگے، اللہ کی قسم تمہیں علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے، اور نہ ہم کبھی چور تھے۔

برادران یوسف نے محافظین سے یہ کہا، کہ ہمارے چال چلن کے بارے میں لوگ جانتے ہیں، اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے لہ لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ ہم قطعاً اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے۔ ہم یہاں پہلے بھی آ چکے ہیں۔ جن جن ا سے ہمارا واسطہ پڑا، ان میں آپ لوگ بھی تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ ہمارے کسی عمل سے شرارت کا ثبوت ملا۔ رہی کی بات تو ہم اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمیں اس ذات بابرکات کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے، جس کی ں سے لوگ حسن اخلاق کی سند پاتے ہیں۔

حاصل : جب شک کا اظہار کیا جائے، تو جواب میں اپنے ماضی کا حوالہ دینا چاہئے، اور اپنی پاکیزگی کا ثبوت دینا چاہئے۔

قَالُوا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

کہنے لگے، پھر کیا جزا ہے اس کی اگر تم کاذب ہوئے۔

محافظین نے کہا، تم اللہ کی قسم کھا رہے ہو، کہ تم فساد کرنے والے نہیں ہو، چور نہیں ہو، اگر تفتیش کے نتیجے میں تم جھوٹے

ثابت ہو جاؤ، تو پھر تمہارے لئے سزا کیا ہو گی، یہ تم خود ہی بتا دو۔

حاصل : شک کے جواب میں جو پاکیزگی کا دعویٰ کرے، اس سے پوچھ لینا چاہئے، اگر تم جھوٹے ثابت ہو گئے، تو تمہاری جزا کیا ہو گی۔

قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ مَنۡ وُّجِدَ فِىۡ رَحۡلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ‌ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ۞۷۵

انہوں نے کہا، اس کی جزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں پایا جائے، وہی اس کے بدلے میں جائے، ہم ظالموں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔

برادران یوسف جانتے تھے، کہ ان کے ہاں چوری کی سزا کیا تھی، اس لئے انہوں نے اپنے ہاں کا مروجہ اصول بیان کر دیا۔ اصول یہ تھا، کہ جو چور ثابت ہو جائے وہ مال بھی لوٹائے اور ایک وقت تک بلامعاوضہ خدمت بھی کرے۔ چور اپنے بدل کے طور پر کسی دوسرے کو خدمت گار نہیں بنا سکتا تھا۔ اسے خود ایک وقت تک غلام بننا پڑتا تھا۔

حاصل : پوچھنے والے کو اپنی طریقت ضرور بتانی چاہئے۔ اس کی وضاحت کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اسۡتَخۡرَجَهَا مِنۡ وِّعَآءِ اَخِيۡهِ‌ ؕ كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَ‌ ؕ مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ‌ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ‌ ؕ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ ۞۷۶

تو اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے ان کی خرجیوں سے تلاشی شروع کی، پھر اسے اپنے بھائی کی خرجی سے بر آمد کر لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی۔ شاہی قانون کے مطابق انہیں اپنے بھائی کو روک لینے کا حق نہیں پہنچتا تھا، مگر جو اللہ چاہے۔ ہم درجات بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں، اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

محافظین ان لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے تلاشی لینی شروع کی۔ پہلے سوتیلے بھائیوں کے سامان کو دیکھا گیا، پھر آخر میں اسے اپنے بھائی کے سامان سے بر آمد کر لیا۔ پیالہ بر آمد ہو جانے کے بعد قافلے والوں کو بہت شرمندگی ہوئی۔ ملکی قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لینے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اللہ کی سکھائی ہوئی تدبیر سے یہ کیا، کہ بھائیوں سے ان کے دستور کو بیان کروایا، اور اسی دستور کے مطابق جس سے پیالہ بر آمد ہوا تھا اس

کو خدمت کے لئے روک لیا۔ علمی برتری سے درجہ بلند ہوتا ہے۔ اللہ جسے چاہے علمی برتری عطا کرتا ہے۔ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ متعلم، معلم سے سیکھتا ہے، وہ معلم بھی کسی کا متعلم ہوتا ہے۔ سب سے اوپر معلم حقیقی ہے، جس سے اوپر کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : ناظرین کو شک کرنے کی گنجائش نہیں دینی چاہئے۔ علمی برتری سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ علمی برتری اللہ عطا کرتا ہے۔ اپنے علم کو انتہائی کہنے کا حق بندے کو نہیں ہوتا، اعلم کو ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کے علم سے فائدہ اٹھانے والوں کے درجات بھی بلند ہوتے رہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

کہنے لگے، اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ تو یوسف علیہ السلام نے اسے اپنے جی میں چھپایا، اور انہیں جتایا نہیں۔ فرمایا، تم برے مقام پر ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے، جو باتیں تم بناتے ہو۔

پیالہ برآمد ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو شرمندگی ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں ہے۔ اس نے چوری کی ہے، تو ایسی ہی حرکت اس کے بھائی نے بھی کی تھی۔ یہ ایسی حرکت کر سکتے ہیں، ہم ایسی بات کو تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کو سنا تو جواب میں حقیقت کو ان پر واضح نہیں کیا، اور انہیں یہ تاثر بھی نہیں دیا کہ تمہاری اس بات سے مجھ پر بوجھ پڑا ہے۔ یہ فرمایا، کہ تمہاری پاکیزگی کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا ہے۔ پیالہ برآمد ہونے سے پہلے تم نے اس کی چوری کے امکان کا ذکر نہیں کیا، جب وہ چور ثابت ہو گیا ہے تو خود کو اس سے الگ کر رہے ہو۔ تمہاری باتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ جس کی بات قابل اعتبار نہ رہے، اس سے برا مقام کس کا ہو گا۔ حقیقت حال کا اور حقیقت ماضی کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ ہے۔ وہی جانتا ہے، تمہاری باتوں میں حقیقت کتنی ہے، بناوٹ کتنی ہے۔

حاصل : حاکم کو لوگوں کی گھڑی ہوئی بے سند باتوں کا برا نہیں منانا چاہئے، اور اپنے ذاتی تاثرات کو سنبھال کر رکھنا چاہئے، جب تک ان کے اظہار کا صحیح موقعہ نہ آ جائے۔ جو قابل اعتبار نہ رہے وہ برے مقام پر ہوتا ہے۔ جس بیان کی تصدیق نہ کی جا سکتی ہو، اس کے متعلق یہ کہنا چاہئے، اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بناتے ہو۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا

عرض کرنے لگے، اے عزیز اس کے والد گرامی بڑے بزرگ ہیں، تو اس کی جگہ ہم

كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾

میں سے ایک کو رکھ لیجئے، ہم آپ کو محسن دیکھتے ہیں۔

پیالہ بر آمد ہو جانے کے بعد قافلے والوں نے یہ عرض کیا: اے عزیز جس کے سامان سے پیالہ بر آمد ہوا ہے، اس کے والد گرامی قدر بڑے بزرگ ہیں۔ اگر اس کو روک لیا گیا، تو انہیں بہت صدمہ ہو گا، اور اس عمر میں ایسے صدمے کے تصور سے ہی ایک خوف سا آتا ہے۔ آپ کے احسانات بہت دیکھے ہیں۔ ایک احسان اور کیجئے، کہ اس کی جگہ جس کے سامان سے آپ کا پیالہ بر آمد ہوا ہے ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے۔ یہ آپ کی بڑی عنایت ہو گی۔

حاصل : احسان کی درخواست کرنے سے پہلے رحم طلبی کا جواز پیش کرنا چاہئے، پھر جس سے احسان مطلوب ہو اس کے حسن عمل کا اعتراف بھی کرنا چاہئے۔

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ ۙ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾ ع

فرمایا، اللہ کی پناہ کہ ہم کسی کو پکڑیں، سوائے اس کے جس کے پاس سے ہم نے اپنی چیز بر آمد کی، تب تو ہم ظالم ہوں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے قافلے والوں کی درخواست کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی پناہ، کہ ہم مطلوبہ شخص کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پکڑیں۔ تمہارے قاعدے کے مطابق جس سے مال بر آمد ہو، اسی کو روکنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اس لئے جس سے ہمارا مال ملا ہے، اس کے علاوہ کسی کو نہیں روکیں گے۔ ایسا ہو تو یہ احسان نہیں ہو گا، بلکہ ظلم ہو گا۔ ظلم اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کریں گے۔

حاصل : احسان کے نام پر اگر کوئی خلاف حق کرنے کی درخواست کرے، تو اسے کہنا چاہئے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ظلم اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کریں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرّعد (۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾

اور جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے، اور نماز قائم رکھی، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کیا، اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے رہے، انہی کے لئے پچھلا گھر ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ

پھر جب اس سے مایوس ہوئے، مشورہ کرنے کے لئے الگ ہو بیٹھے۔ انکے بڑے

كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٠﴾

نے کہا، کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لے رکھا ہے، اور اس سے قبل تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں قصور وار ہو، تو میں تو ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا، حتیٰ کہ والد گرامی مجھے اِذن دیں یا اللہ میرے لئے حکم فرما دے، اور وہ سب حاکموں سے بہتر ہے۔

قافلے والے جب اپنے بھائی کو چھڑانے کے لئے سب کچھ کہہ بیٹھے اور مایوس ہو گئے، تو لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور مشورہ کرنے لگے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا، کہ تمہیں ضرور علم ہو گا، کہ والد صاحب نے تم سے اللہ کا عہد لے رکھا ہے۔ اگر ہم اس بھائی کو یہاں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، تو یہ رویہ ایفائے عہد کے خلاف ہو گا۔ ہم اس سے قبل یوسف علیہ السلام کے معاملے میں قصوروار ہیں۔ ہمارے اس فعل سے ہماری سابقہ کارکردگی بھی تازہ ہو جائے گی۔ ان حالات میں، میں تو یہاں سے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ والد صاحب بلا بھیجیں تو یہ دوسری بات ہے، یا اللہ میرے لئے کوئی فیصلہ فرما دے۔ کہ اس سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

حاصل : نئی راہِ عمل متعیّن کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنے عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ بدعہدی سے سابقہ قصور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ بڑائی اس بات میں ہے کہ اپنے لئے حق کے حوالے سے راہِ عمل کا تعیّن کیا جائے۔

اِرْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۖ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾

اپنے باپ کی خدمت میں لوٹ جاؤ، پھر عرض کرو، اے والدِ گرامی قدر آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جس کا ہمیں علم تھا، اور غیب کی نگہبانی ہمارے بس میں نہ تھی۔

بڑے بھائی نے یہ کہا، کہ آپ لوگ والد صاحب کی خدمت میں لوٹ جائیں، اور وہاں جا کر یہ عرض کریں، کہ آپ کے بیٹے کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہوا ہے۔ ہم سے پوچھا گیا تھا، کہ اگر تم جھوٹے ہوئے تو تمہاری جزا کیا ہو گی، ہم نے کہا، جس کے سامان سے مسروقہ چیز برآمد ہوا اسے ایک مدت تک خدمت کے لئے روک لیا جائے، ہم نے گواہی وہی دی جو ہمارے علم میں تھی، اس گواہی سے جو نتیجہ برآمد ہوا، اسے روک لینا ہمارے بس میں نہ تھا۔

حاصل : جب عہد کو وفا کرنا بس میں نہ رہا ہو، تو انہیں مطلع کرنا چاہئے جن سے عہد کیا گیا تھا۔ بات پوری تفصیل سے بیان کر دینی چاہئے اور اعتراف کرنا چاہئے، کہ غیب کی نگہبانی ہمارے بس میں نہ تھی۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۸۲)

اور اُس قریئے سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے، اور اُس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں، اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا بیان دیا، اور اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہا، کہ ہمارے بیان کی تصدیق دو طرح سے ہو سکتی ہے: وہ بستی جس میں ہم تھے، اور جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہاں کے لوگ یہ گواہی دیں گے، کہ ہم وہی کہہ رہے ہیں، جو کچھ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے، کہ جس قافلے کے ساتھ ہم آئے ہیں اس قافلے والے بھی ہمارے بیان کی تصدیق کریں گے۔ اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

حاصل : جن مقامات سے اپنے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہو، ان کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ صداقت کا دعویٰ تبھی درست ہوتا ہے، جب اس کے ساتھ شہادتیں دی جا سکتی ہوں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۸۳)

فرمایا، تمہارے نفس نے اس امر کو تمہارے لئے سہل بنا دیا ہے، تو صبر اچھا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لاملائے، بےشک وہ علم والا حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے اندر تمہارے بھائی کے لئے جیسے جذبات تھے، ان کی موجودگی میں تمہارے لئے یہ ماننا آسان ہے، کہ میرے بیٹے نے چوری کی ہے۔ میرے لئے یہ ماننا ممکن نہیں کہ میرا بیٹا جس کے اخلاص کا میں شاہد ہوں، چوری کر سکتا ہے۔ تو میں صبر کرتا ہوں۔ حرف شکایت میری زبان پر بھی نہیں آئے گا، میرے جسم کی زبان سے بھی اس کا اظہار نہیں ہو گا۔ اللہ کی معیت کا یقین صبر کو جمیل بناتا ہے۔ آپ نے فرمایا: قریب ہے، کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لاملائے۔ ان کا فراق جو ماضی قریب میں مجھ سے بچھڑے ہیں، اس فراق کے ساتھ مل گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچھڑنے سے شروع ہوا تھا۔ فراق حقیقی ہو تو اس کا نتیجہ ضرور وصال ہوتا ہے۔ یہ وصال کب ہو گا، کیسے ہو گا، کہاں ہو گا، یہ سب باتیں اللہ کے علم سے اور اس کی حکمت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی طرف سے جو ہو گا، اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : جس کے اخلاص کا یقین ہو، اس کے متعلق خلاف حق بات کا گمان نہیں ہو سکتا۔ صبر جمیل اللہ تعالیٰ کی معیت کا وہ مقام ہے، جس میں حرف شکایت نہ زبان پر آتا ہے، نہ جسم کی زبان سے اس کا

اظہار ہوتا ہے۔ فراق حقیقی ہو تو اس کا انجام ضرور وصال ہوتا ہے۔ جو آسانی اللہ کے علم اور اس کی حکمت سے مل سکتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں نہیں مل سکتی۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

اور ان سے منہ پھیرا اور پکارے ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر، اور آپ کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں، تو انہوں نے اپنے غم کو ضبط کئے رکھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے بات کرنے کے بعد ان سے منہ پھیرا، اور پکارے: ہائے افسوس یوسف علیہ السلام کی جدائی پر۔ فراق میں گریئے کا مقام تو آپ پر رہتا ہی تھا، اس گریئے نے آپ کی آنکھوں کو سفید کر دیا، پلکوں کی سیاہی جاتی رہی، مگر آپ نے اپنے دکھ کو ایسے ضبط کئے رکھا، کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔

حاصل : جو لوگ اپنے زاویۂ نگاہ کو درست کرنے پر تیار نہ ہوں، ان سے منہ پھیر لینا حق ہے۔ ہجر میں توجہ مسلسل اپنے پیارے پر رہتی ہے۔ گریہ مدت دراز تک رہے تو آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں۔ یاس کی موجودگی میں لوگوں کے سامنے اپنے غم کو ضبط کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہنے لگے، اللہ کی قسم آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کا تذکرہ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ آپ گھل جائیں یا جان ہی سے گزر جائیں۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا، کہ اللہ کی قسم آپ کو اپنے پیارے بیٹے کے تذکرے سے فرصت نہیں ملے گی، حتیٰ کہ آپ اسی غم میں گھل جائیں، یا زندگی ہی تمام ہو جائے۔ یہ غم آپ کے لئے غم حیات بن کے رہ گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہمدردی کے اظہار میں بھی ان لوگوں کا حسد واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔

حاصل : جتنا کسی کو سوجھے اس سے زیادہ وہ کیا بتا سکے گا۔ حسد اندر موجود ہو، اور قول سے اس کا اظہار نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

فرمایا، میں تو اپنے اضطراب اور غم میں اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا علم رکھتا ہوں جو تمہیں

معلوم نہیں۔

بیٹوں کے جواب میں آپ نے فرمایا. مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ اسی سے فریاد کی جائے. تو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی معیت نصیب ہو, وہ کبھی شکوہ نہیں کرتا. اللہ سے اس کا فضل ضرور مانگتا ہے۔ یاس و ناامیدی کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جس علم سے نوازا ہے، وہ تمہیں معلوم نہیں۔ میں جو بھی کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے کرتا ہوں۔ تمہاری نظر کیا دیکھتی ہے، اس کو اہمیت دینا ضروری نہیں۔

حاصل : جو اپنے اضطراب اور غم کا اظہار اللہ سے کرتا ہے، وہ کبھی شکوہ نہیں کرتا. البتہ اللہ سے اس کا فضل ضرور مانگتا ہے۔ جس کا مشاہدہ اس کی خواہشات کے تابع ہو, وہ علم حقیقی رکھنے والے کو نہیں جان سکتا۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اے بیٹو، جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کو تلاش کرو, اور اللہ کی عنایت سے مایوس نہ ہو, بےشک کافر ہی اللہ کی عنایت سے مایوس ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی، کہ جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرو۔ یوسف علیہ السلام کی تلاش کو ناممکن کہنا مایوسی ہے، اور مایوسی صرف کافر کو ہوا کرتی ہے۔ اللہ کی عنایت و مہربانی سے مایوس ہونا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی کو تو یہ لوگ عزیز مصر کے پاس چھوڑ کر گئے تھے، اور اس کے وہاں سے چلے جانے کا امکان بھی نہ تھا، اس سے روشن ہو جاتا ہے، کہ یعقوب علیہ السلام علم الٰہی کے حوالے سے یہ جانتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام وہاں قریب ہی ہیں۔ تلاش کرنے والے اگر بےہمتی کا مظاہرہ کریں گے، تو یہ بات خلاف حق ہوگی، اس لئے آپ نے مایوسی سے بچنے کی تاکید کر دی۔

حاصل : بہتر جاننے والے کے حکم کی تعمیل میں اپنے خیال کو حائل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اللہ کی عنایت کا یقین ہو تو اپنی قوت اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال ممکن ہوتا ہے۔ مایوس مسبّب الاسباب کو نہیں مانتا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

پھر جب آپ کے پاس حاضر ہوئے، عرض کرنے لگے، اے عزیز ہم پر اور ہمارے

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

اہل پر سختی پڑی ہے، اور ہم بےقدر پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں، تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے، اور ہم پر خیرات کیجئے، بےشک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے آپ کے فرمان کے مطابق عزیز مصر کے پاس گئے۔ اس بار منشاء یہ تھا، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنا ہے۔ انہوں نے عزیز مصر سے گزارش کی اور کہا ہم پر اور ہمارے اہل پر مصیبت کا وقت ہے۔ ہم جو کچھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، وہ بےقدر پونجی ہے۔ یہ اس غلے کی قیمت نہیں ہے جو آپ دیتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس دینے کو اور کچھ ہے ہی نہیں، آپ مہربانی سے ہماری بےقدر پونجی کو قبول کیجئے، اور ہمیں غلہ پورا دے دیجئے۔ یہ آپ کی ہم پر بڑی عنایت ہو گی۔ اللہ آپ کو اس خیرات کی جزا دے گا۔

حاصل : قائم کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنا حال بیان کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اپنی پونجی کو ناقص کہنا بڑی بات ہے۔ خیرات کی درخواست کے ساتھ خیرات کرنے والے کے لئے دعائے خیر ضرور کرنی چاہئے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا، کیا تم لوگوں کو علم ہے، کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جب تم نادان تھے۔

خیرات کی درخواست کے جواب میں حضرت نے ان لوگوں سے پوچھا: کیا تمہیں علم ہے، کہ تم نے یوسف اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، جب تم من مانی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ جو کچھ بھی تم نے کیا وہ تمہیں یاد ضرور ہو گا، اس سے جو نتیجہ اخذ کرنا چاہئے تھا وہ اخذ کیا گیا ہے یا نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ماضی کے واقعات کو ایک بات سے ان کے سامنے اس طرح واضح کر دیا، کہ سب حجابات اٹھ گئے۔

حاصل : جس کو بھی اس کے ماضی کی یاد دلائی جائے، اسے یہی کہنا چاہئے، جب آپ من مانی کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس وقت کے تجربات سے آپ نے کیا سیکھا ہے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ

کہنے لگے، کیا سچ مچ آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ فرمایا، میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔

اللّٰہُ عَلَیۡنَا ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَ یَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۰﴾

بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو پرہیز گاری اور صبر کرے، تو اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

عزیز مصر کی زبان سے حضرت یوسف کے بارے میں استفسار کی بات سن کر ان لوگوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ارشاد سے روشنی ملی۔ جو کچھ یہ لوگ دیکھتے رہے تھے، اور جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا، وہ اب حجاب نہ بنا۔ کنوئیں اور تخت حکومت کے درمیان وہ کن کن مقامات کے متعلق سوچ سکتے تھے۔ عزیز مصر نے جب انہیں ان کا ماضی یاد دلایا، تو وہ فوراً بولے: کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ کا احسان ہے، کہ آپ ہمیں یہاں دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اس مقام پر پہنچانے والا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ پر مصائب کی اور صورت تھی، اور میرے احباب پر مصائب کی اور صورت تھی، مگر مصائب کو باذن اللہ سمجھنے میں ہمارا رخ ایک ہی تھا۔ ہم نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو ادب سے مانا۔ شکایت نہیں کی۔ اپنے نفس کو خوش کرنے سے بچتے رہے۔ اور یہ یقین رکھا کہ عسر کے ساتھ ہی اللہ نے یسر بھی رکھا ہے۔ محسن وہی ہوتا ہے، جو پرہیز گار بھی ہو، صابر بھی ہو۔ اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ محسنین کو لوگوں کی خوشی مطلوب نہیں ہوتی، اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ لوگوں کا ڈر بھی نہیں ہوتا، اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے اعمال خالص ہوتے ہیں۔ خالص اعمال کا اجر دنیا و آخرت میں ضرور ملتا ہے۔

حاصل : مسبّب الاسباب کو اسباب پیدا کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ انعامات کو ہمیشہ اللہ کا احسان جاننا چاہئے۔ محسن وہی ہے جو پرہیز گار بھی ہو، صابر بھی ہو۔ محسنین کی بڑی قدر کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔

قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا وَ اِنۡ کُنَّا لَخٰطِئِیۡنَ ﴿۹۱﴾

کہنے لگے، خدا کی قسم اللہ نے ہم پر آپ کو فضیلت دی، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پرہیز گاری اور صبر کو دیکھنے والوں نے کہا: خدا کی قسم۔ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔ ہم اس فضیلت کو حال پر دیکھ رہے ہیں۔ یہ فضیلت ماضی میں بھی آپ کے عمل سے عیاں تھی، مگر ہم نے ماضی میں اس فضیلت کو نہیں مانا۔ یقیناً یہ ہماری خطا تھی۔ ہمیں آپ کو والد گرامی قدر کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا، اور ہم اپنی نظر کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔

حاصل : جس کی پرہیز گاری اور صبر کا اعتراف ہو جائے، اس کی فضیلت کو ماننا چاہئے اور ماضی میں اپنے زاویۂ نگاہ کے درست نہ ہونے کا، اور اپنی خطا کا اقرار کرنا چاہئے۔

قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ

فرمایا، آج تم پر کچھ ملامت نہیں، اللہ آپ سب کو معاف کرے، اور وہ سب رحم

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آپ سب نے خطا کا اعتراف کیا ہے، اللہ آپ سب صاحبان کو معاف فرمائے۔ میری طرف سے جتنے الفاظ کہے گئے ہیں، وہ اس حجاب کو دور کرنے کے لئے تھے، جو میرے اور آپ کے درمیان موجود تھا۔ اللہ آپ حضرات پر رحم فرمائے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ باقی سب رحم کرنے والے حدود عبدیت کے اندر اسی نسبت سے رحم کرتے ہیں، جو ان کے سامنے اسوۂ حسنہ کے اعتبار سے معیار کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، وہ سب رحم کرنے والوں پر بھی رحم کرتا ہے، اس سے اوپر کوئی رحم کرتے والا نہیں ہے۔ ہر رحم کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ارحم کو مانتا ہو، اور رحم کرتے وقت ارحم کی عطا کردہ توفیق کا شکریہ ادا کرے۔

حاصل : ہمارے ساتھ خلاف حق کرنے والے جب اپنی خطا کا اعتراف کرلیں، تو انہیں کہنا چاہئے: آج آپ پر کچھ ملامت نہیں، اللہ آپ کو معاف کرے، کہ وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ رحم وہی کرتا ہے، جو ارحم کو مانتا ہو اور شاکر ہو۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

یہ میرا قمیص لے جایئے، اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دیجئے، ان کی بینائی پلٹ آئے گی، اور اپنے سب اھل کو میرے پاس لے آیئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس یوسف علیہ السلام کا قمیص انہی بھائیوں نے اس خبر کے ساتھ لاکر رکھا تھا، کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہی بھائی جب آپ کا قمیص بڑی بشارت کے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، تو دکھ درد کے لمحات کے خاتمے کا مقام آ جائے گا، اور وہ آنکھیں جو غم فراق سے بہت متاثر ہو چکی تھیں، وصال کی خبر سے راحت پائیں گی اور دیکھنا شروع کر دیں گی۔ امر الٰہی یہی ہے کہ وہ تشریف لائیں گے، اس لئے میں ان کی تشریف آوری کا منتظر رہوں گا۔ بھائیوں سے آپ نے یہ بھی کہا، کہ آپ اپنے سب اہل و عیال کو بھی ساتھ لایئے گا۔

حاصل : گھڑی ہوئی خبر کے ساتھ کوئی شے کسی صاحب کے بارے میں ثبوت کے طور پر پیش کی جائے، اور خبر پانے والے کے لئے وہ انتہائی تکلیف دہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اسی ذریعے کو، اسی طرح کی شے کے ساتھ باعث راحت بھی بنا سکتی ہے۔ خطا کا اعتراف کرنے کے بعد اپنی انا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کے اہل و عیال کی بھی بھلائی چاہنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور وہ جنہوں نے میری آیات اور میرے ملنے سے انکار کیا، وہی ہیں جنہیں میری رحمت کی آس نہیں، اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾

اور جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا، ان کے والد گرامی قدر نے فرمایا، میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کو ان کے حکم کے مطابق ان کے بھائی مصر سے لے کر روانہ ہوئے، تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے فرمایا: مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ تمہارے لئے یہ بات سننی بھاری نہ ہو، کہیں تم یہ کہنے لگو، کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گیا ہوں۔ آج قمیص یوسف علیہ السلام بھیج رہے تھے، اور مشیت الٰہی نے فراق کے لمحات کو ختم کر دیا تھا، اس لئے یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آ رہی تھی۔

حاصل : مشیت الٰہی جب وصال کی اجازت دیتی ہے، تو محبّ اور محبوب کے مابین، ہوا بھی خدمت گار بن جاتی ہے۔ اپنے قرب وجوار والے جب نظر لطافت نہ رکھتے ہوں، تو صاحب علم کے لئے انہیں اپنے علم سے فیضیاب کرنا بھاری ہو جاتا ہے۔

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

کہنے لگے، خدا کی قسم، آپ اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت سے جو لوگ بھی آپ کے پاس تھے، اور جنہوں نے آپ کی زبان پاک سے یہ سنا تھا، کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا رہا ہوں، انہوں نے یہ کہا: اللہ کی قسم! آپ کو خبط ہے اور قدیم ہے۔ آپ کے اندر اپنے بیٹے کی محبت، اور اس کے دوبارہ ملنے کا یقین، خوشبو بن کر آپ کے دماغ کو معطر کر رہا ہے۔ اتنی مدت دراز کے بعد یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ اس کی خوشبو آنے لگے جس کی خبر ہی نہیں ہے۔

حاصل : اگر ہمیں علم ہو، کہ صاحب ارشاد وہ جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں، اور وہ بھی جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے، تو اس کی بات کو ادب سے سننا چاہئے، اور اس کے سامنے اپنے ناقص علم کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔

فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى

پھر جب بشارت دینے والا حاضر ہوا، اس نے وہ قمیص آپ کے چہرے پر ڈالا، تو آپ

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

دیکھنے لگے۔ فرمایا، کیا میں نہ کہتا تھا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں، جو تمہیں معلوم نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے آپ کے قمیص کے ساتھ بھیجا گیا بشارت دینے والا جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بھیجنے والے کے حکم کے مطابق اس نے آپ کا قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا، تو آپ دیکھنے لگے۔ فراق کے لمحات کے خاتمے کی بشارت تو ہوا نے بھی آپ کو دے دی تھی۔ وہ قمیص جس کے ساتھ آپ کے زندہ نہ ہونے کی خبر ملی تھی، وہ بھی آپ کا تھا، اور یہ قمیص جس کو آپ نے خود بھیجا تھا، یہ بھی آپ کا تھا۔ فرق دیکھئے، ایک کے پیچھے صاحب قمیص ساکن ہے، دوسرے کے پیچھے وہ متحرک ہے۔ آپ نے خوشخبری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے قریب والوں سے فرمایا: کیا میں نہ کہتا تھا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔

حاصل : لباس، صاحب لباس کی خوشبو کے ساتھ اپنے اندر ایک خبر رکھتا ہے۔ جب بصارت کسی غم سے متاثر ہوئی ہو، تو وہ خوشخبری سے بحال بھی ہو جاتی ہے۔ بہتر جاننے والوں کا دعویٰ ہمیشہ یہی ہوتا ہے، کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے۔ جس سے محبت ہو، اس کی بات کو ماننے میں نفس کبھی حائل نہیں ہو سکتا۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

عرض کرنے لگے، اے ابا جان ہمارے گناہوں کے لئے استغفار فرمائیے، بے شک ہم خطاکار تھے۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے خدمت میں عرض کیا: اے ابا جان ہم نے وہ کچھ کیا، جو ہمیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں اپنی خطاؤں کا اعتراف ہے۔ آپ ہمیں معاف فرمائیے، اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں پر بخشش طلب کیجئے۔ معاف کرنے والا ہی، بخشش کی دعا مانگنے میں حق بجانب ہوتا ہے۔

حاصل : استغفار کی دعا کرنے کے لئے درخواست اسی ذات کریم سے کرنی چاہئے، جس کی بات اللہ کی بات ہو۔ اپنی خطا کا اعتراف کرنے کے معنی یہ ہیں، کہ آئندہ من مانی نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

فرمایا، میں جلد ہی اپنے ربّ سے تمہارے لئے بخشش طلب کروں گا، بے شک وہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میں جلد ہی اپنے رب سے تمہاری خطاؤں کی معافی چاہوں گا۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب کروں، تمہاری بے علمی سے اور من مانی کرنے سے مجھے جو دکھ پہنچتا رہا ہے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اللہ سے بخشش مانگنے کے لئے کچھ اوقات، قبولیت کے حوالے سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ کچھ مقامات بھی زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ دوسرے کے لئے بخشش کی دعا تبھی کی جا سکتی ہے، جب خود اسے معاف کیا جا چکا ہو، اور اب اس کے رخ کے درست ہونے کا یقین ہو۔ اللہ کی شان ہے، کہ وہ معاف بھی کرتا ہے، رحم بھی فرماتا ہے۔ معافی کے بعد رحم سے وہ مدد ملتی ہے جو باعث استقامت ہوتی ہے۔

حاصل : جو اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لے، اسے معاف کرنا اور اللہ سے اس کی بخشش طلب کرنا مخلصین کی طریقت ہے۔ جسے معاف کیا جائے، اسے سہارا بھی دینا چاہئے، یہ اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ عمل ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ بٹھایا، اور فرمایا، مصر میں انشاء اللہ امان سے رہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی والدین کریمین کو لے کر بمعہ اپنے اہل و عیال کے مصر پہنچے۔ آپ نے انہیں بڑی تکریم کے ساتھ نوازا، جو آپ کے مرتبے اور شان کے لائق تھی۔ والدین سے جدائی کے بعد وصال نصیب ہونے کا شکریہ ادا کرتے وقت آپ پر کس قدر گریہ طاری ہوا، اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ملاپ کے وقت والدین کی کیا کیفیت تھی، ان پر کس قدر گریہ تھا، یہ بھی محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ بھائیوں پر اپنے قصور کے اعتراف کے بعد ایک کیفیت تھی، وہ رو رہے تھے، اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے تھے۔ ان بھائیوں کو تسلی دینے والے، یوسف علیہ السلام بھی تھے، اور والدین کریمین بھی تھے۔ جب گریہ تھما، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کی خدمت میں درخواست کی، کہ آپ اس مقام پر تشریف رکھیئے، جو اللہ نے آپ کی دعا اور برکت سے مجھے عطا فرمایا ہے۔ والدین بصد راحت اس مقام پر بیٹھے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کو بٹھایا۔ جدائی کے بعد اس فضا میں ملنے کا شکریہ سب صاحبان نے ادا کیا، اور بڑے گریئے کے ساتھ ادا کیا۔ پھر یوسف علیہ السلام نے کہا، مصر میں آپ انشاء اللہ امان سے ہیں۔ آپ کا دکھ اب آپ کا دکھ نہیں ہے۔ اللہ اپنے فضل سے آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائے گا۔

حاصل : ادب و احترام کا اظہار جلوت میں ہو، تو حق ادا ہوتا ہے۔ جدائی کے بعد ملاپ کے وقت گریہ، اللہ کا شکریہ ادا کرنے کی صورت ہے۔ اپنے اختیار کے حوالے سے اپنے ساتھیوں کو امان کا یقین دلانا چاہئے، اور کہنا چاہئے اب آپ کا دکھ آپ کا دکھ نہیں رہا۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھا کر رفعت

سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰

دی، اور سب اس کے آگے سجدے میں پڑے۔ اور عرض کی، اے والد محترم یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے ربّ نے سچا کیا، اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید سے نکالا، اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بعد اس کے کہ شیطان نے میرے، اور میرے بھائیوں کے مابین ناچاقی کرا دی تھی۔ بے شک میرا ربّ جس بات کو چاہے آسان کر دے، بے شک وہی علم والا، حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ سے اپنی مسند پر تشریف رکھنے کے لئے درخواست کی، جو انہوں نے قبول کی، اور سب لوگ آپ کے سامنے آداب بجالائے۔ سجدہ اگر اللہ کے لئے ہو، تو اس کے لئے ضروری ہے، کہ اپنے ہاتھ، گھٹنے اور سر کو زمین پر رکھا جائے، اور اللہ کی تسبیح کی جائے۔ یہ سجدہ ہمیشہ اللہ کے لئے ہی تھا اور ہمیشہ اسی کے لئے رہے گا۔ لوگوں کی تکریم اور قدر و منزلت کے لئے، ان کے آگے کسی حد تک جھک جانا، سینے پر ہاتھ رکھ کر آداب بجالانا، اور اگر وہ مخلص ہیں تو ان کی قدم بوسی کرنا، آداب معاشرت کا حصہ ہے، اور رہا ہے، اور یہاں سجدہ انہی معنوں میں ہے کہ وہ سب آداب بجالائے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، اے والد محترم یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بے شک اس خواب کو حقیقت کی صورت میرے ربّ نے دی ہے۔ اس کا بڑا احسان ہے، کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا، اس نے مہربانی فرمائی کہ آپ سب کو یہاں لے آیا اور جدائی کے بعد ملاپ کی صورت پیدا کر دی۔ شیطان نے یقیناً میرے اور میرے بھائیوں کے مابین ناچاقی کرا دی تھی۔ میرے ربّ نے شیطان کی تدبیر کو کس طرح ناکام بنایا، میرے لئے اس مقام پر پہنچنا کس طرح آسان بنایا، کس کس طرح میری حفاظت فرمائی، کس کس طرح مجھے سہارا دیا، یہ میرا ربّ ہی کر سکتا تھا۔ جو بھی میرے ساتھ ہوا، میں نے اسے باذن اللہ جانا۔ میرے ربّ کی شان ملاحظہ ہو، کہ اس نے اپنے علم سے اور اپنی حکمت سے جو تدبیر فرمائی، اس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔

حاصل : کسی کو بلند مقام پر بٹھانا اظہار ادب ہے۔ بندوں کی تعظیم و تکریم کے لئے آداب بجالانا، سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھک جانا اور وہ مخلص ہوں تو ان کی قدم بوسی کرنا خلاف حق نہیں۔ اللہ کے لئے سجدہ تب ہوتا ہے، جب ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر ہو، اور اللہ کی تسبیح بیان کی جائے۔ یہ سجدہ کسی دوسرے کو نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہو گا۔ جب اپنی عزت افزائی ہو رہی ہو، تو اللہ کے احسانات کا ذکر کرنا چاہئے۔ ناچاقی کا

سبب شیطان کو قرار دینا چاہئے، اور کہنا چاہئے، میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ اس کے علم اور حکمت سے جو صورت بنتی ہے، اس سے بہتر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے ربّ تو نے مجھے ایک سلطنت دی، اور مجھے تاویلِ الاحادیث کا علم سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو دنیا و آخرت میں میرا ولی ہے، مجھے اسلام پر وفات دینا، اور صالحین کے ساتھ میرا الحاق فرمانا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس مقام پر دیکھا، جس میں بھائی اور ماں باپ اور دوسرے لوگ بھی آپ کی تعظیم و تکریم کر رہے ہیں، تو آپ نے اسی حال پر اپنے ربّ کا شکر ادا کیا۔ اور فرمایا: اے میرے ربّ! تو نے مجھے ایک سلطنت دی، یہ تیری عنایت ہے۔ مجھے تو نے باتوں کا انجام نکالنا سکھایا، مجھے اس علم نے تیرے کرم سے بہت سکھ دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! دنیا میں بھی تیری دوستی سے بڑا انعام کوئی نہیں، آخرت میں بھی تیری دوستی ہی فلاح کی سند ہے۔ میری دعا یہ ہے، کہ حیات دنیا میں اس راستے پر رکھنا، جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہے اور وفات اس حال پر دینا، جو حال حق کو بصد ادب و احترام ماننے والوں کا ہوتا ہے، اور صالحین کی پاک جماعت کے ساتھ ملا دینا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ماضی کی تکالیف کا ذکر تک نہیں کیا، کہ اس سے کچھ حاضرین کو ندامت ہوگی۔ حال پر اللہ کا شکر ادا کیا، اور اس ساری شان و شوکت کو اللہ کی عطا کہہ کر اظہار بندگی کیا، دنیا و آخرت میں اللہ کی دوستی اور اس کے کرم کو سلام کیا، اور آخر میں مستقبل کے لئے دعا کی، کہ حالت اسلام پر وفات ہو، اور صالحین کا ساتھ نصیب ہو۔

حاصل : اپنی عزت افزائی ہو رہی ہو، تو ماضی کی تکالیف کا ذکر کر کے کسی کو شرمندہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ رویہ اخلاق کریمانہ کے خلاف ہے۔ اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ دنیا و آخرت میں اللہ سے بڑا دوست کوئی نہیں ہو سکتا۔ دعا یہی کرنی چاہئے، کہ حالت اسلام پر وفات ہو، اور صالحین کا ساتھ نصیب ہو۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنا کام ٹھہرانے لگے، اور وہ داؤ چلنے لگے۔

قرآن پاک کا بیان ایسا نہیں ہے، جسے سابقہ کتب سے اخذ کردہ کہا جاسکے۔ تورات اور انجیل میں اس کی جو روایات ہیں وہ

قرآن پاک کے بیان سے میل نہیں کھاتیں۔ قرآن پاک کا بیان اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے اور یہ بصورت وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر موجود تو نہ تھے، جب برادران یوسف نے اپنا کام ٹھہرایا تھا، اور وہ داؤ چلنے لگے تھے۔ کتب سابقہ کی روایات اور طرح کی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری معلم کوئی نہیں۔ ماضی بعید کے واقعات چشم دید نہیں ہو سکتے۔ جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کے مستند ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ ثبوت پیش نظر ہوں، تو ان غیب کی خبروں کا پہنچانے والا، علیم مطلق ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : قرآن پاک کا بیان حال پر کتب سابقہ کی طرح کا نہیں ہے۔ حقائق کی صورت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اور اصلاح حال کی طلب رکھنے والوں کے لئے اس میں ہدایت موجود ہے۔

وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

اور آپ کتنا ہی چاہیں، اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے بھلائی چاہنے والے ہیں، اور سب کی بھلائی چاہنے والے ہیں۔ اکثر لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے، کہ وہ اپنی پسند کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے، اور اپنی پسند کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ایمان لانا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : اکثر لوگ اپنی پسند کے دائرے سے نہیں نکلتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے۔

وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾

اور آپ ان سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ یہ تو نہیں مگر عالمین کے لئے نصیحت۔

ناصح کی شان کے لائق یہی ہے، کہ وہ تبلیغ حق کے ساتھ اجر کا سوال نہ کرے۔ اسے لوگوں کی بھلائی عزیز ہوتی ہے، اور بھلائی چاہنے والوں کا انتظار رہتا ہے۔ قرآن پاک سارے جہان کے لئے نصیحت ہے۔ یہی فرمان خداوندی ہے، جو سارے جہان کو عقیدے کے اعتبار سے ایک کر سکتا ہے۔

حاصل : ناصح کی شان یہی ہے، کہ وہ نصیحت کے ساتھ کوئی شرط عائد نہیں کرتا، کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ نصیحت وہی پوری ہے، جو سب کی بھلائی کے لئے ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾

ہمیں علم ہے، کہ آپ کو اس بات سے رنج ہوتا ہے، جو یہ کہتے ہیں، تو وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ ءَايَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور کتنی نشانیاں ہیں، آسمانوں اور زمین میں، جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے، اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔

نشانیاں رکھنے والے نے آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں رکھی ہیں، جن سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ ان نشانیوں کا صانع ہے، اس نے ایک وقت پر ان کی ابتدا کی ہے، ایک وقت پر ان کی انتہا ہوگی، اس کی قدرت کا احاطہ ہر شے پر وسیع ہے، اس مالک کل کے فرمان کو ماننے والے ہی فلاح پاتے ہیں، مکذبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔ جب بندہ اس کائنات کے حوالے سے اپنے مقام پر دھیان کرے تو اسے عرفان نفس میں بڑی مدد ملتی ہے، اور جب خواہشات کے اندھیرے کی طرف بڑھتا جا رہا ہو، تو قویٰ کے صحیح استعمال کا موقع ہی کب آئے گا۔

حاصل : نشانیاں روزمرہ زندگی میں ضرور رکھی گئی ہیں۔ جو مصنوع کے پیچھے صانع کو دیکھے، اس کی قدرت پر نظر کرے، اس کائنات میں اپنی حیثیت کو دیکھے، وہ اپنے انجام سے انکار نہیں کر سکتا۔ جو فلاح کا طالب ہو وہ ضرور دھیان کرتا ہے۔ دھیان ہو تو عرفان ہوتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور ان میں اکثر وہ ہیں، جو ایمان نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

جو لوگ دھیان نہیں کرتے، مگر دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان والے ہیں، اس کائنات میں اپنا مقام ان کی نظر میں نہیں ہوتا۔ جب تک اسباب انہیں اپنی منشاء کے مطابق نظر آتے رہیں ان کا توازن نہیں بگڑتا، اور جب یہ صورت بدلے تو ان پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے، جو ایمان کی نفی کرتی ہے۔ مشرک مانتا ہے، جیسے وہ چاہے۔ مومن، اللہ کو شاہد کے حوالے سے مانتا ہے۔

حاصل : اگر ایمان شاہد کے حوالے سے ہو، تو شرک کا امکان نہیں رہتا۔ اگر شاہد کے حوالے سے نہ ہو، تو شرک سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ حق کے مقابل جہاں اپنی پسند آئے گی، شرک ہو جائے گا۔

أَفَأَمِنُوْا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

کیا اس سے نڈر ہو گئے، کہ اللہ کا عذاب انہیں آکر گھیرے، یا قیامت ان پر اچانک آ جائے اور انہیں خبر نہ ہو۔

منکرین حق کو عذاب الٰہی گھیرے، تو پھر بچ کر بھاگ جانا، ان کے بس میں کبھی نہیں ہوا۔ قرآن پاک میں اس کی بہت سی اسناد موجود ہیں۔ جس راستے پر چلنے والے پہلے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ختم ہو چکے ہیں، اسی راستے کو اختیار کرنے والے اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اس لئے خلاف حق کرنے والوں کو ان لوگوں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے، جو پہلے خسارے میں

مبتلا ہو چکے ہیں۔ عذاب الٰہی سے نڈر ہو جانا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ جو مہلت کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے، اس کے خاتمے پر قیامت آ جائے گی اور وہ اچانک آ جائے گی، پھر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جائے گا، اور اصلاح کو قبول کرنا بعداز وقت ہو گا۔

حاصل : عذاب الٰہی کے آ گھیرنے سے نڈر ہو جانا، یا قیامت کے آ جانے سے نڈر ہو جانا، منکرین حق کی نشانی ہے۔ عذاب الٰہی کو روکنے کی طاقت بھی کسی میں نہیں ہے، قیامت کو روک دینا بھی کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے ان سے نڈر ہو جانا انتہائی بے سمجھی ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸

فرما دیجئے یہ میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں روشن راہ پر ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کریں، اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کی اطاعت میں یہ فرمایا، کہ میرا راستہ یہ ہے، کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اس نے تمہیں حیات دنیا میں وہ توفیق دی ہے، جس سے تم حق کو اپنے مقام پر بطریق احسن ادا کر سکو۔ وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ آپ نے فرمایا: میرا راستہ بصیرت وبرہان کا راستہ ہے۔ میرا اتباع کرنے والوں کا راستہ بھی یہی روشن راستہ ہے۔ اس میں کہیں شکوک و شبہات کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ روشنی اسی کو مل سکتی ہے، جو اللہ کی رضا کو مقصود بنائے، شاہدین کی طریقت کو اختیار کرے، اور اپنی خواہش کی پیروی سے بچتا رہے۔ ایسے صاحب کا دل اس قدر منور ہو جاتا ہے، کہ ہر مقام پر حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کو دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ پاک ہے۔ بندہ پاک ہو تو اللہ کی بات کو پا سکتا ہے۔ بندہ اسی طرح پاک ہو سکتا ہے، کہ اس کی زندگی میں اس کی پسند کا حوالہ کہیں نہ رہے۔ آپ نے واضح فرمایا: میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔ شرک کرنے والے وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہے۔ میں وہ کرتا ہوں جو اللہ چاہے۔ میری پیروی کرنے والے بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا رخ رکھتے ہیں۔

حاصل : جس کو دعویٰ ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر ہے، اس کے پاس یہ اسناد موجود ہونی چاہئیں، کہ وہ اللہ کی طرف بلاتا ہو، اس کا راستہ بصیرت و برہان سے روشن ہو، وہ خلوت و جلوت میں پاک ہو، اور اس کی پسند کا حوالہ اس کی زندگی میں کہیں نہ ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا

اور آپ سے قبل ہم نے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے، ہم ان کی طرف وحی

نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰیؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْاؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰۹)

کرتے رہے، وہ انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔ تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے نہیں، کہ دیکھتے ان سے پہلوں کا انجام کیا ہوا۔ اور یقیناً دار آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔ تو کیا عقل نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا، کہ اسی قریئے میں پیدا ہونے والا، ہم میں سے پیدا ہونے والا، ہم میں بچپن اور جوانی کا وقت گزارنے والا، اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے، ان کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے لئے جو معیار رکھا ہے، وہ پہلے بھی یہی تھا۔ رسول سب مرد ہی ہوئے ہیں۔ اللہ کی وحی سے حالات حاضرہ کو درست کرنے کے لئے خود نمونہ بنتے رہے ہیں، اور وہ انہی لوگوں میں سے ہوتے رہے ہیں جن کی طرف ان کی بعثت ہوتی تھی۔ جہاں بھی کسی رسول کو بھیجا گیا ہے وہ جگہ تہذیب کا مرکز جانی جاتی تھی۔ اللہ نے اصلاح کو وہیں سے پھیلانا پسند کیا ہے، جہاں سے انسانوں کے بنائے ہوئے آداب معاشرت پھیلنا شروع کرتے تھے۔ زمین میں چلنے والوں نے یہ دیکھا ہے، کہ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کے آثار بتا رہے ہیں، کہ مکذبین حق نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کا استعمال خلاف حق کیا، پھر ایک وقت کے بعد ان پر ایسی گرفت آئی، کہ وہ اوندھے کر دیئے گئے، اور انسانی علم سے بنی ہوئی تہذیب انسانی معاشرے کی بربادی کا باعث بنی۔ حیات دنیا میں بھی وہی لوگ راحت پاتے رہے، جن کو اللہ کی رضا مقصود تھی، اور آخرت میں تو فلاح ہے ہی ان کے لئے، جو آخرت کے یقین کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ منکرین کے لئے تو وہاں سزا ہی ہوگی۔ عقل کا تقاضا یہ ہے، کہ وہ راستہ اختیار نہ کیا جائے، جس پر چلنے والے پہلے خسارے میں پڑ چکے ہیں۔

حاصل: تبلیغ حق کا کام مردوں کے سپرد کرنا، اللہ کا طریقہ ہے۔ بہترین صورت یہ ہے، کہ جن لوگوں کو حق کی طرف بلانا ہو، بلانے والا انہی میں سے ہو، مرکز تہذیب سے تعلق رکھتا ہو، اور انہی کی زبان میں ان سے خطاب کرے۔ آثار قدیمہ میں درس عبرت موجود ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ صورت ہے، کہ ان کا مستقبل، حال سے بہتر ہوتا ہے۔ جس کو بہتری کی طلب ہو، اس کو عقل کرنی چاہئے۔

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا لا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ

حتیٰ کہ جب رسولوں کو لوگوں کے ایمان لانے کی امید نہ رہی، اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ جو ڈر انہیں سنایا گیا تھا، ٹھیک نہیں تھا۔ اسی وقت ہماری نصرت آ پہنچی۔ پھر ہم نے جن کو چاہا نجات دی۔ اور قوم مجرمین سے

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ ہمارا عذاب پھرا نہیں کرتا۔

جب اللہ کے رسولوں نے دعوت الی اللہ دیتے ہوئے بڑا وقت لگایا، اور اس کے بعد یہ محسوس کیا، کہ یہ لوگ جن کی طرف ہمیں بھیجا گیا ہے، ایمان لانے والے نہیں، تو منکرین حق نے بھی یہ کہنا شروع کیا، کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا رہا ہے، اس کو اگر آنا ہوتا، تو وہ آ چکا ہوتا، اور وہ چونکہ اب تک نہیں آیا، اس لئے ہمیں بے جا ڈرایا جاتا رہا ہے۔ یہ مقام جب آ جاتا ہے، تو دعوت الی اللہ دینے والوں کا کام ختم ہو جاتا ہے، اور لوگوں کو اصلاح کے اختیار کرنے کی جو مہلت دی گئی ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی وقت حق کے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ ماننے والوں کو اللہ اپنی رحمت کے ساتھ نجات دے دیتا ہے۔ منکرین مجرمین عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر عذاب الٰہی انہیں مٹا کر رکھ دیتا ہے۔

حاصل : جب حق بیان کرنے والے لوگوں کے انکار کو دیکھتے دیکھتے خاموش ہو جائیں، اور منکرین عذاب الٰہی کے نہ آنے کو جواز بنا کر اہل حق کو جھٹلانے لگیں، تو عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا وقت بالکل قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو الگ الگ کر دیا جاتا ہے۔ ماننے والے رحمت الٰہی کے ساتھ نجات پاتے ہیں۔ منکرین مجرمین عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر عذاب الٰہی ان سے پھرا نہیں کرتا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

بے شک ان کے احوال میں عقل مندوں کے لئے عبرت ہے۔ کچھ گھڑی ہوئی بات نہیں، لیکن اُس کلام کی تصدیق ہے، جو اس سے پہلے ہے، اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

انبیاء سابقین کے احوال میں عقل مندوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ ان حضرات کے احوال کو اس طرح دیکھنا چاہئے، کہ لوگوں نے ان کے ساتھ کیا کیا، ان پاک لوگوں نے جواباً کیا کیا۔ ایذا رسانی کرنے والے، ندامت کے مقام پر پہنچ کر رکے، صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی معیت کی بدولت واجب التکریم ٹھہرے۔ تعظیم انہی کی ہوئی، جنہوں نے خلاف حق کرنے کو ظلم مانا۔ قرآن پاک کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں۔ اندازے قیافے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ حال اس ماضی کی تصدیق کرتا ہے، جو اس سے پہلے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اصلاح حال کے لئے اس میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے۔ جو لوگ حال پر اصلاح کو قبول کرتے ہیں، ان کے لئے اس میں نور ہدایت موجود ہے، اور اس کا ماننا ان کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے۔

حاصل : انبیاء سابقین کے احوال میں عقل مندوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ گھڑی ہوئی بات

حق کی تصدیق نہیں کرتی، ماضی میں بیان کردہ حقائق سے میل نہیں کھاتی۔ قرآن پاک میں اصلاح حال کے لئے ہر شے کی تفصیل موجود ہے۔ مقام صبر کے سب درجات کا ذکر ہے۔ مقام شکر کے سب درجات کا ذکر ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے والے کہاں سے شروع ہوتے ہیں، کہاں تک پہنچتے ہیں اس کا بھی مفصّل ذکر ہے۔ خلاف حق کرنے کو ظلم جاننے والے کیسے برہان کو دیکھتے ہیں، اس کا بھی ذکر ہے۔ مخلصین کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے اس کا بھی ذکر ہے۔ جو جس مقام پر ہے، وہاں اگر وہ قرآن پاک سے نور معرفت لینا چاہے، تو اس کو ہر شے کی تفصیل ملے گی، اور یہ ماننے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ ماننے والوں کو جو یقین اس سے ملتا ہے، جو آسانی اس سے ملتی ہے، وہ کسی اور شے سے مل ہی نہیں سکتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا۟ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو۔ بے شک اللہ ہر شے کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کچھ شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ سچّی بات کس کی ہے۔

سُوْرَةُ الرَّعْد

آیاتہا ۴۳ — رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱

المرٓا قف یہ کتاب کی آیات ہیں، اور جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل ہوا وہ حق ہے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

حروف مقطعات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کی سند ہیں۔ علیم مطلق کے فرمان کا یہ حصہ اسی ذات بابرکات کے لئے ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا ہے۔ ان حروف کے معنوں کا تعین، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہو گا، اور آپ سے تقدم خلاف حق ہے۔ قرآن پاک کی آیات کی صورت میں جو کچھ آپ پر نازل فرمایا گیا وہ بھی حق ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ اس حق سے استفادہ کریں۔ جو کچھ آپ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی فرمایا گیا ہے اور حق ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے، کہ بندے کو خالق کل کی طرف سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معبود لاشریک ماننا، آخرت پر یقین رکھنا اور قرآن پاک کو منزّل مِنَ اللہ ماننا عقل کرنے والوں کے لئے ہی ممکن ہوتا ہے۔

حاصل : حروف مقطعات کے معنوں کا تعین کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ پر جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے، اور آپ نے وہی کیا ہے جو آپ پر نازل فرمایا گیا ہے۔ اکثر لوگ حق کو نہیں مانتے، کہ ان کو خالق کل کے ساتھ اپنے تعلق کا پتہ نہیں ہوتا، اور زندگی کو بطریق احسن گزارنے کے لئے انسان کی علمی ضرورت کا احساس نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

اللہ ہے جس نے آسمانوں کو رفعت دی بغیر ستونوں کے، کہ تم دیکھو، پھر عرش پر استویٰ فرمایا، اور شمس و قمر کو مسخر کیا، ہر ایک اجلِ مسمّٰی تک جاری ہے۔ اللہ کام کی تدبیر کرتا ہے، آیات کو مفصّل کرتا ہے، کہ تمہیں اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو۔

اللہ کی قدرت کے مظاہر کو دیکھا جائے، تو آسمانوں کی بلندی اور بغیر مرئی ستونوں کے اتنی بلندی، بغیر کسی نقص کے اتنی بڑی چھت کا ہونا، صانع کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علم اور حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ مقام جہاں سے احکامات الٰہی کے ذریعے اس کائنات کو کنٹرول کیا جاتا ہے، عرش الٰہی ہے۔ اس کائنات کے تمام اجزا، تمام ارکان کے درمیان ربط قائم کرنے کا علم بھی اللہ ہی کو ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ نے شمس و قمر کی تخلیق سے پہلے ان کے مقاصد تخلیق کو متعین کیا۔ جن مقاصد کے تحت شمس و قمر کی تخلیق ہوئی، ان مقاصد کی تکمیل تک ان دونوں کا سفر جاری رہے گا۔ شمس و قمر، کائنات میں کس کس مقام پر کیا کیا اثرات مرتب کرتے ہیں، اور ان سے زینت حیات دنیا کس قدر متاثر ہوتی ہے، انسان کو اس کا پورا علم ہو، تو منتظم اعلیٰ، خالق کل کی ناشکری ممکن نہیں رہتی۔ اللہ جو کرتا ہے، وہ اس کی مشیت ہے۔ جو تدبیر اللہ کرتا ہے، وہی تدبیر صحیح ہوتی ہے۔ انسان اللہ کی تدبیر کو کسی مقام پر بھی مان لے، اس کو سکھ ملتا ہے، مشقت معاف ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ کی تدبیر کو روکنے کی کوشش کی جائے، تو ہوتا وہی ہے، جو اللہ چاہے، انسان محض دکھ اٹھاتا ہے۔ آیات کی تفصیل بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ انسان پر یہ واضح ہو، کہ اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، اس کا مقصد حیات کیا ہے، اس کو توفیق کس قدر دی گئی ہے۔ اور اگر وہ سلامتی کا راستہ چھوڑ دیتا ہے، تو بھی جزا دینے والے سے بھاگ کر کہاں جائے گا۔ جب اللہ سے ملنا یقینی ہے، تو پھر اس کے فرمان کے خلاف کرنے کی طلب نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل : مظاہر قدرت الٰہی سے اللہ کی شان واضح ہوتی ہے۔ انسان کو اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو بھی دیکھنا چاہئے۔ حکم نافذ کرنے کے مقام کو پاک اور لائق احترام ہونا چاہئے۔ مقصد تخلیق کے اعتبار سے حضرت انسان کو یہ آزادی دی گئی ہے، کہ وہ توفیقِ ایزدی کو حق کے مطابق استعمال کرے، یا خلاف حق استعمال کرے۔ اللہ کی تدبیر کو ادب سے ماننا چاہئے۔ سمجھنے والے کی استعداد کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو، تو اس کی رضا کے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں رہتا۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣﴾

وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا، اور اس میں بوجھ رکھے اور ندیاں بہائیں۔ اور سب ثمرات کے اس میں جوڑے رکھے دو دو قسم کے۔ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے۔ بےشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں کی رفعت کے ذکر کے بعد، زمین کے پھیلاؤ کا ذکر ہے۔ یہ کام جس قادر مطلق نے کیا ہے، اس کی قدرت پر دعوت فکر و نظر دی گئی ہے۔ زمین پر پہاڑ رکھے گئے ہیں، اور ان سے پانی کی ندیاں بہائی گئی ہیں۔ پہاڑوں کے محل وقوع سے لے کر ان سے حاصل ہونے والے فوائد کو دیکھا جائے، اور ندیوں کی ابتدا سے لے کر ان کے سمندر تک پہنچنے کے عمل کو دیکھا جائے۔

توصانع کی قدرت وحکمت کو مانتے ہوئے، اس کے حضور سجدہ ریز ہونا پڑتا ہے۔ ثمرات پر نظر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ بیج سے پودا، پودے سے پھول اور پھول کے نر و مادہ حصوں کا ملاپ اور اس ملاپ کے نتیجے میں بننے والا پھل اور اس پھل کی افادیت کو قائم رکھنے کے لئے توازن کا اہتمام، یہ سب اللہ کے علم اور اس کی حکمت کے مظہر ہیں۔ حیاتِ نباتات کے ساتھ حیاتِ حیوانات بھی ہے۔ یہ بھی ایک جوڑا ہے۔ حیات کے اس عمل کو جاری رکھنے کے لئے رات اور دن کا جوڑا ضروری ہے۔ گرمی اور سردی، روشنی اور اندھیرا اور اس کے علاوہ جس کا انسان کو علم نہیں ہے، کس طرح بتدریج رات اور دن کی صورت میں کائنات کو متحرک رکھتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کو دیکھئے، اس کے نظم کو دیکھئے، اس نظم کے تواتر کو دیکھئے، اور انسانوں کو بین الاقوامی سطح پر ایک طرح کے ضابطہ اخلاق کی طرف بڑھتے دیکھئے، انہیں ایک طرح ناپ تول کے پیمانوں پر متفق ہوتے دیکھئے، آپ کو اس غور و فکر میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں نظر آئیں گی۔

حاصل : زمین کا پھیلانا، اس میں پہاڑوں کا رکھنا، ندیوں کا بہانا، ثمرات کے جوڑے بنانا، ان کی افادیت کو مقررہ حدود کے اندر قائم رکھنا، رات اور دن کو حیات دنیا میں اپنا حصہ ادا کرنے پر لگائے رکھنا، اور کائنات کے اس نظم کو درہم برہم ہونے سے بچائے رکھنا تا آنکہ وہ وقت نہ آ جائے، جس وقت تک کے لئے اس کو بنایا گیا ہے، یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں پر غور و فکر کیا جائے، تو قرب الٰہی کا احساس بڑھتا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۗ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

اور زمین میں مختلف قطعے ہیں، اور ہیں متصل، اور باغ ہیں انگوروں کے اور زراعت ہے اور کھجور کے درخت ہیں، ایک کی جڑ دوسرے سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی، ان کو پانی ایک ہی دیا جاتا ہے۔ اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ بےشک اس میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اللہ کی قدرت کے مظاہر کا ذکر ہو رہا ہے، کہ زمین میں مختلف قطعے ہیں اور ہیں بھی متصل، ان کی خاصیتیں، ان کی کیمیاوی ترکیب اور پیداوار کی صلاحیت یکساں نہیں۔ انگوروں کے باغ ہیں، اور کھیتی ہے، اور کھجور کے درخت ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک جڑ سے ایک تنا نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں۔ کس مقصد کے لئے کونسا خطہ زمین بہتر ہے، یہ عقل والے دیکھتے ہیں۔ انگوروں کی اچھی فصل کے لئے جو زمین بہتر ہو گی، وہ عام کھیتی کے لئے بہتر نہیں ہو گی۔ کھجور کے درخت وہاں بھی ہو سکتے ہیں، جہاں زیر زمین پانی کی سطح بہت پست ہو، مگر عام کھیتی کے لئے یا دوسرے درختوں کے لئے جہاں زیر زمین پانی بہت نیچے ہو، وہ زمین موزوں نہیں ہو گی۔ پانی تو سب درختوں کو ایک ہی دیا جاتا ہے، مگر ہر ایک اپنی اپنی خاصیت کے مطابق زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ پھر بعض درخت الگ الگ اور بعض ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھلوں کو دیکھئے، جو

زیادہ لوگوں کو مرغوب ہوتے ہیں، وہ ذائقے کے لحاظ سے میٹھے ہوتے ہیں۔ مگر سب پھلوں کی مٹھاس بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ میٹھے انگور اور میٹھی کھجور میں مٹھاس ایک جیسی نہیں ہوتی۔ عام لوگ فائدے کو نہیں دیکھتے، ذائقے کو دیکھتے ہیں، اس لئے وہ لذت سے آگے کچھ نہیں جانتے۔ غلہ انسانی ضرورت ہے، اور اگر اس کی حفاظت کا بندوبست موزوں ہو، تو سال بھر کام آتا ہے۔ یہ سب سے افضل ہے۔ جو پھل ذائقے کے اعتبار سے پسندیدہ ہو، اور دیر تک استعمال میں لایا جا سکتا ہو، وہ دوسرے پھلوں کے مقابل بہتر ہو گا۔ عقل مند لوگ یہ دیکھتے ہیں، کہ ہم مفاد عامہ کے لئے کیا کرتے ہیں، اور کتنی دیر تک کرتے ہیں۔

حاصل : ایک ہی زمین کے سب قطعے ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہر درخت ہر پودا اپنی خاصیت کے مطابق زمین سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ پانی سب کو ایک ہی دیا جاتا ہے۔ وہ پھل جو زیادہ لوگوں کے استعمال میں آئے، اور دیر تک استعمال میں لایا جا سکتا ہو، دوسرے پھلوں کے مقابل فضیلت رکھتا ہے۔ وہ عقل مند جو مفادِ عامہ کے لئے سعی کرے اور اپنی بساط تک کرتا رہے، وہ بھی لوگوں پر اپنی فضیلت رکھتا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

اور اگر تم تعجب کرو، تو تعجب تو ان کے اس قول پر ہونا چاہئے، کہ کیا ہم مٹی ہو کر پھر نئے بنیں گے۔ وہی اپنے ربّ سے کفر کرنے والے ہیں، اور وہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہیں، اور وہ دوزخ والے ہیں۔ وہ اسی میں رہیں گے۔

تعجب کی بات یہ نہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے اپنی حکمت سے، ہر چیز کی استعداد کے مطابق اس کا دائرہ عمل مقرر کیا ہے۔ اسی دائرے میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر دوسری اشیاء کے ساتھ ہر شے اپنا تعلق محسوس کرتی ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ نے بے مقصد نہیں بنایا۔ کائنات کی وسعت کو دیکھئے، ہر شے کی مقصدیت کو دیکھئے، اشیاء کے مابین ربط و توازن کو دیکھئے آپ کو حق کے ماننے والوں کا انجام فلاح کی صورت میں نظر آئے گا، حق کے منکرین کا انجام خسارے کی صورت میں نظر آئے گا۔ کافروں کا یہ قول باعث تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انسان کو نہ ہونے سے بنایا ہے، مگر بعث بعد الموت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ دراصل اپنے رب سے کفر کرنے والے ہیں۔ یہ مانتے ہی نہیں، کہ ان کی پیدائش کے اجزاء ترکیبی کو بنانے والا، اور پیدائش کے تمام مراحل پر ضروری خوراک سے ان کی پرورش کرنے والا، پیدائش کے بعد موزوں خوراک سے پالنے والا وہی خالق کل ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ من مانی کرنے والے لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ حیات دنیا میں ان لوگوں کی انا نے، ان کی نخوت نے انہیں استکبار پر ٹکائے رکھا۔ انہوں نے قادر مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنے کا رخ ہی نہیں اختیار کیا۔ اس طرح ان کی گردن جھکی ہی نہیں۔ آخرت میں یہ جھکنے کے قابل ہی نہ رہے گی۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ یہ اسی میں رہیں گے۔ وہاں ان کی کوئی تجویز ان کو بچا نہیں سکتی۔

حاصل : تعجب کی بات یہ نہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے، اس کی قدرت سے ہر شے کا دائرہ عمل مقرر کیا

گیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے، کہ کافر یہ تو مانتے ہیں کہ انسان عدم سے وجود میں آیا، مگر یہ نہیں مانتے کہ اسے دوبارہ بھی بنایا جائے گا۔ جس نے پہلے بنایا ہے، اسے دوبارہ بنانا آسان ہو گا۔ اللہ کو نہ ماننے والے، کبر و نخوت میں پھنسے رہتے ہیں۔ اکڑی ہوئی گردنوں کو طوق پہنائے جاتے ہیں۔ جو حق کے انکار کو اپنا وطیرہ بنا لے، وہ دوزخ میں ہی رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

اور بھلائی سے قبل آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان سے قبل بہت سے عذاب گزر چکے ہیں۔ اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود معاف بھی کرتا ہے، اور بے شک آپ کے رب کا عذاب بڑا سخت ہے۔

منکرین حق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے، کہ ہم لوگ آپ کے فرمان کے خلاف کر رہے ہیں، تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ پہلے بہت سی قوموں پر عذاب آ چکا ہے۔ عذاب بھیجنے والے قادر مطلق کی شان عفو یہ ہے، کہ وہ عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ ابتداء لوگوں کو ان کے خلافِ حق کرنے کے باوجود معاف کرتا ہے، اور جب تک وہ حق کو قبول کرنے کی استعداد کو بالکل ضائع نہیں کر دیتے، تب تک اس کی شدید گرفت ان کو عبرتناک انجام تک نہیں پہنچاتی۔

حاصل : اللہ سے بھلائی طلب کرنی چاہئے۔ عذاب مانگنے میں جلدی کرنے والے، ماضی سے سبق نہیں کرتے۔ لوگوں کو ابتداء ان کے خلافِ حق اعمال کے باوجود معاف کرنا چاہئے۔ اللہ کے عذاب سے بچ کر بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۞

اور کافر کہتے ہیں، کیوں نہ اتری آپ پر کوئی نشانی آپ کے رب کی طرف سے۔ بے شک آپ تو ڈر سنانے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے راہ دکھانے والے۔

قرآن پاک کی تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہدایت کی طلب رکھنے والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کی آیات سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی کسی دلیل کو مجروح کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ ایسے ناقابل تردید براہین کی موجودگی میں، کسی نشانی کا طلب کرنا، حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش ہے۔ اس سے کبھی کسی کو ہدایت نہیں مل

سکتی۔ علیم مطلق کے علم کے سامنے نشانی مانگنے والے کے علم کا کیا مقام ہے۔ پھر نشانی جس قوم نے مانگی ہے، ماضی کے واقعات اس امر کی شہادت دیتے ہیں، کہ اس نے اللہ کے رسول کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت دیکھ کر بھی کیا وہی ہے، جو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دینا ہے، اور ہر قوم کے سامنے معیار ہدایت رکھنا ہے۔ جو مانتا ہے وہ ماننے کی جزا پائے گا، جو نہیں مانتا وہ نہ ماننے کی جزا پائے گا۔

حاصل : حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش سے کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ علیم مطلق نے جس حال پر جو نشانی عطا کی ہے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، اور ہر قوم کے سامنے معیار ہدایت کو روشن کرنا بہرحال ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (٣٢) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٢٩﴾

فرما دیجئے، فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور نہ انہیں مہلت ہی ملے گی۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾

اللہ کو علم ہے، جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے، اور رحم جو گھٹتے اور بڑھتے ہیں۔ اور اس کے پاس ہر شے ایک مقدار سے ہے۔

اللہ ہی ارحام میں صورتیں بناتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔ اس کو علم ہے، کس مادہ کے پیٹ میں کیا ہے۔ نر ہے، مادہ ہے، ایک بچہ ہے یا زیادہ ہیں۔ اسی علم سے اللہ ان کو خوراک بھی دیتا ہے۔ پالنے کا یہ کام اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ رحم بچے کی پیدائش کے بعد سکڑتے ہیں، حمل کے بعد بڑھتے ہیں، مگر علیم مطلق کی شان ملاحظہ ہو، کہ رحم کے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی ایک مقدار رکھی گئی ہے۔ کس حد سے آگے گھٹنا اس کے طبعی افعال کو متاثر کرے گا، اور کس حد سے آگے بڑھنے پر مادہ کی سلامتی پر اثر پڑے گا۔ اللہ کو اس کا علم ہے۔ جو حدود اس نے گھٹنے اور بڑھنے کے لئے رکھی ہیں، ان حدود کے تعین میں بھی اللہ کے خالق کل اور لاشریک ہونے کی سند موجود ہے۔

حاصل : پالنے والے ربّ العالمین کی شان ہے، کہ وہ ارحام میں ہر ایک کو اپنے علم سے پالتا ہے۔ اس نے ارحام کے گھٹنے اور بڑھنے کی حدود کا تعین کر دیا ہے۔ ان حدود کے اندر سلامتی موجود ہوتی ہے۔ ہمیں بھی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ، ان دونوں حدود کا تعین کرنا چاہئے، اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کے علم سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾

پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھنے والا، سب سے بڑا، بلندی والا۔

خلوت و جلوت کے تمام مقامات کا علم رکھنے والا، اور ان تمام مقامات کو اپنی لامحدود قدرت کے دائرے کے اندر رکھنے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بڑائی اسی کی شان کے لائق ہے۔ علم میں وہ سب سے بڑا ہے۔ قدرت کے حوالے سے وہ سب سے بڑا ہے۔ کوتاہیوں کو معاف کرنے میں وہ سب سے بڑا ہے۔ شدید پکڑ کرنے میں بھی وہی سب سے بڑا ہے۔ اللہ کی بڑائی کی شان یہ ہے، کہ یہ ہر نقص سے پاک ہے، اور اس بڑائی کا کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ جو اللہ کی بلندی کو مان لیتا ہے۔ وہ اپنے اخلاق کریمانہ کے اعتبار سے لوگوں کو بلند نظر آنے لگتا ہے۔ اللہ کی شان ایسی ہے، کہ کسی کے ماننے سے یا نہ ماننے سے متاثر نہیں ہوتی۔

حاصل : ہمیں خلوت و جلوت میں ہر مقام پر علیم مطلق کے اوامر و نواہی کو ماننا چاہئے۔ جو بڑائی، اللہ کی بڑائی کے تابع نہ ہو، جو بلندی اللہ کی بلندی کے تحت نہ رہے، وہ قابل نفرت ہے۔ اس سے کبھی اللہ کی مخلوق کا بھلا نہیں ہوتا۔ اس سے ہمیشہ ظلم اور فساد ہی بڑھتا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩

برابر ہے جو تم میں آہستہ بات کرے، اور جو پکار کر کہے، اور جو رات میں چھپ رہا ہے، اور جو دن میں راہ چلتا ہے۔

علم الٰہی کی شان سب سے بڑی ہے، کہ آہستہ بات کرنے والا بھی اللہ کے علم میں ہے، پکار کر کہنے والا بھی اس کے علم میں ہے۔ وہ آنکھ کی خیانت کا بھی علم رکھتا ہے، اور سینوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ پکار کر کہنے والا جو کچھ کہے، اللہ کو اس کا علم ہے۔ کسی مقام پر، کسی زبان میں، کسی طریقے سے جو بھی اظہار کیا جائے گا، اللہ کو اس کا علم ہے۔ رات کی تاریکی میں کیا جانے والا عمل اور دن کی روشنی میں کیا جانے والا عمل، اللہ کے لئے برابر ہیں۔ اللہ کو علم ہے، کس حال پر کیا ہو رہا ہے، اور کس نیت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کا علم، روشنی، اور اندھیرے سے متاثر نہیں ہوتا۔

حاصل : ہم آہستہ بات کریں، یا پکار کر کہیں، رات کی تاریکی میں کام کریں یا دن کی روشنی میں کام کریں، یہ یقین بہرحال رہنا چاہئے، کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی جانتا ہے، اور وہ ہمیں ہمارے کئے کی جزا دینے والا، مالک کل ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

بندے کے آگے اور پیچھے اس کے پہرے والے ہیں، جو امر الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک وہ نہ

مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

بدلیں جو ان کے انفس میں ہے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر آفت لانا چاہے، تو اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور اللہ کے مقابل ان کا کوئی مدد گار نہیں۔

فرد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ صورت رکھی ہے، کہ آگے سے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کاایسا بندوبست کیاہے، کہ اس کے مقرر کئے ہوئے فرشتے امر الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ مقام صبر ہو یا مقام شکر وہ بندے کو خسارے میں پڑنے سے بچاتے ہیں تا آنکہ مشیت الٰہی انہیں ایسا کرنے سے روک دے۔ فرشتے وہی کرتے ہیں، جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے۔ جو بندہ خود کو اللہ کی رضا کے مطابق بنانے کا عزم کرے اور اللہ کے علم کے مقابل اپنی پسند اور ناپسند کو وقعت نہ دے، اسے بڑی راحت سے نوازا جاتا ہے۔ اجتماعی حالت کے بدلنے کی صورت یہ ہے، کہ جب لوگ اپنا اجتماعی رویہ ایسا بنالیں، کہ اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات کے مقابل اہمیت نہ دیں، تو وہ اپنی حفاظتی باڑ کو توڑ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ضرور آگاہ کیا جاتا ہے۔ مگر جب وہ ذاتی مفادات کی چاہت میں اجتماعی نقصان کو دیکھنا ہی چھوڑ دیں، تو پھر اللہ ان کو بچایا نہیں کرتا۔ اور جب اللہ کسی قوم پر آفت لانا چاہے تو کسی انتظام سے، کسی تدبیر سے، اس آفت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کوئی مدد گار مدد نہیں دے سکتا۔ مشیت الٰہی کے سامنے کسی مدد گار کا مقام ہی کیا ہے۔

حاصل : فرد ہو یا جماعت جو حق کے مطابق نہ رہے، تائید ایزدی اسے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو خلاف حق کرنے کو اپنا شعار بنالے، وہ شامت کو دعوت دے رہا ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فرد یا جماعت پر آفت آتی ہے، تو اس کا رد کر دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ مشیت الٰہی کے سامنے کسی مدد گار کا مقام ہی کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّیُنۡشِیُٔ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿ۚ۱۲﴾

وہی ہے جو تمہیں برق دکھلاتا ہے، خوف اور طمع کے لئے، اور وہی بھاری بادل اٹھاتا ہے۔

جب بجلی چمکتی ہے، تو اس کی گرج سے دو طرح کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں: ایک تو ڈر ہوتا ہے، کہ یہ فصلوں کے لئے یا حیوانات کے لئے باعث ہلاکت نہ ہو، اور اس کے ساتھ یہ امید بھی ہوتی ہے، کہ بارش ہوگی تو مردہ زمین زندہ ہو جائے گی۔ اور زمین کو وہ پانی ملے گا، جس سے فضا کی کثافتیں بھی دور ہوں گی، اور زمین کے کئی طرح کے روگ بھی دور ہوں گے۔ جب اللہ بھاری بادل لاتا ہے، تو ان سے باران رحمت کی امید بھی ہوتی ہے اور بارش اگر بہت زور سے ہو تو بھی فصل کو نقصان ہو جاتا ہے۔ زیادہ دیر تک ہوتی رہے، تو بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔ بھاری بادلوں کے ساتھ ژالہ باری بھی ہو جاتی ہے، جس سے تھوڑے وقت میں فصل کی صورت میں نظر آنے والا نفع، خسارے میں بدل جاتا ہے، اور انسان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کی یہ نشانیاں، برق میں نظر آتی ہیں۔ یہ نشانیاں، انسان کو اس کے مقام کے بارے میں، اس کے انجام کے بارے میں، خبردار ضرور کرتی ہیں۔

کوئی فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے اپنے کئے کی جزا پائے گا۔

حاصل : آفاق میں نظر آنے والی نشانیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ برق سے بھی خوف و امید کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بادلوں سے بھی باران رحمت کی امید کے ساتھ، ژالہ باری کا ڈر ہوتا ہے۔ اور بارش اگر زمین کی ضرورت سے بہت زیادہ ہو جائے تو بھی تباہی ہی ہوتی ہے۔ جس اللہ کی قدرت کے سامنے ہمارا یہ مقام ہے، اس کی رضا کے خلاف کرنے کے معنی خسارے اور شامت کو دعوت دینا ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۤئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

اور رعد اور اس کے ملائکہ اس کے خوف سے حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور کڑک بھیجتا ہے، تو اسے ڈالتا ہے جس پر چاہے۔ اور یہ لوگ اللہ کے فرمان میں جھگڑتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ سخت ہے۔

رعد بادلوں کو فرمان خداوندی کے مطابق چلانے والے کا نام بھی ہے، اس کے ساتھ دوسرے ملائکہ بھی ہوتے ہیں، یہ حمد کے ساتھ اپنے خالق کی تسبیح کرتے ہیں۔ خوف اس طرح ہوتا ہے، کہ منشاء ایزدی سے کچھ زیادہ نہ ہو، کچھ کم نہ ہو۔ پاک خدمت گار جس قدر مخدوم کے قریب ہو، اسی قدر اس کے ادب کے ساتھ اس کا ڈر بھی رکھتا ہے۔ ملائکہ کے بارے میں کافروں کا یہ تصور کہ وہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں بے حقیقت ہے۔ جب اللہ کڑک بھیجتا ہے، تو اس کو جس پر چاہے ڈالتا ہے۔ اللہ کی قدرت دیکھئے، جس کو سزا دینا چاہے، جیسے سزا دینا چاہے، جب سزا دینا چاہے، جہاں سزا دینا چاہے، دیتا ہے، اور سب اس کے سامنے عاجز ہوتے ہیں۔ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرنا، کہ وہ کیا کر سکتا ہے، اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا ہے۔ یہ بے علمی کی باتیں ہیں۔ اپنے آپ کو نہ پہچاننے والی باتیں ہیں۔ مقصد حیات کا انکار کرنے والے ہی ایسی باتیں کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں پر جب اللہ کی سخت پکڑ کا مقام آتا ہے، تو ان کے نظریات کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ اس وقت ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت گزر چکا ہو، تو ایمان کا دعویٰ بعد از وقت ہوتا ہے، اس لئے قبول نہیں ہوتا۔

حاصل : حق کی احسن ادائیگی کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، ادب ہے۔ ڈر یہی ہونا چاہئے، کہ اللہ کی رضا مقصود رہے اور حدود اللہ کا احترام قائم رہے۔ کڑک عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے، اللہ اسے جس پر چاہے ڈالتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے بارے میں جھگڑنے والے یاد رکھیں، محدود وقت کے اندر اور اللہ کی شدید پکڑ سے پہلے اگر انہوں نے حق کو نہ مانا، تو پھر ان کا ماننا انہیں نفع نہ دے گا۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اُسی کا پکارنا حق ہے۔ اور اُس کے مقابل جن کو پکارتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام

دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

نہیں آتے، مگر جیسے کسی نے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوں کہ اس کے منہ تک کو پہنچے، اور وہ اس تک کبھی نہ پہنچے گا۔ اور کافروں کی پکار تو گمراہی ہی ہے۔

اللہ کو پکارنا حق ہے، کہ وہ خالق کل ہے۔ مخلوق کا علم خالق کو ہے، وہی پالنے والا مالک کل ہے، توفیق اسی کی عطا کردہ ہے، جزا وہی دے گا، نفع و ضرر دینے پر وہی قادر ہے۔ اظہار عبدیت اسی کے سامنے ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کے سامنے اظہار عبدیت کیا جائے تو وہ قطعاً ناحق ہو گا۔ مخلوق کو دی گئی توفیق محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، اور ایک دائرے میں ہوتی ہے، جب کہ پکارنے والے اور مدد کے طالب مع اپنی طلب کے کسی دائرے میں محدود نہیں کئے جا سکتے۔ جو لوگ اللہ کے مقابل کسی کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہے، جیسے کسی نے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا رکھے ہوں، اور وہ پکارتا ہے، کہ وہ اس کے منہ تک آ پہنچے، مگر وہ کبھی نہ پہنچے گا۔ پانی کی خصوصیات کا تعین بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اپنی خصوصیات کے دائرے سے باہر جانا اس کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اس طرح کافر جس کو بھی اللہ کے مقابل پکارتے ہیں، ان کی پکار صدا بصحرا کے زمرے میں ہی آتی ہے۔

حاصل : پکارنا اسی کا حق ہے جو خالق کُل ہے، ربّ العالمین ہے، جزا دینے والا ہے، قادرِ مطلق ہے، نفع و ضرر دینے والا ہے اور لاشریک ہے۔ اللہ کے مقابل جس کو بھی پکارا جائے، اور جو بھی پکارے وہ پکار صدا بصحرا ہی ہو گی۔

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، طوعاً و کرھاً اور ان کے سائے صبح و شام۔

آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین جو بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک مقصد کے ساتھ بنایا ہے۔ ہر شے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے میں لگی ہوئی ہے، اور اپنے خالق کا حکم مان رہی ہے۔ فرشتے وہی کر رہے ہیں، جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے اور خوشی سے کر رہے ہیں۔ انسانوں کو یہ توفیق دی گئی ہے، کہ حق کو ماننے یا نہ ماننے کا اختیار رکھتے ہیں۔ حق کو ماننے والے تو اللہ کو طوعاً سجدہ کرتے ہیں، نہ ماننے والے بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کو دیکھتے ہیں۔ زندگی کی ابتداء و انتہا پر ان کو کچھ قدرت نہیں ہے۔ نفع و ضرر ان کی منشاء کے تابع نہیں ہے۔ جن اشیاء کو کافر مانتے ہیں، وہ اشیاء بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ مصنوع کو ماننا اور صانع کے فرمان کے خلاف کرنا کتنی بے سمجھی کی بات ہے۔ سائے صبح و شام طویل ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو روشن کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا اختیار دیا ہے اس سے آگے پیچھے ہونا کسی کے بس

میں نہیں ہے۔ اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے دیکھ لیا جائے، تو طوعاً ماننے کی صورت بنتی ہے، ورنہ کرھاً ماننے سے بچ جانا ممکن نہیں، اور کرھاً ماننا کسی کو نفع نہیں دیتا۔

حاصل : اپنے اختیار کو قادرِ مطلق کی قدرت کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے، تو اختیار دینے والے کو ادب سے طوعاً ماننا لازم ہے۔ جزا دینے والے کو نہ مانا جائے، تو اس کی بنائی اشیاء کو ماننا پڑتا ہے۔ یہ شرک ہے اور ظلم ہے، اس کا انجام خسارہ ہی ہو گا۔ سائے، صبح و شام، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو واضح کرتے ہیں، کہ کوئی شے اپنے دائرہ اختیار سے باہر نہیں جا سکتی۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

فرمایئے کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا، بتایئے، اللہ ہے۔ فرمایئے کیا تم نے اس کے مقابل ان کو حمایتی بنا لیا ہے، جو اپنے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ فرمایئے، کیا اندھا اور دیکھنے والا مساوی ہیں، یا ظلمات و نور مساوی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں، کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے اللہ نے پیدا کیا ہے، تو ان پر پیدائش مشتبہ ہو گئی۔ فرما دیجئے اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور وہی اکیلا سب پر غالب ہے۔

آسمانوں اور زمین کے افعال جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، جاری ہیں۔ وہ لوازمات جو ان کو اپنے افعال کے جاری رکھنے کے لئے درکار ہیں، کون مہیا کرتا ہے۔ ان کا علم کس کو ہے۔ یہ بات اگر کافروں سے پوچھی جائے، تو وہ جواب میں اللہ ہی کا نام لیتے تھے۔ مگر یہاں سوال کرنے والی ذات بابرکات خود جواب دے رہی ہے، کہ اس کی پاک زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر دوسرا سوال ہوتا ہے، کہ جن کو تم اپنا حمایتی بتاتے ہو، وہ تو مخلوق ہیں، اور اتنی ہی قدرت رکھتے ہیں، جو خالق نے انہیں دی ہے، وہ تو اپنے نفع و ضرر کے بھی مالک نہیں ہیں، کسی دوسرے کو نفع دینے یا اسے نقصان سے بچانے کی قدرت ان کو کیسے حاصل ہو گئی۔ پھر سوال ہوتا ہے، کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا مساوی ہیں، یا ظلمات و نور مساوی ہیں۔ اندھا پن یہ ہے کہ ان لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے، کہ جن کو یہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے، جیسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور اندھا شک میں پڑا ہی رہتا ہے۔ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دل اندھے ہوتے ہیں، جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ ظلمات جن کا یہاں ذکر ہے، انسانی خواہشات سے بنتی ہیں، اور وقت کے ساتھ انسانی خواہشات بدلتی رہتی ہیں، مقدار میں بھی نوعیت میں بھی۔ اس کے

مقابل نور ایک ہی ہوتا ہے، اور خواہشات کی عدم پیروی سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ یہ نور راستہ دکھاتا ہے کہ مخلصین صراط مستقیم پر ہیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے خالق کل ہونے میں شبہ پڑ گیا ہے، تو اسے بتا دیا جائے، کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور وہی سب پر غالب ہے۔ کسی کی مجال نہیں، کہ وہ اپنی ذات کے اندر اور باہر اللہ کی مقرر کردہ حدود سے نکل جائے۔ ایسے غالب کا لاشریک ہونا لازم ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی ربوبیت کا علم ہی اللہ کو ہے۔ جو اپنے نفع و ضرّ کے مالک ہیں وہ اللہ کے مقابل کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اندھا اور دیکھنے والا، ظلمات اور نور مساوی نہیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی خالق ہے ہی نہیں۔ خالق کل اللہ ہی ہے۔ اللہ سب پر غالب ہے، باقی سب مغلوب ہیں اور مخلوق ہیں۔ اس لئے اللہ سے برابری اور شرک کا دعویٰ بے جا ہے۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

اس نے آسمان سے پانی اتارا، تو نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ نکلے۔ پھر پانی کی رو ابھرتے ہوئے جھاگ کو اٹھا لائی۔ اور جس چیز کو آگ میں زیور یا دوسرے اسباب کے لئے دہکاتے ہیں، اس سے بھی ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں۔ یوں اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ تو جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر، اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے سو زمین میں باقی رہتا ہے۔ اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

انسان کو اس کے اپنے مشاہدات کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے، کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو پانی بہ نکلتا ہے۔ جس جگہ پستی ہو گی اسی طرف پانی بہے گا، اور نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق پانی کو لیتے جائیں گے۔ اس پانی کے اوپر جھاگ بھی ہوتی ہے۔ یہ جھاگ کثافتوں کی صورت میں پانی کی گزر گاہ کے حوالے سے اوپر آتی ہے، مگر یہ تادیر اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکتی، جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب آگ میں دھاتوں کو پگھلاتے ہیں، چاہے زیور بنانے کے لئے ایسا کیا جائے یا دوسری اشیاء بنانے کے لئے ایسا کیا جائے، کثافتیں جھاگ کی صورت میں اوپر آجاتی ہیں۔ باطل بھی جھاگ کی مانند اوپر آتو جاتا ہے، مگر اس کا اوپر آنا ہی اس کے خاتمے کی علامت بھی ہے۔ باقی وہی رہ جاتا ہے، جو لوگوں کے لئے نافع ہو۔ لوگوں کا نفع ان کی پسند کے تحت نہیں

ہوتا۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کا احترام لوگوں کو جو سکھ اور عافیت دے سکتا ہے، اس کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں۔ جب لوگ اپنی پسند کے مقابل اللہ کے علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے تو علم الٰہی سے فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ رخ ہی درست نہیں ہو گا۔ اور رخ درست نہ ہو، تو منزل قریب نہیں آیا کرتی۔ اللہ نے مثالیں اس لئے بیان فرمائی ہیں، کہ لوگ اپنے مشاہدات کے حوالے سے غور و فکر کریں، حق و باطل میں امتیاز کرنا سیکھیں، باطل کے مٹنے کا مشاہدہ کریں، خود کو حق پر قائم رکھیں، اور حق کے مطابق لوگوں کی بھلائی کے لئے کوشاں رہیں۔

حاصل : فرمان خداوندی سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں، جو خود کو استکبار سے بچاتے ہیں۔ جھاگ کا اوپر آنا ہی اس کے مٹنے کی علامت بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کا نفع ہمیشہ حق سے تعلق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ مثال ایسی دینی چاہئے، جو لوگوں کے مشاہدے سے تعلق رکھتی ہو۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۜ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

جن لوگوں نے اپنے ربّ کا حکم مانا ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اسی کی مثل اور، ان کی ملک میں ہوتا، تو اسے فدیہ دے دیتے۔ یہی ہیں جن کے لئے برا حساب ہو گا۔ اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے، اور وہ برا بچھونا ہے۔

جو لوگ خلوت و جلوت میں پاک رہتے ہیں، وہ اپنے رب کا حکم ماننے والے ہیں۔ ان کے لئے بھلائی ہے۔ حیات دنیا میں ان کا مقصود رضاء الٰہی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کی خوشی کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ ڈرتے بھی اللہ ہی سے ہیں۔ سماج کا ڈر انہیں متاثر نہیں کرتا۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں، ان کا مقصد حیات متاع دنیا کو جمع کرنا ہوتا ہے۔ دنیا کے مال کو جمع کرنے میں یہ لوگ اس قدر منہمک ہوتے ہیں، کہ انہیں کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ آخرت میں یہ کس قدر دکھ میں ہوں گے، کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ان کا ہو اور اس کی مثل اور بھی ہو، تو یہ سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوں گے، مگر وہاں تو فدیہ دینے کا مقام ہی نہیں ہو گا۔ جس مال کو یہ لوگ اس قدر چاہتے ہیں، یہ ان کے کام اسی صورت میں آ سکتا ہے، کہ اس کو رضاء الٰہی کے مطابق خرچ کرتے رہیں، اور جو موجود ہو اس کو حق کی ادائیگی کے لئے کبھی ناکافی نہ سمجھیں۔ ان سے برا حساب یوں ہو گا، کہ ان کی ہر من مانی کا حساب ہو گا، اور حکم عدولی کے علاوہ ان کے نامہ اعمال میں ہو گا ہی کیا۔ حساب کے بعد ان کے ٹھکانے کا ذکر ہے۔ وہ ٹھکانا جہنم ہو گا، جہاں یہ اپنے کئے کی جزا پائیں گے، اور پوری پوری جزا پائیں گے۔ جہنم برا بچھونا ہے، کہ انسان اللہ کی عطا کو خلاف حق استعمال کر کے ایسا دکھ خرید لیتا ہے، جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہو۔

حاصل : اپنے ربّ کا حکم ماننے والے عطاء الٰہی کو ہمیشہ پورا جانتے ہیں۔ نہ ماننے والوں کو ہمیشہ حال پر کمی

ہی نظر آتی ہے۔ وہ مزید مال کی طلب کے ساتھ حقوق العباد کو مؤخر کرتے رہتے ہیں، اور مزید مل جائے تو وہ بھی ناکافی نظر آنے لگتا ہے۔ آخرت میں یہ سب کچھ دینے کو بھی اپنے لئے بہتر جانیں گے، مگر وہاں ان کے پاس ہو گا ہی کیا۔ ربّ العالمین کی حکم عدولی کرنے والے، جہنم خرید رہے ہیں۔ من مانی کرنے کا رویّہ انہیں ایسی جگہ پہنچا دے گا، جہاں دکھ ہی دکھ ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النّور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾ ہر گز کافروں کو خیال نہ کرنا، کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کر سکیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور یقیناً برا انجام ہے۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾

تو کیا وہ جسے علم ہے، کہ جو آپ کی طرف آپ کے ربّ کے پاس سے نازل ہوا ہے حق ہے، اس جیسا ہے جو اندھا ہے۔ نصیحت وہی مانتے ہیں، جو عقل کرتے ہیں۔

جسے یہ علم ہے، کہ جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے، اسی حق کو ماننے سے حیات دنیا میں اطمینان حاصل ہوتا ہے، اسی حق کو ماننے سے آخرت میں فلاح ہو گی، ایسے علم والا بصیر ہے۔ جس کو یہ علم نہیں ہے، وہ اندھا ہے۔ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے حق کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ سننے والا یہ دیکھے کہ ناصح کسی اجر کے سوال کے ساتھ تو نصیحت نہیں کر رہا، اور نصیحت قیاسات پر تو مبنی نہیں ہے۔ کیا ناصح کے اتباع سے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات ملی ہے۔ حق کے ماننے کے بعد جاننے کا جو مقام آئے گا، وہ علم ہو گا۔ اس سے پہلے حق کا قول ہی ہو گا۔ فرمان خداوندی پر عمل کرنا اور مخلص کو اپنے حال پر شاہد بنانا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنا ہے، اور یہی عقل مندی ہے۔ جو عقل نہ کرے وہ نصیحت کو ماننے کی راہ پر ہی نہیں ہوتا، نصیحت اسے کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

حاصل : علم والا بصیر ہوتا ہے، بے علم اندھا ہوتا ہے۔ علم، عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ نصیحت، رضاء الٰہی کے حصول کے لئے مطلوب ہوتی ہے، اور اسے مطلوب ہوتی ہے، جو عقل کرتا ہو۔ عقل کرنے والے اور عقل نہ کرنے والے برابر نہیں ہوتے۔

الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿۲۰﴾

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور میثاق کو توڑا نہیں کرتے۔

حق کے حوالے سے جو عہد کیا جائے، وہ اللہ کے ساتھ عہد ہے۔ عقل والوں کی طریقت یہ ہے، کہ وہ جو عہد کرتے ہیں حق کے حوالے سے کرتے ہیں، اس عہد کو اللہ تعالٰی کے ساتھ عہد جانتے ہیں، اور اسے خلوت و جلوت میں پورا کرتے ہیں۔ لوگوں کا رویہ اگر کم علمی کی وجہ سے عقل والوں کے ساتھ ویسا ہو جائے، جیسے نہیں ہونا چاہئے، تو بھی عقل والے ان کے ساتھ اپنے میثاق کو توڑا نہیں کرتے، اور حق کے مطابق خدمت خلق کے تسلسل کو قائم رکھتے ہیں۔ یکسوئی کے ساتھ رضاء الٰہی کے حصول کی سعی کی جائے تو استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر قائم رہنا ممکن ہوتا ہے۔

حاصل : عہد ہمیشہ حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اور اسے اللہ کے لئے پورا کرنا چاہئے، اور پورا کر کے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے۔ لوگوں کی کم علمی کے باعث ان سے وہ کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہئے، ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کا وعدہ پورا کرنا چاہئے، اور اپنے میثاق کو توڑ کر ان سے الگ نہیں ہو جانا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

اور وہ کہ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

عقل والوں کی طریقت بیان ہو رہی ہے، کہ وہ لوگ صالح اعمال کو حق کے ماننے کے دعوے کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور وہ کرتے ہیں، جو اللہ کی رضا کے مطابق کیا جانا چاہئے۔ مثلاً قرابت داروں کے درمیان جو حق کو مانتے ہوں، فاصلہ بڑھ رہا ہو تو ان کو ایک دوسرے کے قریب ہونے میں مدد دینا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اپنے رب سے ڈرنے کا ثبوت یوں دیا جاتا ہے، کہ ایک عقل والے کے نیک جذبات کو دوسرے تک پہنچاتے ہیں، اس طرح دونوں کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ خواہشات کی پیروی سے تو گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق اگر اپنی ذات پر ہی خرچ کی جائے، تو برے حساب سے بچ جانا ناممکن ہو گا۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ اللہ تعالٰی کی عطا کردہ متاع، اس کا دیا ہوا وقت، اس کی دی ہوئی قوت ذاتی بھلائی اور اجتماعی بھلائی میں کس نسبت سے خرچ ہو رہی ہے۔ اجتماعی بھلائی کے کاموں کو ترجیح دینے کے باوجود بھی عقل والوں کو اندیشہ ضرور رہتا ہے، کہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی علیم مطلق کی طرف سے گرفت ہو سکتی ہے۔

حاصل : عقل والے صالح اعمال کو حق کے ماننے کے دعوے کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، کہ ان کی پسند حق کا لبادہ اوڑھ کر ان کے عمل کو اللہ کے نزدیک بے حقیقت نہ بنا دے۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے، ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی جزا دی جائے گی، اس لئے عقل والوں کو برے حساب کا اندیشہ ضرور رہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اور وہ جنہوں نے اپنے رب کی رضا چاہتے

وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

ہوئے صبر کیا، اور نماز قائم رکھی، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا، اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی کی، ان کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

عقل والوں کی صفات کا ذکر ہو رہا ہے، کہ نہ ہونے کا مقام ان کی زندگی میں آ جائے، انہیں تنگی اور سختی کا احساس ہو، تو بھی اس طرح کے حالات کو علیم مطلق کی طرف دیکھتے ہوئے، رضاء الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، وہ اپنا توازن درست رکھتے ہیں۔ یہ یقین باعث تسکین ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات عطا ہونے والے ہیں۔ صبر کے ساتھ نماز کے قائم رکھنے کا ذکر ہے۔ نماز اس طرح قائم ہوتی ہے، کہ اس کے مقررہ وقت سے پہلے اس کے لئے وضو کر لیا جائے، اور وقت پر پڑھنے کی نیت کی جائے، اور وقت پر پڑھ لی جائے، سوائے اس صورت کے کہ خدمت خلق کے لئے نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہو جائے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، اپنی سعی کے ساتھ حاصل ہو۔ یہی رزق اللہ کی راہ پر خرچ کئے جانے کے لائق ہے۔ پوشیدہ خرچ کرنے میں یہ بات پیش نظر ہو، کہ جس کی مدد کرنی ہے اس کی مدد بھی ہو اور سماج کو اس کی ناداری کا احساس نہ ہو۔ ظاہر میں خرچ کرنا اس طرح ہونا چاہئے، کہ لوگوں کو اجتماعی بھلائی کے کاموں میں شمولیت ضروری معلوم ہو، اور وہ اجتماعی مفادات کے تحفظ سے کبھی غافل نہ ہوں۔ برائی کو بھلائی کے ساتھ ہی روکا جا سکتا ہے۔ برائی استکبار کے بغیر نہیں ہو سکتی، بھلائی استکبار کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ برائی کے مقابلے میں بھلائی وہی کرتے ہیں، جن کو جزا کا یقین ہوتا ہے۔ اور دار آخرت ہے ہی ان کے لئے، جنہیں آخرت کا یقین ہے۔

حاصل : اپنے ربّ کی رضا مطلوب ہو، تو نہ ہونے کے مقام پر اپنا توازن درست رکھا جا سکتا ہے۔ نماز قائم کرنا، اور اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرنا اور برائی کو بھلائی کے ساتھ دور کرنا، عقل والوں کی نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے، اور جو ان کے آباء اور ازواج اور اولاد میں صالح ہوئے۔ اور ملائکہ ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے۔

عقل والے حضرات کی عاقبت کا ذکر ہو رہا ہے، کہ وہ ایسے باغوں میں ہوں گے، جو اللہ نے ان کی میزبانی کے لئے سنوارے ہیں۔ راحت کے اس مقام پر اللہ ان حضرات کو یوں بھی نوازے گا، کہ ان کے آباء و اجداد میں سے، ان کی ازواج میں سے، اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہوں گے، جن کا رخ حیات دنیا میں درست ہو گا، انہیں بھی ان کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا۔ جو لوگ یہ یقین رکھتے ہوں، کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، ان کے اعمال باحقیقت ہوتے ہیں۔ حیات دنیا

میں جو رشتے پاکیزگی سے منور ہوں گے، اللہ ان رشتوں کو آخرت میں بھی قائم رکھے گا، اور ان کو اکٹھا کر دے گا۔ جو تعلقات ذاتی غرض و غایت کی بنا پر ہوں، آباء و اجداد کے ہوں، ازواج کے ہوں یا اولاد کے ہوں وہ بے حقیقت ہوتے ہیں۔ بے حقیقت تعلقات آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے۔ خدائی مہمانوں کی تکریم کے لئے فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے۔

حاصل : بہترین ماحول یہی ہے، کہ درختوں کے درمیان گھر ہوں۔ آبادی کے مسائل غیر طبعی زندگی سے بڑھتے ہیں۔ ایسا پھر بھی ہو سکتا ہے، کہ گھروں میں درخت ہوں۔ جو رشتے حیات، دنیا میں پاکیزگی کے حوالے سے منور ہوتے ہیں، یہ باحقیقت ہوتے ہیں۔ یہ آخرت میں بھی قائم رہیں گے۔ پاکیزگی، اللہ کے نزدیک یہاں بھی قابل قدر ہے، آخرت میں بھی لائق تکریم ہوگی۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

تمہارے صبر کی بدولت تم پر سلام ہو، تو عاقبت کا گھر خوب ملا۔

ملائکہ ان اہل جنت کو سلام کہیں گے، اور ان کے صبر کی قدر و منزلت کے ساتھ، ان کی عاقبت کے اچھے ہونے پر خوشی کا اظہار کریں گے۔ جزا پانے والے کو سلام کرنا اور جزا دینے والے کی تسبیح و تحمید فرشتوں کی صفت ہے۔

حاصل : صبر کرنے والوں کی قدر کرنی چاہئے۔ جزا پانے والے کو سلام کرنا، اور انعامات سے نوازنے والے مالک کل کی تسبیح و تحمید کرنا بڑی پاکیزگی کی باتیں ہیں۔

وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کا عہد اس کے پکے ہونے کے بعد توڑتے ہیں، اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے اسے قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے لعنت ہے، اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

اللہ پر ایمان لانے کے بعد شاہد کے اتباع کو صراط مستقیم مان لیا جائے، تو پاک رہنے کا عہد پکا ہو جاتا ہے۔ اس پکے عہد کو توڑنے کے معنی فلاح کے بدلے خسارہ خریدنا ہے۔ بھلائی کے دعوے کے ساتھ صالح اعمال کو جوڑنے کا امر دیا گیا ہے۔ جب دعویٰ بھلائی کا ہو، اور اس کے ساتھ صالح اعمال کی بجائے من مانی کی جائے، تو یہ قطعاً خلاف حق ہو گا۔ اور یہی اصلاح کے نام پر زمین میں فساد مچانا ہو گا۔ ایسے مفسدین پر اللہ کی لعنت ہے۔ ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

حاصل : حق کو ماننے کے دعوے کے بعد شاہد کے اتباع کو صراط مستقیم مان لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ سے عہد

پکّا ہو جاتا ہے۔ اس کے توڑنے کے معنی فلاح کے بدلے خسارے کو خریدنا ہے۔ جب دعویٰ بھلائی کا ہو تو صالح اعمال سے اس دعوے کو سچا ثابت کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اصلاح کے نام پر من مانی کرنا فساد ہے۔ یہ لعنتی لوگوں کی نشانی ہے۔ ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ ع

اللہ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کرتا ہے۔ اور انہیں حیاتِ دنیا پر فرحت ہے اور آخرت کے سامنے حیاتِ دنیا ہے ہی کیا، مگر چند روزہ متاع۔

حیات دنیا میں رزق کی کشادگی اور تنگی مشیت الٰہی کے تحت ہوتی ہے، اس لئے سعادت و شقاوت کا فیصلہ رزق کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ رزق کشادہ ہو یا تنگ اس کے استعمال میں کون سا رخ اختیار کیا جا رہا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کون اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال کر رہا ہے اور کون خلاف حق کر رہا ہے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، انہیں دنیا کی زندگی پر بہت خوشی ہوتی ہے۔ دنیا کا حال ہی ان کے نزدیک باعث فرحت ہوتا ہے، اور اسے مقصود بنا کر اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس کے حصول میں لگاتے رہتے ہیں۔ حیات دنیا کے محدود ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آخرت کے مقابل اس کی حیثیت متاع حقیر ہی کی ہے۔ فانی کو باقی کے مقابل اہمیت دینا عقل والوں کے لئے تو ممکن نہیں۔

حاصل : رزق کی کشادگی اور تنگی سے سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ رزق کا استعمال کس رخ پر ہو رہا ہے، اس سے ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ حیات دنیا کی متاع فانی ہے۔ فانی اشیاء کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو باقی رہنے والی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے، قیامت کے دن لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ انہیں وہ سب سے بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی، اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے اور کہیں گے۔ یہ ہے تمہارا دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور کافر کہتے ہیں، ان پر ان کے ربّ کی طرف سے نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ فرما دیجئے، بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

کرتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافر یہ کہتے تھے، کہ ان پر ان کے رب کی طرف کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں اترا۔ ہماری فرمائشی نشانی ہمارے سامنے آتی، تو ماننا آسان ہوتا۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ گمراہی اور ہدایت کا تعلق نشانیاں دیکھنے سے نہیں ہے۔ اگر ہدایت مطلوبہ نشانی دیکھ کر حاصل ہوا کرتی، تو سابقہ امتوں کو ہدایت یافتہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہوا اس کے خلاف ہے۔ لوگ مطلوبہ نشانی دیکھ کر بھی گمراہ ہوئے ہیں۔ اللہ فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ فاسق ہمیشہ حق میں اپنی خواہشات کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا فسق ہے۔ اس سے شاہد کا اتباع ممکن نہیں رہتا، اور شاہد کا عدم اتباع گمراہی ہے۔ جو شاہد کا اتباع کرے وہ اپنی عقل کو بہتر جاننے والے کے تابع رکھتا ہے، اپنے مشاہدے کو اپنے معلم کے مشاہدے کے سامنے ہیچ جانتا ہے، اپنے پڑھے ہوئے اور سنے ہوئے کو سند نہیں مانتا، شاہد کے فرمان کو سند مانتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے کی یہ احسن صورت ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دی جاتی ہے۔ وہ نشانیاں جو آفاق و انفس میں موجود ہیں، انہیں بہت فائدہ دیتی ہیں، اور یہ ان نشانیوں سے صحیح نتائج اخذ کرتے ہیں۔

حاصل : جب مطلوبہ نشانی سامنے آ جائے، پھر انکار کرنے پر توفیق باقی نہیں رہتی۔ فاسق حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش سے گمراہ ہوتا ہے۔ مومن شاہد کے اتباع سے ہدایت پاتا ہے۔ جب رخ اللہ کی رضا کے حصول کا ہو، تو استکبار سے کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾

وہ جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو، اللہ کے ذکر ہی سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کی صفات کا بیان ہے۔ وہ حق کو مانتے ہیں، اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ چلتے پھرتے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے جس نام کا ذکر کرتے ہیں، اس کے حوالے سے تعلق مَعَ اللہ کو ملحوظ رکھتے ہیں، اور حدود عبدیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے مظہر بنتے ہیں، جس کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ، مالک کل کا ساتھ ہے، معطئ مطلق کا ساتھ ہے، قادر مطلق کا ساتھ ہے، اور مالک یوم الدین کا ساتھ ہے۔ دنیا و آخرت میں اس سے بڑا ساتھ کوئی نہیں ہے، اس لئے اس ساتھ سے زیادہ اطمینان بخش کوئی ساتھ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اشیاء دنیا کے حصول میں اطمینان قلب تلاش کرتے ہیں، انہیں مطلوبہ اشیاء حاصل ہو بھی جائیں، تو بھی اطمینان نہیں ہوتا، حتیٰ کہ ساری دنیا کی اشیاء بھی کسی ایک انسان کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتیں۔ جباری اور قہاری کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذاکر میں موجود ہو، تو اسے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اس اطمینان سے کبھی بے چینی نہیں ہوتی۔ یہ یقین قائم رہتا ہے، جو موجود ہے، یہ ان حقوق کے پورا کرنے کے لئے کافی ہے، جو حال پر عاید ہو رہے

ہیں، جو مستقبل میں در کار ہو گا، وہ علیم مطلق کی طرف سے صحیح وقت پر عطا کر دیا جائے گا۔ بندے کا کام حق کی احسن ادائیگی ہے، اسی کے لئے بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے، ہدایت پاتے ہیں۔ یہ لوگ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کے جس نام کا ذکر کیا جائے، ذاکر کو اس صفت کا مظہر ہونا چاہئے، تعلق مع اللہ اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾

وہ جو ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، ان کے لئے خوشی ہے اور اچھا انجام ہے۔

وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ کرتے ہیں، جو تعلق معَ اللہ کے حوالے سے انہیں کرنا چاہئے، انہیں حال پر بھی راحت سے نوازا جاتا ہے، رحمت اور برکات سے نوازا جاتا ہے، ان کا انجام بھی اچھا ہو گا۔

حاصل : حال پر ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور خوشی ملتی ہے، مستقبل میں انجام بھی اچھا ہو گا۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾

اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا کہ جس سے قبل کئی امتیں گزر چکی ہیں، کہ آپ ان کو پڑھ کر سنائیں، جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی، اور وہ رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں۔ فرما دیجئے وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکّل کیا، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پہلی امتوں کی طرف بھی اللہ کے رسول آتے رہے ہیں، ان امتوں کی مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب ان امتوں نے اپنے مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر حق کا انکار کیا، تو پھر ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہ نہیں ہوا کہ مطلوبہ نشانی کو دیکھ کر لوگوں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ حق کو مان لیا ہو اور رسول کے اتباع میں کوتاہی نہ کی ہو۔ معجزہ عطا کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ ہدایت پانے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ احکام الٰہی کا پتہ ہو جو نازل فرمائے گئے ہیں، ان احکام کو ماننے والوں کے اندر خوف و حزن ختم ہوتا نظر آئے تو ایسے ماننے والوں کا ساتھ اختیار کیا جائے۔ حکم خداوندی کے اندر ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ جو اس پر توجہ نہ کرے اسے حکمت کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے۔ اور یہ کافر تو رحمٰن کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ رحمٰن تو وہی ہے، جو

رب العالمین ہے، جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور سب کو پالتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب اسی کی مخلوق ہیں، توفیق دینے والا بھی وہی ہے، نتیجہ اس کی مشیت کے تابع ہوتا ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ منکرین کی تکذیب کا مقابلہ اسی طرح ہو سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اعانت شامل حال ہو، اسی لئے اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ اس کی رضا مطلوب ہو تو رجوع اسی کی طرف ہو گا، عمل کی کوئی بھی صورت ہو۔

حاصل : سابقہ اُمتوں کے احوال سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے۔ حکم خداوندی میں ہمیشہ ماننے والوں کے لئے فلاح موجود ہوتی ہے۔ رحمٰن کے انکار کے معنی اپنے خالق اور پالنے والے کا انکار ہے۔ معبود سے بڑا کوئی مدد دینے والا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسی پر توکل کرنا چاہئے، اور اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِىَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

اور اگر ایسا قرآن آتا، کہ جس سے پہاڑ ٹل جاتے، یا زمین پھٹ جاتی، یا مُردے باتیں کرتے، تب بھی یہ کافر نہ مانتے، بلکہ سب کام اللہ کے ہاتھ ہیں۔ تو کیا ایمان والوں کی آس ختم نہیں ہوئی۔ اللہ اگر چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا۔ اور کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب اترے گی، حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ایمان والوں میں سے جو مبتدی ہوتے ہیں، انہیں کافروں کا یہ مطالبہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسی معجزہ دکھانا چاہئے، بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کافروں کو ہدایت کی طلب ہے، اور یہ ایسی نشانی دیکھنا چاہتے ہیں، کہ جسے دیکھ کر حق کا انکار ممکن نہ رہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اگر قرآن ایسا ہوتا، جس سے پہاڑ ٹل جاتے، یا زمین پھٹ جاتی، یا مُردے باتیں کرنے لگتے، تو بھی کافر ایسے حقائق کو جادو کہہ کر، اپنی روش کو جاری رکھتے۔ اللہ کی قدرت سے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے، مگر اس سے کبھی لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ ہدایت کی طلب ہو تو ہر نشانی اہم ہوتی ہے، اور ایک کے بعد دوسری نشانی نظر آتی رہتی ہے۔ ہدایت کی طلب نہ ہو، تو اپنی مطلوبہ نشانی بھی باعث ایمان نہیں ہوتی۔ رہا بہت سے لوگوں کو ایمان کی نعمت سے نوازنا، تو یہ بھی اللہ کے لئے کچھ بڑا کام نہ تھا۔ اگر لوگوں سے ان کی خواہشات کی پیروی کی توفیق چھین لی جاتی، تو وہ سب ہدایت پا لیتے۔ جن نشانیوں کو دیکھتے رہنا چاہئے وہ یہ ہیں، کہ کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی، یا ان کے قرب و جوار میں ظاہر ہوتی رہے گی

جس سے ان لوگوں کو واضح طور پر پتہ چل جائے گا، کہ وہ غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اپنی غلطی کے احساس کے بعد، اصلاح کو
قبول کرنے کی بجائے غلط روش کو جاری رکھا جائے، تو عمل کے لئے دی گئی مہلت زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ خلاف حق کرتے
کرتے جو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتا ہے. اس کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں
نہیں جا سکتا۔

حاصل : مطلوبہ نشانیوں سے لوگوں کو ہدایت نہیں حاصل ہوتی۔ مطلوبہ نشانی سامنے آ جائے، تو انکار
کرنے والے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جو عقل کرتا ہے، وہ ہدایت پاتا ہے۔ اللہ کے لئے سب لوگوں کو ہدایت
یافتہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے، لوگوں کو من مانی کرنے کی توفیق حاصل نہ رہے تو وہ سب ہدایت پالیں
گے۔ کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت اترتی ہی رہے گی یا ان کے قرب و جوار میں آتی رہے گی، اور اگر یہ اللہ کی
نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھلائی کی طرف نہیں آئیں گے، تو پھر عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے۔
اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے۔
أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن يَسْبِقُونَا ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٤﴾
یا یہ سمجھے ہوئے ہیں جو برے عمل کرتے ہیں، کہ ہم سے بچ جائیں گے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔
واضح کرے، اور یہ اعلان کرے، کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔

وَلَقَدِ ٱسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

اور آپ سے قبل رسولوں سے بھی استہزاء کیا گیا، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر انہیں پکڑا تو کیسا تھا میرا عذاب۔

خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے رسول تبلیغ حق کے لئے بھیجے گئے، لوگوں نے اپنے اپنے
وقت پر ان کے ساتھ مذاق کئے، ان کی ہنسی اڑائی اور انہیں ایذا پہنچائی۔ مرسلین ے حق رسالت، اللہ کی رضا کے حوالے سے خوب
داکیا۔ انہوں نے لوگوں کی تکلیف دہ باتوں کے جواب میں بھی انہیں بھلائی کی دعوت ہی دی۔ ان کے مشاہدات کے حوالے
سے انہیں احساس دلایا، کہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف آنا چاہئے۔ منکرین نے مرسلین کا کہا نہیں مانا، اللہ نے انہیں وقت دیا،
۔ وہ اپنے شعور کے ساتھ جو راستہ اختیار کرنا چاہیں کریں، جب انہوں حق کے انکار کو اپنا وطیرہ بنالیا، اور انہیں عمل کے لئے دی
ی مہلت ختم ہو گئی، تو اللہ نے ان کو ایسا پکڑا، کہ وہ بجھ کر رہ گئے، اور ان کا انجام عبرتناک ہوا۔

حاصل : پاک لوگوں کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو ڈھیل تو دی جاتی ہے، مگر ان کا انجام ہمیشہ
عبرتناک ہوتا ہے۔ جس کی بات میں اس کی کوئی غرض نہ ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس کا مذاق
اڑانا، عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّـُٔونَهُۥ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى ٱلْأَرْضِ أَم بِظَٰهِرٍ مِّنَ ٱلْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ ٱلسَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

تو کیا وہ جو ہر نفس پر اس کی کمائی کے حوالے سے نظر رکھتا ہے، وہ اس اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ فرمایئے، ان کے نام لو، یا اسے وہ بتانے چلے ہو جو اس کے علم کے مطابق زمین میں کہیں نہیں، یا یوں ہی کہہ رہے ہو۔ بلکہ کافروں کے لئے ان کے فکر نے زینت پا لی ہے، اور وہ راہ سے روک دیئے گئے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ کسی نفس کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ ہر نفس کو اس
کے کئے کی جزا دینے پر قادر ہے۔ توفیق اسی کی دی ہوئی ہے۔ راہ عمل اسی نے متعین کی ہے۔ حق کے انکار کی راہ اختیار کرنے والا
اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ دوسرا کوئی اللہ کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ پوچھا جائے، جس کو تم اللہ
کا شریک بتاتے ہو، اس کا نام تو لو۔ اس کی مخلوق کون ہے۔ اس نے اس مخلوق کو کیا توفیق دی ہے، اور وہ اسے کیا جزا دے سکے
گا۔ اور یہ سب کچھ نہیں، تو پھر اسے معبود بنانے کی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ علیم مطلق کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ جو مقام
اللہ کے علم میں نہیں ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کافر بت پرستی کی بات ایک مکر کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور وہ مکر یہ ہے، کہ
من مانی کرنے کے لئے اپنا تصوراتی معبود بنا لیتے ہیں، کہ اس خیالی معبود کی طرف سے تو کوئی اوامر و نواہی ہو ہی نہیں سکتے۔ حق کے
مقابل ان کو اپنی خواہش کی پیروی عزیز ہوتی ہے، اس لئے یہ ہدایت سے دور ہوتے جاتے ہیں، اور گمراہی کو اپنے لئے مقدر کر لیتے
ہیں۔ جو فسق کرے، اللہ اسے گمراہ کرتا ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

حاصل : جو ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دے گا، وہی معبود ہے، اور لاشریک ہے۔ جس کو اللہ کا شریک
ٹھہرایا جائے، اس کا نام بھی خود ہی بنانا پڑے گا۔ بت پرستی کی حقیقت، بہت بڑا مکر ہے۔ اپنی خواہشات کی
پیروی کرنے کے لئے خیالی معبود بنا لئے جاتے ہیں۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگا
رہے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کو نہ مانے جیسے ماننے کا حق ہے، اسے ہدایت نہیں دی جا سکتی۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ ٱلْءَاخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ ٱللَّهِ مِن

ان کے لئے حیاتِ دنیا میں عذاب ہے، اور عذابِ آخرت تو بہت ہی سخت ہے۔ اور

وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہیں۔

جو لوگ خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، وہ خوف و حزن کے گھیرے میں رہتے ہیں۔ حیات دنیا میں انہیں کبھی اطمینان نہیں ملتا، اور وقتاً فوقتاً انہیں اپنی بداعمالی کی سزا بھی ملتی رہتی ہے۔ اس سزا سے بھی راہ راست پر آنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اگر کسی کو راہ راست مطلوب ہی نہ ہو تو اس کو ایسی مدد درکار ہی نہیں ہوتی۔ آخرت کی سزا ہر لحاظ سے پوری ہو گی، اور عمل غیر صالح کے حوالے سے ہو گی، اس لئے بہت ہی سخت ہو گی۔ جن کی اللہ کے مقابل پرستش کی جاتی ہے، ان کا یہ دعویٰ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے عبادت گزاروں کو اللہ کے عذاب سے چھڑا دیں گے۔ مشرکین یہ خود ہی فرض کر لیتے ہیں، کہ انہیں ان کے شرکاء سے مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح فرمایا جا رہا ہے، کہ اللہ کے عذاب سے بچانے والا وہاں کوئی نہ ہو گا، اور تمہارا یہ زعم کہ تمہارے شرکاء تمہیں اللہ سے بچالیں گے، اس مکر کی وجہ سے ہے، جو تم نے من مانی کرنے کے لئے گھڑا ہوا ہے۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں سزا مل رہی ہو، تو بداعمالی سے بچنے کی راہ لینی چاہئے۔ عذابِ آخرت بہت ہی سخت ہو گا۔ جب اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں تو مکر کرنے والوں کو اپنے عقیدے کی حقیقت پر ضرور غور کرنا چاہئے۔ عمل کے لئے دئے گئے وقت میں ہی اصلاح کو قبول کرنا فائدہ دیتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

حال اس جنّت کا جس کا متّقیوں سے وعدہ ہے یہ ہے، کہ اس کے تحت نہریں جاری ہیں، اس کے پھل اور سایہ دائمی ہیں۔ یہ بدلہ ہے تقویٰ کرنے والوں کا۔ اور کافروں کا بدلہ آگ ہے۔

متقی وہ حضرات ہیں، جو حق کی ادائیگی کے بعد یہ احساس رکھتے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے اقدس معیار کے حوالے سے ہمارا عمل بہت ہی چھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو گی، تو یہ قبولیت کا شرف پالے گا، ورنہ یہ ہے حقیر۔ ان لوگوں کو کبھی اپنا عمل بڑا اور خوب نہیں معلوم ہوتا۔ ان حضرات کے لئے اللہ نے ایسے باغ کا وعدہ فرما رکھا ہے، جس کے تحت نہریں جاری ہوں گی، اور زیر زمین پانی کی سطح کے درست رکھے جانے کی وجہ سے وہ باغ سرسبز و شاداب ہو گا۔ اس کے پھل بھی دائمی ہوں گے، اور سایہ بھی دائمی ہو گا۔ وہاں ایسی بہار ہو گی، جس کے بعد خزاں نہیں آئے گی۔ متقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے۔ اس تعلق میں سچے ثابت ہو جانے کا انعام یہ ہو گا، کہ اس کی راحت کے لئے جو کچھ علیم مطلق پسند کرے گا عطا کرے گا۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے کرتے اس دنیا سے جاتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے، کہ انہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ آگ، حق کی خلاف ورزی کا انجام ہو گی۔ جلنے کا سامان کافر اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ ان کی بداعمالیوں کا حاصل، جلنے کا سامان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔

حاصل : پاک لوگوں کی تکریم اللہ کی سنت ہے۔ زیرِ زمین پانی کی سطح کو ایسے مقام پر رکھنے کی کوشش جس سے زمین کی سرسبزی اور شادابی قائم رہے، بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کا احساس ہمہ وقتی ہونا چاہئے، تقویٰ کرنے والوں کی یہی طریقت ہے۔ کافر اپنے جلنے کا سامان اپنی بداعمالیوں کی صورت میں اپنے ساتھ لے کر اس دنیا سے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اور جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اس پر فرحت پا رہے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا۔ اور ان گروہوں میں کچھ وہ ہیں، کہ اس کے بعض سے منکر ہیں۔ فرما دیجئے، مجھے یہی امر ہے، کہ اللہ کی بندگی کروں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔

یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ جن کو ان کے انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع مطلوب تھا، انہیں قرآن پاک کی صورت میں نازل ہونے والے فرمان خداوندی سے بڑی فرحت ملتی تھی۔ ان گروہوں میں سے وہ لوگ بھی تھے، جنہیں قرآن پاک کے بعض حصوں سے انکار تھا، اور انکار کی وجوہ یہ تھیں، کہ یہ لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانا چاہتے تھے، اور فرمان خداوندی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ قرآن پاک کی رو سے بندے کو کہیں بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں جو قرآن پاک کی تعلیمات کے بعض حصوں کا انکار کرتے تھے یہ فرمایا جارہا ہے، کہ احکم الحاکمین کی طرف سے مجھے یہی امر دیا گیا ہے، کہ اللہ کی بندگی کی جائے، اس کی رضا کو مطلوب مانتے ہوئے صراط مستقیم پر رہا جائے، اور اس کے علاوہ کسی کی پسند کو اہمیت نہ دی جائے۔ شرک سے پاک رہنے کی یہی صورت ہے۔ میں سب لوگوں کو چاہے وہ اہل کتاب ہوں، یا امی ہوں، اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جو ان کا پیدا کرنے والا ہے اور انہیں ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ میرا ٹھکانا بھی اسی کی طرف ہے۔ میں اب بھی حق کو ماننے والوں کے ساتھ ہوں، آخرت میں بھی حق کے ماننے والوں کے ساتھ ہوں گا۔

حاصل : جنہیں اللہ کی رضا مطلوب ہو، وہ احکام خداوندی کو جان کر فرحت پاتے ہیں۔ جو من مانی کرنے والے ہوں، وہ حق کے بعض حصوں کو مانتے ہیں، بعض کا انکار کرتے ہیں۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق اللہ کی بندگی کی طریقت کو روشن کرے، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے کو بھی

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

اور اسی طرح ہم نے یہ عربی حکم نازل فرمایا اور اگر تو ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا، بعد اس کے کہ تجھے معلوم ہو چکا ہو، تو اللہ کے حضور نہ تیرا کوئی حمایتی ہو گا، نہ بچانے والا ہو گا۔

قرآن پاک عربی زبان میں ہے، اور فیصلے کا درجہ رکھتا ہے۔ بشارت و انداز کے تمام مقامات کا ذکر اس میں موجود ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے گا، تو ہدایت پائے گا، اطمینان قلب پائے گا۔ اور اگر کوئی فسق کرے گا، تو گمراہ ہو گا، اور راہ عذاب اختیار کرے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا، کہ کوئی فاسق ہدایت پا جائے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا، کہ کوئی منیب گمراہ ہو جائے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، جو بدلا نہیں کرتا۔ انسان اپنے تجربات سے بھی سیکھتا ہے۔ جب اسے اللہ کے فرمان کا پتہ چل جائے، اور پھر بھی لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کی پیروی کرتا رہے، اور دعوئی یہ ہو، کہ وہ حق کو مانتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔ ایسے انسان کے ایمان کی شہادت دینے والا، اللہ کے سامنے کوئی نہ ہو گا۔ اسے آگ کے عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ جن کی حال پر پیروی کی جا رہی ہے، مستقبل میں بھی انہی کا ساتھ ہو گا۔ اگر کوئی آگ کی طرف جانے والوں کے پیچھے چل رہا ہے، تو وہ جہنم میں ہی جائے گا۔ مخلص کی شان یہ ہے، کہ اسے شیطان بہکا نہیں سکتا۔ وہ امر الٰہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہے۔ اور جزا دینے والے قادر مطلق کی طرف لوٹنے کا ہمہ وقتی احساس رکھتا ہے۔ اللہ کے نبی کی شان، تو شان عطا کرنے والا لاشریک جانتا ہے، یا جس کو یہ شان عطا ہوئی ہے، وہ جانتا ہے۔ باقی سب اس شان کو اسی قدر جان سکتے ہیں، جس قدر وہ آپ سے محبت رکھتے ہوں۔ مثلاً متوکل حضور سے محبت رکھنے والا ہوتا ہے، اس کے توکّل کا درجہ کبھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا سا نہیں ہو سکتا۔ محسن ضرور احسان کرتا ہے، مگر اس کا احسان کبھی معلم احسان کے درجے کا نہیں ہو سکتا۔ شاہد کی برابری ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک حکم کا درجہ رکھتا ہے، اور عربی زبان میں ہے۔ فرمانِ خداوندی عربی میں ہو اور اسی ترتیب سے ہو، جس کی رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی ہو، تو وہ قرآن پاک ہے، ورنہ نہیں ہے۔ حق کا پتہ ہونے کے باوجود لوگوں کی بنائی ہوئی رسوم کو اہمیت دی جائے، تو نتیجے کے وقت انہی لوگوں کا ساتھ ہو گا جن کی حال پر پیروی کی جا رہی ہو گی۔ وہاں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے:

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

بےشک یہ قرآن پاک عبادت کرنے والوں کے لئے کافی ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل رسول بھیجے اور ان کے لئے ازواج اور ذرّیت ٹھہرائے، اور کسی رسول کا کام نہیں، کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر ایک وعدہ لکھا ہوا ہے۔

کافروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر حیرت کا اظہار کیا، اور کہا، کہ اللہ کے رسول کو تو ایسے نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں بیوی بچوں سے تعلق کیوں ہو۔ دوسرے یہ کہ انہیں اپنی رسالت کے ساتھ حسی معجزے کی صورت میں کوئی نشانی بھی لانی چاہئے تھی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ آپ سے قبل رسول بھیجے گئے ہیں، ان کی ازواج بھی تھیں، اولاد بھی تھی۔ اس میں حیرت کا اظہار بے جا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں ازدواجی زندگی اور تربیت اولاد کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لوگوں کے بنائے ہوئے رواج ازدواجی زندگی کی اس شکل کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتی ہے۔ اولاد کی تربیت کے سلسلے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ہر زمانے میں لوگوں پر یہ واضح کرتے رہے ہیں، کہ رضاء الٰہی کے مطابق، ازواج اور ذرّیت سے کیسا تعلق ہونا چاہئے۔ معاشرتی زندگی کے اسی حصے سے اصلاح کا آغاز ہو تو اجتماعی بھلائی ممکن ہوتی ہے۔ رہا حسی معجزے کی صورت میں کسی نشانی کا لا کر دکھانا، تو اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ رسول کا نشانی لا کر دکھانا باذن اللہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اس کی حکمت کے تقاضے وہ خوب جانتا ہے۔ کس نشانی سے عصری علوم پر علم الٰہی کی برتری ثابت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ قرآن پاک کی صورت میں جو کتاب نازل فرمائی گئی ہے، اس میں عقل والوں کے لئے یقیناً نشانیاں موجود ہیں۔ کن لوگوں کو اللہ نے کیا توفیق دی ہے، کس قدر وقت دیا ہے، کیا حالات کار دیئے ہیں، کب تک ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، یہ سب باتیں اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ لوگ بے عقلی سے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کرتے کرتے خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل : ازدواجی زندگی اور تربیت اولاد میں مخلصین کا اتباع، اصلاح معاشرہ کی طرف پہلا قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصری علوم پر علم الٰہی کی برتری ہمیشہ واضح کی جاتی رہی ہے، کوئی نہ دیکھے تو قصور اسی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق بھی ایک محدود وقت تک ہوتی ہے۔ ہر ہر لمحہ اپنے اندر دعوت اصلاح رکھتا ہے، اور جو گزر جاتا ہے وہ پھر لوٹ کر نہیں آتا۔ بولنے میں بھی احتیاط ضروری ہے، کہ ایسی بات نہ کی جائے، جو اللہ ک نزدیک ناپسندیدہ ہو۔

يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ ۖۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت رکھتا ہے۔ اور امّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم، علم مطلق ہے۔ جو شے اپنی افادیت کھو دیتی ہے، اس کو مٹا دیا جاتا ہے۔ جس کو اللہ باقی رکھنا چاہے اس کو

باقی رکھتا ہے۔ جو تہذیب منشاء الٰہی کے خلاف ہو، وہ مٹا دی جاتی ہے، جو رضاء الٰہی کے مقابل رسومات کو اہمیت دینے سے انکار کر دے وہی باقی رہتی ہے۔ چاہے خلوت میں ہی رہے، باقی ضرور رہتی ہے۔ جب اللہ کے نزدیک اس کے بڑھنے کے لئے حالات ساز گار ہوں، پھر وہ بڑھنے لگتی ہے۔ قرآن پاک جلوت ہے، امّ الکتاب اس کی خلوت ہے، اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔ تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھیں، بنی اسرائیل نے احکامات الٰہیہ کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کی، اور یہ لوگ اپنے فسق کی جزا پاتے رہے۔ قرآن پاک خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اب کسی نبی کی بعثت کا مقام باقی نہیں رہا، اس لئے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا گیا ہے۔ خلوت میں چاہے چلا جائے، مگر باقی ضرور رہے گا جس کی حقیقت اللہ کے ہاں موجود نہیں، وہ آج بھی نہیں ہے، کل بھی نہیں ہو گا۔

حاصل : اللہ بے حقیقت کو مٹاتا ہے، باحقیقت کو باقی رکھتا ہے۔ امّ الکتاب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جو عنوان وہ رکھ دے، اس کو بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ دعا فلاحِ دارین کے لئے کرنی چاہئے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

اور اگر ہم آپ کو کوئی وعدہ جو ان سے کیا ہے، دکھلا دیں، یا آپ کو وفات دیں، تو آپ پر تو پہنچا دینا ہے، اور ہم پر حساب لینا ہے۔

گمراہ لوگوں کے لئے حیات دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے، آخرت میں تو ہو گا ہی۔ حیات دنیا والا عذاب منکرین پر شاہد کے سامنے آ جائے، یا اس کی حیاتِ طیّبہ کے بعد آ جائے، اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر ہے، جس میں ہمیشہ بڑی حکمت ہوتی ہے۔ عذاب بہرحال آتا ہے، اور گمراہ اسے کسی کوشش سے ہٹا نہیں سکتے۔ اس کے وقت کا تعیّن علمِ الٰہی سے کیا جاتا ہے۔ شاہد کی شان تو یہی ہے، کہ حق کو لوگوں تک پہنچا دے۔ وہ اسے قبول کرتے ہیں، یا قبول کرنے کے دعوے کے ساتھ من مانی کرتے ہیں، یا قبول ہی نہیں کرتے، اس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ حق کو پہنچا دینے کا کام، خاتم النبین کی طریقت سے اسی طرح ہو سکتا ہے، کہ مخالفین کی مخالفت ان کی لاعلمی کی وجہ سے قابل معافی سمجھی جائے، اور تائید ایزدی کے ساتھ تبلیغ حق کے کام کو جاری رکھا جائے۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں بھی عذاب کے وقت کا تعیّن اللہ تعالیٰ کے علمِ مطلق سے ہی ہوتا ہے۔ شاہد کا کام تبلیغِ حق کے ساتھ ہی پورا ہو جاتا ہے۔ تبلیغِ حق کی احسن صورت وہی ہے، جو خاتم النبین کی طریقت ہے۔ اپنے قول کی بھی حفاظت کرنی چاہئے، عمل کی بھی حفاظت کرنی چاہئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

کیا وہ دیکھتے نہیں، کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اللہ حکم

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

فرماتا ہے تو کوئی اس کے حکم کو پیچھے ڈالنے والا نہیں۔ اور اسے حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

کافروں کو یہ نظر آ رہا تھا، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ خیر کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے والے بڑھتے جا رہے ہیں، اور ان کی باتیں ہر سو ہو رہی ہیں۔ لوگ کافروں کی مشرکانہ رسوم کو بے حقیقت کہنے لگے ہیں۔ ان پر یہ واضح ہوتا جا رہا ہے، کہ آخرت کے یقین سے ہی حال پر بھلائی کی راہ اختیار کی جا سکتی ہے، اور بھلائی کی راہ اختیار کرنے میں ہی انسانوں کا بھلا ہے۔ دعوت حق دینے والوں کو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس لئے ان کا کسی جگہ آنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نشانی کا درجہ رکھتا ہے۔ حکم اللہ کی شان کے لائق ہے، اور جب اس کا حکم ہوتا ہے، تو تمام اسباب اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب وہ لوگوں کا کیا ان پر ڈالتا ہے، تو اسے دیر ہی کیا لگتی ہے، حساب فوراً ہو جاتا ہے۔

حاصل : جب بات سند کے ساتھ ہو، اور اس کے ماننے والے بتدریج بڑھتے جا رہے ہوں، اور اس سے شرک کو خطرات لاحق ہو جائیں تو اس بات کے حق ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ پاک لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے ان کے حکم کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اپنا حق ادا کرنے کے بعد فارغ رہنا چاہئے۔ اللہ سے بڑا حساب لینے والا کوئی نہیں۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

اور خفیہ تدبیریں کرتے رہے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ تو خفیہ تدبیریں سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ہر نفس کا کسب اس کے علم میں ہے۔ اور کفار کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا، کہ پچھلا گھر کس کے لئے ہے۔

حق کو مٹانے کے لئے منکرین پہلے بھی خفیہ تدبیریں کرتے رہے ہیں، اب بھی کرتے ہیں۔ خفیہ تدبیر، تدبیر کرنے والے علم کی نسبت سے اپنے اثرات رکھتی ہے، اور یہ اثرات قطعاً باذن اللہ ہوتے ہیں، اس لئے اللہ کے سامنے کسی کے مکر کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کی خفیہ تدبیر کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں، کہ اس کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس کی قدرت محدود نہیں، اس لئے اس کی تدبیر کے سامنے سب عاجز ہیں۔ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ حیات دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی کفار کو پتہ لگ جائے گا، کہ آخرت میں کس کا انجام بخیر ہو گا اور کون عذاب پائے

گا، مگر اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : حق کو مٹانے کے لئے خفیہ تدبیریں کرنے والے ہمیشہ بے عقل ہوتے ہیں، وہ دراصل اپنی جڑ کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ کوئی خفی یا جلی تدبیر اللہ کے اذن کے بغیر حقیقت ہی کیا رکھتی ہے۔ ہر نفس کا کیا ہوا اللہ کے علم میں ہے۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے کے ساتھ آخرت کی بھلائی اور خسارہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا۔ جس پتے سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو، وہ پتہ باعث حسرت ہی ہوتا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

اور کافر کہتے ہیں، کہ آپ مرسل نہیں ہیں۔ فرما دیجئے، میرے اور تمہارے مابین اللہ کی گواہی کافی ہے، اور اس کی جس کے پاس علم کتاب ہے۔

کافروں نے آپ کی رسالت کا انکار کر کے بھلائی کی راہ اختیار نہ کرنے کا اعلان کر دیا، تو ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا: میرے بھیجنے والے علیم مطلق کی گواہی سے بڑی گواہی کسی کی نہیں ہے۔ وہ ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔ وہ گواہ ہے، کہ میں نے تم لوگوں تک حق کو پہنچانے کی پوری سعی کی ہے، اور وہ گواہ ہے کہ تم نے میری رسالت کا انکار کیا ہے۔ جزا دینے والے کی گواہی تمہارے لئے تمہارے اعمال کے حوالے سے اہم ہے، میرے لئے میرے اعمال کے حوالے سے اہم ہے۔ بندوں میں سے، اس کی گواہی اہمیت رکھتی ہے، جس کے پاس علم کتاب ہے۔ جس نے فرمان خداوندی کو مانا ہے، اسے کتاب کا علم ہے، اور جسے کتاب کا علم ہے، وہ میری رسالت کی گواہی نہ دے، ناممکن ہے۔ فرمانِ خداوندی کی اطاعت کی راہ اختیار نہ کرنے والے بے علم ہیں، علم والوں کے مقابل ان کی بات کیا حیثیت رکھتی ہے۔

حاصل : اللہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے، اس لئے اس کی گواہی سے بڑی گواہی کوئی نہیں ہو سکتی۔ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔ فرمانِ خداوندی کی اطاعت سے کتابِ حق کا علم حاصل ہوتا ہے۔ علم والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے رہے ہیں، دے رہے ہیں، اور دیتے رہیں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومن (۴۰) میں ارشاد فرمایا ہے۔ حد سے بڑھنے والے، اور شک کرنے والے، لوگ۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

وہ اللہ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جو انہیں ملی ہو، جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے۔ اسی طرح اللہ متکبر، سرکش کے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ — اٰيَاتُهَا ۵۲ — رُكُوْعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ①

الرٰ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے، کہ آپ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں، ان کے ربّ کے اِذن سے اس کی راہ پر جو عزّت والا حمد والا ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، جو خاتم النبین ہیں۔ مقصد نزول یہ بتایا گیا ہے، کہ آپ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں۔ گمراہی کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں، ہدایت کی ایک ہی صورت ہوتی ہے۔ ظلمات سے نور کی طرف لانے کی کوشش توسب کے لئے کی جائے گی، مگر ہدایت باذن اللہ ہو گی، اور اسے ہو گی، جو طالب ہدایت ہو۔ ہدایت یافتہ عزت والے مومنین کی صف میں شمار ہو گا، اور ماحول اس کی خوبیوں سے منور ہو گا۔

حاصل : قرآن پاک کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لانے کا کام کرنے والے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت و جلوت میں پورا تعلق رکھتے ہوں، تو حقِ تبلیغ ادا ہو سکے گا ورنہ نہیں۔ ہدایت باذنِ اللہ ہوتی ہے، اور طالبِ ہدایت کو ہوتی ہے۔ ہدایت یافتہ کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کی خوبیوں سے ہمیشہ ماحول منور ہوتا ہے۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ②

اللہ کہ جس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کافروں کو ایک عذابِ شدید سے خرابی ہے۔

قرآ پاک جس راستے پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، وہ راستہ خالقِ کل کا راستہ ہے، مالکِ کل کا راستہ ہے۔ یہی راستہ ہے، جس پر چل کر حیاتِ دنیا کو احسن طریق سے گزارا جا سکتا ہے۔ اسی راستے پر چلنے کی صورت میں خوف و حزن سے نجات مل سکتی ہے۔ اسی راستے پر چلنے والے آخرت میں فلاح پائیں گے۔ جو لوگ اس کا انکار کر کے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے دنیا میں بھی خرابی ہے، آخرت میں سخت خرابی ہو گی۔ کافروں کا اپنا علم کوئی نہیں ہوتا۔ وہ حق کے انکار کو اپنا طریق زندگی بناتے ہیں۔ حق کی راہ کو روشن کر کے اللہ نے لوگوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے کسی طرح کی احتیاج نہیں ہے، اس لئے

جو اللہ کا انکار کرتا ہے، اپنے سب سے بڑے بہی خواہ کا انکار کرتا ہے۔ جو اپنے بہی خواہ کا انکار کرے، اس کو ضرور عذاب شدید کی صورت میں خرابی گھیر لے گی۔

حاصل : ہر شے کا استعمال معطیٔ مطلق کے فرمان کے حوالے سے ہونا چاہئے، اسی میں راحت ہے، اسی میں فلاح ہے۔ فرمانِ خداوندی کے انکار سے کافروں کو دنیا و آخرت میں دکھ ہی مل سکتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾

جنہیں حیاتِ دنیا آخرت کے مقابل پیاری ہے، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس میں کجی چاہتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

کافروں کو حیات دنیا سے بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ آخرت کی بات سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ حیات دنیا میں انہیں اتنا انہماک ہوتا ہے، کہ اس کے خاتمے کو بھی قریب ہوتا نہیں دیکھتے۔ جو لوگ انہیں حق کی ادائیگی کی راہ اختیار کرتے نظر آتے ہیں، انہیں وہ رسومات کے حوالے سے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور انہیں اس بات سے ڈراتے ہیں، کہ اس طرح آپ زمانے کو اپنے خلاف کر لیں گے۔ ترغیب یہ دیتے ہیں، کہ اگر آپ نے حق کو ہی دیکھنا ہے، تو پھر یوں کر لیجئے، تاکہ وہ بھی ہو جائے جو آپ چاہتے ہیں اور زمانہ بھی راضی رہے۔ یہ کجی چاہنے والوں کی نشانی ہے۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے والے ہمیشہ دور کی گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔

حاصل : حیاتِ دنیا کے مقابل آخرت پیاری ہو، تو رخ درست ہو گا، ورنہ درست نہیں ہو گا۔ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنی اصلاح کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان بولنے والا ہی بھیجا، کہ وہ ان پر روشن کر سکے۔ تو اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ عزّت والا، حکمت والا ہے۔

طبعی ترتیب کے مطابق ہر رسول کے اولین مخاطب اس کی قوم کے لوگ ہوتے رہے ہیں، جن میں اس رسول کی بعثت ہوتی

تھی۔ اس لئے وحیءالٰہی اس کی قومی زبان میں آتی رہی، تاکہ حق ان لوگوں پر واضح ہو، اور وہ بشارت و انذار سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسری زبانیں بولنے والے، جب اس قوم کے ہدایت یافتہ لوگوں سے ملیں گے، تو اس قوم کی زبان کو جاننے کی وجہ سے اس کے عقاید کو بھی جاننے کی کوشش کریں گے، اور اس رسول کے منکرین کے اعتراضات کو بھی سنیں گے، پھر اس تعلیم کے حق ہونے یا خلاف حق ہونے کا شعور پا سکیں گے۔ اور یہ دوسری زبانیں بولنے والے، اپنے لوگوں میں جائیں گے، تو اپنے احساسات کو ان لوگوں کی زبان میں بیان کریں گے۔ جس زبان کو بہتر طور پر جاننے کا احساس ہو، اس میں سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ سمجھانے والے کا یہ حق ہے، کہ وہ سمجھنے والے کی زبان میں بات کرے، تاکہ وہ سمجھنے والے پر روشن کر سکے۔ بات سمجھ میں آ جانے سے ہدایت و گمراہی کا تعلق نہیں ہے، ہدایت و گمراہی کا تعلق اس رویئے سے ہے جو حق کو ماننے کے لئے شعوری طور پر اختیار کیا جائے۔ جو ہدایت کا طالب ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جائے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ عزت والا، حکمت والا، مالک کل جو بھی کرتا ہے، وہی سب سے صحیح ہوتا ہے۔

حاصل : سمجھنے والے لوگوں کی زبان میں بات کرنا، سمجھانے والے کا حق ہے۔ جس زبان کو بہتر طور پر سمجھنے کا احساس ہو، بات اسی میں روشن ہوتی ہے۔ ہدایت و گمراہی باذنِ اللہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کرنی چاہئے، مگر جو کچھ اس کی طرف سے ہو رہا ہو، اس کو بالکل درست ماننا چاہئے۔ عزت بھی اسی میں ہوتی ہے، حکمت بھی اسی میں ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

اور بےشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں، اور انہیں اللہ کے ایّام یاد دلائیں۔ بےشک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے، شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حسی معجزات کے ساتھ بھیجا گیا، جو اس زمانے کے علوم پر علم الٰہی کی برتری واضح کرنے کے لئے کافی تھے۔ منشاء رسالت لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا تھا۔ طریقت یہ تھی، کہ سابقہ امتوں کے احوال ان کے سامنے اس طرح بیان کئے جائیں، کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے، اور اپنے رخ کے درست کرنے میں مدد ملے۔ جن ایّام میں اللہ لوگوں کا کیا ان پر ڈال دیتا ہے، وہ ایّام پیچھے آنے والوں کے لئے بھی اپنے اندر بڑا درس عبرت رکھتے ہیں۔ مصائب و آلام کو باذن اللہ جان کر اپنا حق ادا کرتے رہنا صبر ہے، اور مصائب کی طوالت میں تعلق مَعَ اللہ کو قائم رکھنا بڑا صبر ہے۔ عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا شکر ہے، اور کسی بھی شے کو حقیر نہ جاننا بڑا شکر ہے۔ صبر و شکر کرنے والوں کے لئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ذکر میں یقیناً نشانیاں ہیں۔ صبر کرنے والوں کو بڑے صبار حضرات کے نقوش قدم سے روشنی ملتی ہے، شکر کرنے والوں کو بڑے شکر گزار حضرات سے روشنی ملتی ہے۔

حاصل : کسی بھی رسول کے ساتھ موزوں نشانیوں کا فیصلہ علم الٰہی سے ہوتا ہے۔ منشاءِ رسالت لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا ہوتا ہے۔ جن ایّام میں لوگوں کو ان کے کئے کی جزا دی گئی ہو، وہ اللہ کے ایّام ہوتے ہیں۔ واقعات سے فائدہ اٹھانے کے لئے اہلیت کا ایک معیار بھی ہوتا ہے۔ صبر و شکر کرنے والے ہی درسِ عبرت سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے بڑی اِبتلا تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا، اللہ نے تم لوگوں پر بڑا احسان فرمایا تھا، تمہیں آلِ فرعون کے مظالم سے نجات دی تھی۔ آلِ فرعون تم سے مشقت بھی لیتے تھے، اور تمہیں مارتے بھی تھے۔ یہ بہت بڑی سزا تھی۔ وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، تاکہ تمہاری عددی قوت کبھی ان کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ یہ اللہ کی مدد سے ہی ہوا، کہ تم مقہور ہونے کے باوجود ان سے نجات پا گئے، اور آج تم ایک قوم کی صورت میں موجود ہو۔

حاصل : اللہ کے احسانات کو یاد کرنے سے قربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کی مدد کا احساس ہو، تو اِستقامت کے ساتھ حق کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ اللہ کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے اللہ کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہو سکتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے الحجر (۱۵) میں ارشاد فرمایا ہے:

رُّبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

کافر بہت آرزوئیں کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔ انہیں چھوڑو، کہ کھائیں اور برت لیں، اور امید انہیں کھیل میں ڈالے۔ تو جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ⑦

اور جب تمہارے ربّ نے سنا دیا، کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں مزید دوں گا، اور اگر نا شکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً شدید ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یہ ارشاد بنی اسرائیل کو سنایا گیا، کہ اگر تم لوگ عطاء الٰہی کو اللہ کی رضا کے مطابق تصرف میں لاتے رہو گے، تو تمہاری شکر گزاری کی بدولت تمہیں مزید نعمتوں سے نوزا جائے گا، اور اگر عطاء الٰہی کو اپنی خواہشات پر لگاتے رہو گے، اور ناشکری کے مرتکب ہو گے، تو پھر ایسی شدید پکڑ میں آ جاؤ گے، کہ جس سے چھوٹ جانا تمہارے بس میں نہ ہو گا۔

حاصل : عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا شکر گزاری ہے، اپنی خواہشات کے مطابق تصرف میں لانا ناشکری ہے۔ شکر گزار کو مزید نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، ناشکرا شدید پکڑ میں آ جاتا ہے، پھر اس کی کوئی تجویز اسے اس پکڑ سے چھڑا نہیں سکتی۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑧

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اگر تم کفر کرو گے اور جو زمین میں ہیں سارے، تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے حمد والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس کے ارشادات کو ماننے سے ماننے والے کو فائدہ پہنچتا ہے، اور نہ ماننے سے منکر خسارے میں پڑتا ہے۔ منکرین کی انتہائی اکثریت بھی نظام خداوندی پر اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے، باقی سب لینے والے ہیں اور دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی یہ ہے، کہ اسے کسی شے کی حاجت نہیں۔ حمد کی شان یہ ہے، کہ ہر شے کو ہر حال میں اس کی احتیاج ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو ماننے سے ماننے والے کو فائدہ ہوتا ہے، نہ ماننے سے منکر کو خسارہ ہوتا ہے۔ عبدالغنی ہونے کے لئے اپنی ذاتی خوشی کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور عبدالحمید ہونے کے لئے حال پر اپنے حق کو حسن و خوبی سے ادا کرنا چاہئے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ

کیا تمہیں ان کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے تھے، قومِ نوح، اور عاد و ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے۔ اللہ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں۔ ان کے رسول روشن

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

نشانیوں کے ساتھ اُن کے پاس آئے، تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف لوٹائے اور کہنے لگے، ہم تمہارے ہاتھ بھیجے گئے کا انکار کرتے ہیں، اور تمہاری دعوت میں ہمیں شک ہے کہ بات کُھلنے نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے منکرین حق کے ساتھ پہلے جو سلوک کیا جاچکا ہے، اس میں پیچھے آنے والوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود اپنے اپنے وقت پر بڑے عروج پر تھیں۔ انہوں نے حق کا انکار کیا، تو عمل کے لئے دی گئی مہلت کے پورا ہونے کے بعد انہیں عذاب میں پکڑ لیا گیا، پھر یہ بجھ کر رہ گئے۔ ان کے بعد آنے والوں کا اب نام بھی کسی کو معلوم نہیں۔ ان منکرین کے پاس بھی روشن نشانیوں کے ساتھ اللہ کے رسول تشریف لاتے رہے۔ یہ لوگ ہمیشہ حق کو سن کر حیرت ہی کا اظہار کرتے رہے، اور اپنے ہاتھ اپنے مونہوں کی طرف لوٹا کر حیرت کے اظہار کے بعد یہ کہتے رہے، ہم اس حق کا انکار کرتے ہیں، جس کی آپ تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کو ماننے سے تو موجودہ رسم ورواج کے تار و پود بکھر جائیں گے۔ آپ کی صداقت کی نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود ہمیں آپ کی تعلیمات میں ایسا شک ہے، کہ وہ بات کھلنے نہیں دیتا۔

حاصل : ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ ماضی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں، جن کے بارے میں اب کسی کو علم نہیں۔ جاہل لوگ حق کو سن کر رسم ورواج سے جُڑ جاتے ہیں۔ رسم ورواج انسانی علم سے بنتے ہیں۔ ان کے بنانے والوں کی اپنی خواہشات ہوتی ہیں۔ مگر رسم و رواج کو ان کے ماننے والے بڑی اہمیت دے دیتے ہیں، اور اپنا سکھ چین برباد کرتے رہتے ہیں۔ راحت حق کو ماننے کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩

ان کے رسولوں نے فرمایا، کیا تمہیں آسمانوں اور زمین کے بنانے والے اللہ میں شک ہے۔ وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی مغفرت کے لئے بلاتا ہے، اور اجلِ مسمّٰی تک وقت دینے کے لئے۔ کہنے لگے، تم تو ہماری مثل بشر ہی ہو۔ تم چاہتے ہو، کہ ہمیں ان کی بندگی سے روک دو، جن کی بندگی ہمارے آباء کرتے رہے، تو پھر کوئی

روشن سند لے آؤ۔

منکرین حق کے جواب میں مرسلین نے یہ فرمایا، کہ حق کے پیغام کو سن کر تمہیں جو شک ہوا ہے، اس شک پر غور کرو۔ کیا تمہیں اللہ پر شک ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ وہ خالق کل ہے۔ اس کی قدرت پر شک کرنا قطعاً بے جا ہے۔ جو دعوت تمہیں ہماری زبان سے مل رہی ہے، یہ اللہ کا بلاوا ہے۔ وہ چاہتا ہے، کہ تم نے علم نہ ہونے کی وجہ سے جو کوتاہیاں کی ہیں، ان کی نفی کرو اور اس کے مخلص بندوں کا اتباع کر کے، اپنے طریق زندگی کو بدل کر، بخشش کی راہ اختیار کرو۔ راہ حق کو اختیار کرنے سے ماضی کی کوتاہیاں معاف ہو جائیں گی۔ عمل صالح کے ساتھ تمہیں اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے مزید وقت دیا جائے گا، اور تمہارا انجام بخیر ہو گا۔ ورنہ عذاب تم سے دور تو نہیں ہے۔ اس کے جواب میں کافروں نے یہ کہا، کہ ہماری نظر میں تم اللہ کی طرف بلانے والے، ویسے ہی ہو، جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو، کہ ہم اس طریق زندگی کو چھوڑ دیں، جو ہمارے بڑوں نے اختیار کیا تھا، اور تمہاری پیروی سے تمہاری سرداری کو مان لیں۔ یہ تو نہیں ہو گا۔ ہاں کوئی ایسا معجزہ سامنے آ جائے، جو ہمیں ماننے پر مجبور کر دے، تو بات دوسری ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت میں شک کرنا، انتہائی جہالت ہے۔ اللہ یہی چاہتا ہے، کہ لوگ حق کو مان کر بخشش کی راہ اختیار کریں، اور ماننے والے بندوں کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوں۔ منکرین حق کو بھلائی مطلوب نہیں ہوتی، اس لئے انہیں تبلیغ حق کرنے والوں کا اپنی مثل ہونا اچھا نہیں لگتا، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی سرداری قائم کرنے کے لئے اپنے علم کو پھیلا رہے ہو۔ منکر دل کا اندھا ہو، تو روشن نشانی بھی اسے کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪

اُن کے رسولوں نے ان سے فرمایا، ہم ہیں تو تمہاری مثل بشر، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے۔ اور ہمارا کام نہیں، کہ تمہارے پاس سند لے آئیں مگر اللہ کے اِذن سے۔ اور مومنوں کو تو اللہ پر توکّل کرنا چاہئے۔

منکرین کے جواب میں، رسولوں نے فرمایا، کہ ہمارا دعویٰ تو یہی ہے، کہ ہم تمہاری نوع بشر سے ہیں، اور اس راستے پر ہیں، جس پر چلنے سے تمہیں فلاح دارین حاصل ہو گی۔ رسالت کا منصب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ علیم مطلق ہے۔ وہ جس بندے کو منصب رسالت کے لئے چن لے، اسی کو ماننا حق ہے۔ رہا یہ سوال کہ کافروں کی مطلوبہ نشانیوں کے دکھانے کا کام، اللہ کے رسولوں کا ہے یا نہیں، تو واضح رہے، کہ یہ کام اللہ کے رسولوں کا نہیں۔ وہ جو نشانی بھی اپنے ساتھ رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے۔ کسی عہد کے علوم کے مقابل علم الٰہی کا تفوق کس طرح ثابت ہو سکتا ہے، علیم مطلق ہی اسے جانتا ہے۔ اس

لئے اس کی دی ہوئی نشانی سے بڑھ کر کوئی نشانی موزوں نہیں ہوتی۔ مومنوں کا حق یہی ہے، کہ عطاء الٰہی کو حال پر پورا جانیں۔ اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ در کار ہو، اسے موجود دیکھیں۔

حاصل : نوعِ بشر ہی تبلیغ حق کے لئے موزوں ہے۔ اللہ کی پسند کو اَدب سے ماننا چاہئے۔ اس کے علم کے مقابل کسی علم کی حیثیت ہی کیا ہے۔ مومن عطاء الٰہی کو پورا جانتے ہیں، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ در کار ہو اسے موجود دیکھتے ہیں۔

وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَآ ءَاذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾

اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر توکّل نہ کریں، اور وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے۔ اور ہم تمہاری دی ہوئی اذیّتوں پر ضرور صبر کریں گے۔ اور توکّل کرنے والوں کو اللہ پر توکّل کرنا چاہئے۔

تبلیغ حق کرنے والے متوکل ہوتے ہیں۔ وہ منکرین پر اپنی روش کو روشن کرتے رہتے ہیں۔ جس کو عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں رضاء الٰہی مطلوب ہو، جو جزا کا یقین رکھتا ہو، اور جسے حیات دنیا کے مقابل آخرت عزیز ہو، وہ اللہ پر توکل نہ کرے، یہ ناممکن ہے۔ منکرین حق، حق پہنچانے والوں کو اذیتیں دیا کرتے ہیں، اور وہ پاک لوگ ان اذیتوں پر صبر کیا کرتے ہیں۔ ان اذیتوں کو باذنِ اللہ جان کر ہی ان پر صبر کرنا ممکن ہوتا ہے۔ منکرین حق کے مقابل پاک لوگوں کو استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنے کے لئے کیا مدد ملنی چاہئے، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے بھروسہ کرنے والوں کے لئے، اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی ذات نہیں ہے۔

حاصل : اللہ پر توکّل کرنا، پاک لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔ منکرینِ حق کی طرف سے دی گئی اذیّتوں پر صبر کرنا، استقامت کے ساتھ راہِ حق پر رہنے کے عزم کو روشن کرتا ہے۔ ہر مقام پر اور ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، اس لئے اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَـٰلَيْتَنِى ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾
کہ ایک دن ایسا آئے گا، اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کی معیت کی راہ اختیار کی ہوتی۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِرُسُلِهِمْ

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔

لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾

یا تم ہماری ملّت میں لوٹ آؤ۔ تو ان کے رب نے انہیں وحی بھیجی، یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔

کافروں نے مرسلین کی تعلیمات کی بےقدری کی انتہائی حدود پر پہنچ کر یہی کہا، کہ ہمارے قریئے میں رہنے کے لئے، آپ کو ہماری ملت میں لوٹ کر آنا ہو گا، اور اسی طریق زندگی کو اپنانا ہو گا، جو آپ کی بعثت سے پہلے یہاں جاری تھا۔ اور اگر یہ آپ نہیں کریں گے، تو پھر یقیناً آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ یہ کافروں کی طرف سے اعلان جنگ ہوتا تھا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو وحی بھیجی جاتی تھی، نصرت ایزدی کا وعدہ کیا جاتا تھا، اور یہ بتا دیا جاتا تھا، کہ ظالموں کی ہلاکت کا وقت قریب ہے۔

حاصل : مرسلین اپنی بعثت سے پہلے خاموش ہوتے تھے، اس لئے کافروں کو اس وقت وہ اپنی ملّت میں نظر آتے تھے، حالانکہ وہ کبھی بھی ان کی ملّت میں نہ تھے۔ علمِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کی ملّت، انسانی خواہشات پر مبنی رسومات والی ملّت کو اس لئے خوف زدہ کرتی ہے، کہ کافر یہ جانتے ہیں، کہ ان کے لئے پاک لوگوں کی ملت کے غلبے کو روکنا ممکن نہ ہو گا۔ کافر جب ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو پاک لوگوں سے اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾

اور ضرور ہم تمہیں ان کے بعد اسی جگہ سکونت دیں گے۔ یہ اس کے لئے ہے، جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اور میری وعید سے ڈرے۔

رسولوں کے منکرین نے ان کی تکذیب کی انتہائی حدود پر جب یہ کہا، کہ تم لوگ ہماری ملت میں لوٹ آؤ تو اس قریئے میں رہ سکتے ہو، ورنہ ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ بتا دیا گیا، کہ ان ظالموں کی ہلاکت کا وقت دور نہیں ہے، اور یہ تمہیں یہاں سے نکالنے کی قدرت کہاں سے لائے ہیں۔ قادر مطلق کا فیصلہ یہ ہے، کہ ہم ضرور پاک لوگوں کو ان ظالموں کی جگہ آباد کریں گے۔ تائید ایزدی جن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، ان کی دو صفات کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہ اللہ کے حضور جواب دہی کے لئے پیش ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اور حق کے انکار کی صورت میں عذاب الٰہی کی وعید سے ڈرتے ہیں۔ یہ لوگ حال پر وہی کرتے ہیں، جو انہیں کرنا چاہئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی قدرت بارہا ظالموں کی جگہ پر مظلوموں کو آباد کر چکی ہے۔ تائید ایزدی سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جو جزا کا یقین رکھتے ہوں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اور اُنہوں نے فیصلہ مانگا، اور ہر سرکش ضدّی نامراد ہوا۔

کافروں نے مرسلین کی تکذیب کرتے کرتے یہ بھی کہا، کہ اگر آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، تو وہ عذاب لاکر دکھایئے جس سے آپ ڈرا رہے ہیں۔ اب کوئی دوسری بات آپ کی صداقت کو ثابت ہی نہیں کر سکتی۔ کافروں کی طرف سے یہ اعلان ان کے رسولوں نے سنا تو یہ دعا کی: اے میرے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے مابین فیصلہ فرما، اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ، تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دعا کے بعد عذاب الٰہی کو آتے دیر نہیں لگی، اور ہر سرکش اور ضدی اس عذاب میں پکڑ لیا گیا۔ عذاب میں پکڑے جانے پر اس نے حق کو مانا ضرور مگر اس وقت وہ نامراد ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی صداقت کو ثابت کرنے کا وقت ضائع کر لیا تھا۔ اسے وہ ماننا کیا فائدہ دے سکتا تھا۔

حاصل : پاک لوگوں نے جب بھی مکذّبین کے بارے میں اللہ کا فیصلہ مانگا، سرکش اور ضدّی لوگوں کا یوں صفایا ہوا، جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

پیچھے اس کے جہنم ہے، اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

عذاب دنیا کے بعد منکرین کو عذاب آخرت کا سامنا ہو گا۔ جہنم ان کا ٹھکانا ہو گا، اور پیپ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ حدت کی شدت کے ساتھ پیاس ضرور لگتی ہے، اور تشنگی شدت اختیار کر جائے تو پینے سے گریز ممکن نہیں ہوتا، اس وقت سرکش اور ضدی لوگوں کو وہ پانی دیا جائے گا، جو ذائقے میں ناگوار ہو گا، بو میں ناگوار ہو گا، رنگ میں بھی پیپ جیسا ہو گا۔

حاصل : منکرینِ حق کو عذابِ دنیا کے بعد عذابِ آخرت کا سامنا ہو گا۔ مخلص بندوں سے دشمنی کرنے والے، جہنم میں جائیں گے، اور وہاں پیپ کا پانی پینے کو پائیں گے۔ اُس عذاب سے بچنے کے لئے، اُس راستے سے ہٹ جانا ضروری ہے، جو اُس عذاب کی طرف ہی جاتا ہے۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

دِقّت کے ساتھ اسے گھونٹ گھونٹ لے گا، گلے سے نیچے نہیں اتار پائے گا، اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی، اور وہ مرے گا نہیں، اور اس کے پیچھے عذابِ غلیظ ہو گا۔

منکرین حق کو ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ تشنگی کی شدت کے وقت جو مشروب، ان لوگوں کو ملے گا، ان کے اعمال کا

نتیجہ ہو گا، اور پیپ کے پانی کی شکل میں ہو گا۔ بڑی دقت کے ساتھ یہ لوگ اسے گھونٹ گھونٹ لیں گے، مگر اسے گلے سے اتارنا مشکل ہو گا۔ اللہ کی پناہ! موت ان لوگوں پر ہر طرف سے بڑھ رہی ہو گی۔ یہ باہر سے بھی جل رہے ہوں گے اور اندر سے بھی جل رہے ہوں گے۔ موت اس تکلیف کے مقابل انہیں قبول ہو گی، مگر مرنا بھی ممکن نہ ہو گا۔ اس کے بعد جس عذاب کا مقام آئے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلیظ فرمایا گیا ہے۔ ان کے اندر بھی تعفّن ہو گا، باہر بھی تعفن ہو گا۔

حاصل : اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ اس تکلیف کی شدّت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، جس کے مقابل موت کو قبول کرنا آسان ہو۔ حق کے انکار کو اپنا معمول بنا لینے والوں کو عذابِ غلیظ کا سامنا ہو گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

اپنے ربّ کا انکار کرنے والوں کا حال ایسا ہے، کہ جیسے راکھ جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔ اپنی کمائی میں سے کچھ ان کے ہاتھ نہ ہو گا۔ یہی دور کی گمراہی ہے۔

جو لوگ اپنے ربّ کا انکار کرتے ہیں، وہ جزا کا یقین نہیں رکھتے۔ ان کے اعمال لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کے حوالے سے ذرات کی صورت میں جمع ہوتے رہتے ہیں، مگر ان اعمال کو ایک کرنے کی صورت موجود نہیں ہوتی۔ وہ ڈھیر کی صورت بھی اختیار کر لیں، تو آندھی کے دن ذرات کو منتشر ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ جن کاموں کو ربّ کے منکرین نے اپنی کمائی سمجھا ہوتا ہے، وہ کام محتاجوں کی امداد، مسافروں کی اعانت، بیماروں کے علاج، وغیرہ کی طرح کے ہوتے ہیں، مگر ربّ کے منکرین ایسے کاموں کو معاشرے میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ ایسے اعمال کی جزا عنداللہ کچھ نہیں ہوتی۔ دور کی گمراہی یہ ہے، کہ کام بھی کیا جائے، اور اپنی کمائی سے کچھ ہاتھ بھی نہ لگے، جزا دینے والے کے حضور حاضری کا لحاظ ہی نہ ہو۔

حاصل : اپنے ربّ کے منکرین جو بھی کرتے ہیں، وہ بے حقیقت ہوتا ہے۔ عنداللہ جزا کا یقین کسی عمل کو باحقیقت بناتا ہے۔ اعمال بے حقیقت ہوں، تو ان کی کثرت کو راکھ کے ڈھیر کی طرح منتشر ہوتے دیر نہیں لگتی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾

کیا تم نے نہ دیکھا، کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔ وہ اگر چاہے تمہیں لے جائے، اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔

دعوت غور و فکر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم دیکھتے نہیں، کہ آسمانوں اور زمین کو کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اس نظام کائنات میں اس قدر ربط ہے، کہ جس شے کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، وہ شے اس مقصد کو خالق کل کی منشاء کے مطابق پورا کر رہی ہے۔ حضرت انسان کو یہ آزادی دی گئی ہے، کہ یہ بشارت کا راستہ بھی اختیار کر سکتے ہیں، اور انذار کا بھی۔ مگر یہ آزادی بھی عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی ہوتی ہے۔ انسان کو یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ اسے توفیق دینے والا، توفیق واپس لے لینے پر بھی قادر ہے، اور وہ اس کی جگہ کسی دوسرے کو لے آنا چاہے، تو اسے روکنے والا بھی کوئی نہیں۔

حاصل : بے حقیقت ہمیشہ حق کے خلاف چلتا ہے۔ آسمان و زمین اسے اس کی غلطی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ خالقِ کل کے لئے، کسی سے توفیق کا چھیننا بھی مشکل نہیں ہے، اور اس کی جگہ کسی دوسرے کو لے آنا بھی مشکل نہیں ہے۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝٢٠ — اور ایسا کرنا اللہ پر دشوار نہیں۔

اللہ خالقِ کُل ہے۔ اس نے کسی بھی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ اسی نے انسان کو توفیق دی ہے۔ وہی اس توفیق کو ایک دائرے کے اندر محدود رکھتا ہے۔ وہ اس توفیق کو واپس لینے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔ وہ نااہل کی جگہ اہل کو لانے پر بھی قادر ہے۔ دشواری اسے ہو سکتی ہے، جسے کسی دوسرے کی احتیاج ہو۔ اور جہاں ہر شے امر الٰہی کی اطاعت کے لئے ہر وقت تیار ہو، وہاں دشواری کا کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کسی سے توفیق لینا چاہے، تو اسے کچھ مشکل پیش نہیں آتی۔ کسی نااہل کی جگہ کسی اہل کو لانا چاہے، تو اسے دیر نہیں لگتی۔ مشکل اسے پیش آتی ہے، جسے کسی دوسرے کی احتیاج ہو۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کا فیصلہ علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٢١

اور سب اللہ کے حضور حاضر ہوں گے، تو جو کمزور تھے، اِستکبار کرنے والوں سے کہیں گے، ہم تمہارے تابع تھے، کیا تم سے ہو سکتا ہے، کہ اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم پر سے ٹال دو۔ وہ کہیں گے، اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا، ضرور ہم تمہیں ہدایت کرتے۔ ہم پر برابر ہے، ہم بےقراری کریں یا صبر کریں، ہم کو خلاصی نہیں۔

ع ۱۵

حق کا انکار کرنے والے اور ان کے متبوعین جب جزا کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے، تو کمزور لوگ جنہوں نے مستکبرین کی پیروی کو اپنے لئے سلامتی کی راہ سمجھ کر اختیار کیا تھا، ان سے کہیں گے، ہم نے تمہاری پیروی کی تھی۔ تم نے رسمیں بنائیں، ہم نے تمہارا ساتھ دیا تھا۔ کیا تم سے ہو سکتا ہے، کہ اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم پر سے ٹال دو۔ تو وہ جواب دیں گے، ہم خود ہدایت یافتہ نہ تھے، تمہیں ہدایت کیسے کر سکتے تھے۔ تم نے ہماری پیروی کی، تو تمہیں دیکھنا چاہئے تھا، کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ اب ہمیں ہمارے اعمال کی جزا ملے گی اور مل رہی ہے۔ اس میں بےقراری کا اظہار ہو، یا خاموشی اختیار کی جائے، خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

حاصل : اِستکبار کرنے والے بری رسمیں بناتے ہیں، کمزور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ جزا کے دن کمزور، اِستکبار کرنے والوں سے کہیں گے، کیا تم ہم پر سے اللہ کا کچھ عذاب ٹال دو گے۔ تو جواب ملے گا، ہمارے بس میں نہ اب کچھ ہے، نہ پہلے کچھ تھا۔ جزا کے وقت، بےقراری یا خاموشی کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے،

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ ٱلْحَسْرَةِ إِذْ قُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَهُمْ فِى غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾

اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیے، جب کام ہو چکے گا۔ اور وہ غفلت میں ہیں اور مانتے نہیں۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور جب فیصلہ ہو چکے گا، شیطان کہے گا، بےشک اللہ کا تم سے وعدہ حقیقی وعدہ تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو جھوٹا کیا۔ اور میرا تم پر زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری مان لی۔ تو مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں، نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اس سے قبل جو تم نے مجھے شریک بنایا تھا، میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ بےشک ظالموں کے لئے المناک عذاب ہے۔

حساب کے بعد جب فیصلہ ہو چکے گا، کہ کن حضرات کو ان کے اعمال صالح کی بدولت جنت ملے گی، اور کن کو ان کی بداعمالی کا صلہ دوزخ کی صورت میں ملے گا، تو دوزخ میں جانے والے شیطان کو اس برے انجام تک پہنچنے کا سبب سمجھیں گے۔

اس وقت شیطان ان سے کہے گا، جو کچھ دنیا میں تمہارے ساتھ پیش آیا وہ بھی اللہ کے وعدے کے مطابق تھا۔ جواب تمہارے سامنے ہے، یہ بھی اللہ نے اپنے مرسلین کے ذریعے واضح کر دیا تھا، یہ بھی حق ہے۔ میں نے ضرور تمہیں یہ امید دلائی تھی، کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں ملے گی۔ میں نے تمہیں خواہشات کی پیروی کی ترغیب دی تھی۔ مگر میرا تم پر کچھ زور نہ تھا۔ تم نے میری دعوت کو قبول کیا، تو تم نے اپنے اختیار کا وہ استعمال کیا، جو تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب مجھے ملامت کیوں کرتے ہو، اب تو خود کو ملامت کرو۔ تمہیں تمہارے کئے کی جزا ملے گی، مجھے میرے کئے کی جزا ملے گی۔ نہ میں تمہارے لئے کچھ کر سکنے کی توفیق رکھتا ہوں، نہ تم میرے لئے کچھ کر سکتے ہو۔ اس سے قبل تم نے مجھے اللہ کا شریک بنایا تھا۔ تم حق کے مقابل میرا کہا مانتے تھے۔ تمہاری من مانی یقیناً شرک تھی۔ میں ضرور تمہیں اس کی طرف رغبت دلاتا تھا، مگر میں جو کرتا تھا وہ خلاف حق تھا۔ اب میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ خلاف حق کرنا ظلم ہے، اور بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حاصل : انسان کو اس کے کئے کی جزا کا فیصلہ ہو جائے گا، تو شیطان کو مکر و فریب کی اور بہکانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس وقت وہ ایسی باتیں کرے گا، جو اس کی موجودہ دعوت کی نفی کریں گی۔ شیطان کو ملامت کرنے کی بجائے، اس کی پیروی کرنے والے کو خود کو ملامت کرنی چاہئے۔ من مانی کرنا، خلافِ حق کرنا عملاً شرک ہے۔ شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اور اس کا انجام دردناک عذاب ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (۲۳)

اور وہ جو ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، وہ باغوں میں داخل کئے جائیں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ وہاں ان کی تحیّت سلامتی کی دعا ہو گی۔

منکرینِ حق کے مقابل ایمان والوں کا مقام جنت ہو گا۔ یہ ایمان والے وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنے عہد کو عملاً سچا ثابت کیا ہو گا۔ ان کے اعمال ان کی ذاتی پسند کے حوالے سے صالح نہیں ہوں گے، بلکہ مخلصین ان حضرات کے صالح ہونے کی شہادت دیں گے۔ جنت کی بہار دائمی ہو گی۔ اس بہار کے بعد خزاں کا مقام نہیں آئے گا۔ ایمان والے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ حیاتِ دنیا میں ان لوگوں نے تعلق معَ اللہ میں راحت پائی، آخرت میں بھی یہ تعلق ان کے لئے باعث راحت ہو گا۔ وہاں وہ حضرات آپس میں ملتے وقت ایک دوسرے کا اِکرام سلامتی کی دعا سے کیا کریں گے۔ اللہ کے مزید کرم کے لئے دعا بہرحال کی جا سکتی ہے۔

حاصل : ایمان، صالح اعمال کی شہادت کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ زیرِ زمین نہریں، زیرِ زمین پانی کی سطح کو درست مقام پر رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ تعلق معَ اللہ دنیا و آخرت میں باعثِ راحت ہے۔ آپس میں ملتے وقت سلامتی کی دعا کرنی چاہئے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہ دیکھا، اللہ نے کلمۂ طیبّہ کی مثال کیسی بیان فرمائی۔ جیسے شجرِ طیّب، جس کی جڑ ثابت ہو، اور شاخیں آسمان میں ہوں۔

جو بات حق ہو، وہ رضائے الٰہی کے لئے کی جاتی ہے، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کی جاتی ہے، اور اس کے نتائج کو باذنِ اللہ جانا جاتا ہے۔ یہ کلمۂ طیبہ ایسے پاک درخت کی مانند ہوتا ہے، جس کی جڑ ثابت ہو، قائم ہو، اور شاخیں فضا میں بلند ہوں، زمین بھی اسے خوب خوراک دے، آسمان بھی اس کی پرورش میں ساتھ دے، اور دوسرے درختوں میں وہ درخت اپنی پائیداری اور بلندی کی وجہ سے ممتاز ہو۔

حاصل : جو بات پاک ہے، زمین و آسمان اس کی تائید کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ باحقیقت کی بات پاک ہوتی ہے۔ اس کی جڑ زمین میں اور شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں۔ پاک بات میں ہی فلاح موجود ہوتی ہے۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اپنے رب کے اِذن سے ہر حال پر پھل دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، کہ وہ سمجھیں۔

کلمۂ طیبہ اپنے رب کے اذن سے بہر حال پھل دیتا رہتا ہے۔ جہاں اس سے فوائد حاصل کرنے کی طلب موجود ہوتی ہے، وہاں لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ جسے حق مطلوب ہو، اس کے لئے پاک بات ایسے پھل کا درجہ رکھتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ جسے حق مطلوب نہ ہو، وہ پاک بات کی طرف رجوع ہی نہیں کرتا۔ اس طرح پاک بات سے فائدہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے مثالیں اس لئے بیان فرمائی ہیں، کہ لوگ غور کریں اور سمجھیں۔ جس مثال سے لوگوں کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے، وہ علمِ الٰہی سے مطابقت نہیں رکھتی۔

حاصل : پاک بات سے ہر حال پر فائدہ ہوتا ہے، مگر ہوتا اسی کو ہے، جس کو حق مطلوب ہو۔ مثال ایسی دینی چاہئے، جس سے لوگوں کو حق کے سمجھنے میں مدد ملے، یہ اللہ کی سنت ہے، اور اس میں نورِ ہدایت ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا

کلمۂ خبیثہ کی مثال شجرِ خبیث کی طرح ہے، کہ زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا گیا، اسے کچھ

مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

قرار نہیں۔

بری بات کی مثال ایسے ہے، کہ جیسے شجرِ خبیث جس کی جڑ زمین میں ثابت و مستحکم نہ ہو، اس کی شاخوں کے بلند ہونے کا مقام ہی نہیں آ سکتا۔ زمین میں قرار بھی اسی کو ہو گا، جو زمین سے گہرا تعلق رکھتا ہو۔ جو بات خلافِ حق ہو، اور اس کے ساتھ جو بھی کچھ لگا ہوا ہو، باحقیقت لوگوں کو اس کے اکھاڑ پھینکنے میں کچھ بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ بری بات کو کبھی سند میسر نہیں آتی اس لئے اسے کبھی ٹھہراؤ نہیں ملتا۔

حاصل : بری بات کو کبھی استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ اسے قرار حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کو بے حقیقت اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے، صرف اسی پاک بندے کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی زبان پاک ہو، اور جس کا ہاتھ امین ہو۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

اللہ ایمان والوں کو حیاتِ دنیا اور آخرت میں قولِ ثابت سے ثبات دیتا ہے۔ اور ظالمین کو گمراہ کرتا ہے۔ اور کرتا ہے جو چاہے۔

حیاتِ دنیا میں ایمان والوں کو حق بات سے بڑی تائید ملتی ہے۔ انہیں اس سے بڑا ثبات ملتا ہے۔ جس کی بدولت تمام مقامات پر وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ خوشی کے لمحات میں شکریئے کے ساتھ تعلق معَ اللہ کو قائم رکھتے ہیں، مصائب کے لمحات میں صبر کے ساتھ تعلق معَ اللہ کو قائم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت میں انہیں اس قدر راحت ہوتی ہے، کہ وہ مدح سے بے ربط نہیں ہوتے، اور مذّمت سے پریشان نہیں ہوتے۔ آخرت میں تو انہیں پریشانی ہو ہی نہیں سکتی۔ ظالم خلافِ حق کرتے ہیں، اس لئے ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو جاتا ہے، ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی توفیق چھن جاتی ہے، یہی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی نیت کے حوالے سے بھی جانتا ہے، اس کے اعمال کے حوالے سے بھی جانتا ہے۔ اس سے بہتر کون کر سکتا ہے، جس کی اپنی غرض کوئی نہ ہو، جس کی اپنی حاجت کوئی نہ ہو، جس کا علم سب سے بڑا ہو، جس کی قدرت سب پر محیط ہو۔ اللہ جو عنوان رکھ دے، اسی کا تصرف شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے 'کُن' فرمانے سے 'فیکون' ہو جاتا ہے۔

حاصل : قولِ ثابت سے ایمان والوں کو ثبات ملتا ہے، اور یہ ان کی ثابت قدمی کا باعث ہوتا ہے۔ آخرت میں انہیں پریشانی نہیں ہو گی۔ قول ثابت کا انکار کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے، اور اللہ جو کرتا ہے وہی صحیح ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾

اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، کہ تم خسارے والوں سے ہو جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا۔

وہ لوگ جنہیں اپنی قوم کی سیادت و قیادت کا شرف حاصل ہو، حق ان پر واضح ہو جائے، اور وہ اس نعمت کی ناشکری کے مرتکب ہو جائیں، تو وہ یقیناً اپنی قوم کے ساتھ تباہی کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس سرداری ہو، انہیں کبھی جلد بازی زیب نہیں دیتی۔ انہیں غور و فکر کرتے رہنا چاہیئے۔ اپنے ساتھیوں کو غور و فکر میں مدد دینی چاہیئے۔ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا چاہیے۔ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا چاہیئے۔ حق کو جب وہ ان پر روشن ہو جائے، اللہ کی نعمت جاننا چاہیئے، اور اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ اسے ادب سے ماننا چاہیئے۔ حق کے مقابلے میں اپنے ظن کو وقعت دی جائے گی، تو اللہ کی نعمت کی ناشکری ہو گی۔ اس ناشکری کے ساتھ رخ یقیناً تباہی کی طرف ہو جائے گا۔

حاصل : حق اللہ کی نعمت ہے۔ اس کو جاننا شکر گزاری ہے۔ اس کا انکار کرنا ناشکری ہے۔ حق کی ناشکری سے رخ تباہی کی طرف ہو جاتا ہے۔ قوم کے سردار کا قدم جس طرف اٹھے گا، اس طرف قوم کے قدم بھی اٹھیں گے، اس لئے سردار کو بڑے علم سے رُخ کا تعین کرنا چاہیئے۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾

جو جہنم ہے، اس میں داخل ہوں گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

ناشکری کرنے والوں کا انجام جہنم ہو گا، جس میں لوگ داخل ہوں گے۔ جس راستے کو ان لوگوں نے حیات دنیا میں اختیار کیا تھا، اس راستے کی آخری منزل جہنم ہو گی، اور جہنم برا ٹھکانا ہے، جہاں انسان اپنے اعمال کی جزا پانے سے بچنے کی کوشش کرے گا، مگر بچ نہیں سکے گا۔

حاصل : جہنم تک جانے کی کوشش حیاتِ دنیا میں کی جاتی ہے۔ جہاں انسان اپنے کئے کی جزا پانے سے بچ نہ سکے، اور اسے اس کے کئے کی پوری پوری جزا ملے، وہ ٹھکانا برا ہو گا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ

اور اللہ کے لئے برابر والے ٹھہرائے، کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکائیں۔ فرما دیجئے، برت لو، کہ پھر تمہیں آگ کی

اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ طرف لوٹنا ہے۔

حق کا انکار کرنے والوں نے اپنے نظریات سے معبود بنا لئے، الوہیت میں انہیں اللہ کے برابر ٹھہرایا، اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسا کر اللہ کی راہ سے بہکانے کی کوشش کی۔ لوگوں کی خواہشات کو بڑھا کر انہیں یہ تاثر دیا کہ یہ معبود تمہاری چاہتوں کو پورا کریں گے۔ اللہ کی راہ سے بہکانے والوں نے جو کیا وہ اپنی غرض کے لئے کیا، بھٹکنے والوں نے جو کیا اپنی غرض کے لئے کیا۔ ان سے یہ فرما دینے کا حکم ہوا، کہ برت لو، کہ پھر تمہیں آگ کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ آگاہی، کہ عطائے الٰہی کے خلافِ حق استعمال کا انجام آگ ہے، قطعاً بروقت ہے۔

حاصل : لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکانے والے، اللہ کے لئے برابر والے ٹھہراتے ہیں۔ ان سے کہنا چاہئے، جس راستے کو تم نے اختیار کیا ہے، یہ تمہیں دوزخ کی آگ میں پہنچائے گا۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾

میرے بندوں سے جو ایمان لائے، فرما دیجئے، کہ نماز قائم رکھیں، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ بیع ہوگی نہ دوستی ہوگی۔

ایمان لانے والے بندے وہ ہیں، جو حق کو فرمانِ خداوندی جانتے ہیں، اور اس کا اتباع کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے، ایسے لوگوں کو یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ نماز قائم رکھیں۔ نماز کے وقت سے پہلے وضو کر لیں اور مقررہ وقت پر پڑھنے کی نیت بھی کریں، تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ دوسرا حکم اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کرنے کا ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے حاصل کیا جائے۔ چھپے خرچ کرنا اس مقام پر حق ہے، جہاں دوسرے کو ترغیب دینا مناسب نہ ہو، اور ظاہراً خرچ کرنا اس مقام پر حق ہے، جہاں دوسرے لوگوں کو بھی ان کے معاشرتی حقوق کا احساس دلا کر ان کی ذمہ داری ان پر واضح کی جائے۔ خرچ کرنے کے دونوں مقامات لازم و ملزوم ہیں۔ نماز قائم کرنے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کرنے کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا، جس دن میں بیع نہ ہوگی، زینت حیات دنیا کا عنوان بدل جائے گا، عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی، اور جس دوستی کی بنا تقویٰ پر ہوگی، وہی اس دن قائم رہے گی، ورنہ تو گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

حاصل : ایمان لانے والوں پر لازم ہے، کہ وہ نماز قائم رکھیں، اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق سے، چھپے اور ظاہر اس کی رضا کے لئے خرچ کریں، اور حال پر اللہ کی عطا کو ناکافی نہ سمجھیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہیں ہو گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، تو اس سے تمہارے رزق کے لئے ثمرات نکالے۔ اور تمہاری کشتی کو تمہارے لئے مسخّر کیا، کہ اس کے امر سے بحر میں چلے۔ اور تمہارے لئے ندیوں کو مسخّر کیا۔

بندے کے لئے عطائے الٰہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو یہ دعویٰ زیب ہی نہیں دیتا۔ یہ دعویٰ بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔ اللہ نے آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو پیدا کیا، اللہ نے زندگی کے لوازمات کا ایسا مربوط انتظام کیا، کہ آسمان اپنے حصے کا کام امرالٰہی کے مطابق سرانجام دے رہے ہیں، زمین اپنے حصے کا کام کر رہی ہے۔ جب زمین کی قوتِ روئیدگی ختم ہو جائے تو آسمان سے پانی برسا کر اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اور زندہ زمین سے کئی طرح کے ثمرات پیدا کر دیتا ہے، اور وہ ثمرات بندوں کو رزق کی صورت میں درکار ہوتے ہیں۔ بحر میں رزق حاصل کرنے کے لئے، یا بحر میں تجارتی مقاصد کے تحت سفر کرنے کے لئے، کشتی ایک ضرورت ہے، جو بندوں کے کام آتی ہے۔ کشتی کا مقامِ موجود سے مقامِ مقصود تک پہنچنا ایک کام ہے، مگر اس کے کام کی تکمیل کے لئے، پانی کی کیفیت، ہوا کا رخ، ہوا کا دباؤ، پانی کے اندر کی زندہ اور غیر زندہ اشیاء اپنا اپنا کام کر رہی ہوتی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کے امر سے باہر ہو۔ ندیوں کو اس طرح بندے کے لئے مسخر کیا گیا ہے، کہ بندہ اپنی ضرورت کے مطابق ان کے پانی کو تقسیم کر سکتا ہے، ان کے پانی سے توانائی حاصل کر سکتا ہے، ان کے پانی سے رزق حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ نے جس شے کو جس کام پر لگایا ہے، منشائے ایزدی کے مطابق وہ شے خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ خدمات کے اس تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے کیا کیا درکار ہوتا ہے، انسانی علم اس کے بارے میں قلیل ہی ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی پر نظر ہو، تو لوازماتِ حیات کا بندوبست کرنے والے مہتمم حقیقی کی شکر گزاری ہونی چاہئے۔ جن چیزوں کو اللہ نے ہمارے لئے مسخّر کیا ہے، ان میں ہمارے لئے بہت سے فوائد رکھے گئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

اور تمہارے لئے شمس و قمر کو مسخّر کیا جو برابر چل رہے ہیں، اور تمہارے لئے لیل و نہار کو مسخّر کیا۔

اس سے پہلی آیت میں کشتی اور ندیوں کی تسخیر کا ذکر ہے، اس آیت میں شمس و قمر کی تسخیر کا ذکر ہے، اور لیل و نہار کی تسخیر کا

ذکر ہے۔ سورج، روشنی اور حرارت کے علاوہ بھی حیات دنیا میں منشائے ایزدی کے مطابق کچھ خدمات سرانجام دے رہا ہے، چاند رات کو روشنی اور برودت کے علاوہ بھی منشاء ایزدی کے مطابق کچھ خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ غور کیجئے، رات اور دن حیات دنیا میں کیا کیا کام کر رہے ہیں۔ یہ ہمہ وقتی خدمتگار ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ ان کی حرکات ہمارے علم کے تابع نہیں ہو سکتیں۔ ان کے افعال و منافع ہمارے علم کے تابع نہیں ہو سکتے۔ جس علیم مطلق نے ان کو ہماری خدمت پر لگایا ہے، یہ اس کے امر کے تحت ہماری خدمت کا حق برابر ادا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان خدمت گاروں کو ہمارے لئے مسخر کر کے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی آسانیاں عطا فرمائی ہیں، اس کا شکریہ یوں ادا ہوتا ہے، کہ کسی بھی وقت کوئی کام خلافِ حق نہ کیا جائے۔

حاصل : سورج اور چاند، رات اور دن، برابر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس ہمہ وقتی خدمت کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ کبھی کوئی کام خلافِ حق نہ کیا جائے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

اور ہر چیز میں سے جو تم نے مانگا تمہیں عطا کیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمت کو گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بےشک انسان بڑا ظالم، ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں اپنے علم سے انسان کے لئے مسخر کی ہیں، ان کی اہمیت کا فیصلہ علم الٰہی سے کیا گیا ہے۔ کچھ چیزیں انسان نے اپنے حالات کے حوالے سے طلب کی ہیں، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے طلب کی ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اجتماعی آسائش سے ہو یا رزق سے ہو، اللہ نے وہ بھی بڑے علم سے عطا کی ہیں۔ اللہ کی ایک ایک نعمت کے ارکان کو، اجزا کو شمار کیا جائے تو ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو عطا علیم مطلق کے علم سے ہے، وہی سب سے بہتر ہے۔ ہر عطائے الٰہی سے بےشمار فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ اسے معلوم ہوتے ہیں کچھ معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے معلوم فوائد بڑھتے جاتے ہیں، شکر گزاری بھی بڑھتی ہے۔ مگر انسان کو دیکھئے، عطائے الٰہی کے ادراک کے باوجود خلاف حق کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ انسان کی کچھ ضروریات اس کے علم میں ہوتی ہیں، کچھ ضروریات اس کے علم میں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب انسانی ضرورتیں بڑے علم سے پوری کی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود انسان کو یہ یقین نہیں ہوتا، کہ اس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا کبھی غافل نہیں ہوتا۔ یہ قطعاً ناشکری ہے۔

حاصل : حسنِ طلب کا تقاضا یہ ہے، کہ جو بھی مانگا جائے فلاحِ دارین کے حوالے سے مانگا جائے، عطائے الٰہی کی قدر کی جائے، اور خلافِ حق کرنے سے کراہت ہو۔ شکر گزاری کے لئے یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ ہمارے مفادات کا تحفظ کرنے والا وہ بھی جانتا ہے، جو ہمیں معلوم ہے، اور وہ بھی جانتا ہے جو ہمیں معلوم نہیں۔ اسی حفیظ لاشریک کو اونگھ نہیں آتی، نیند نہیں آتی اور وہ کبھی بھولتا بھی نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۹۷﴾

اور قریب آیا سچا وعدہ، تو جبھی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی کافروں کی۔ کہ ہائے ہماری خرابی، ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظالم تھے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی، اے میرے ربّ اس شہر کو امان والا ٹھہرا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو اصنام کے پوجنے سے بچا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو ملحوظ رکھا جائے، تو واضح ہو گا، کہ کون ان کے راستے پر ہے، اور کون ان کے راستے پر نہیں ہے۔ دعا یہ تھی: کہ اے میرے رب! مکہ مکرمہ کو حرمِ امن بنا دے۔ اللہ نے یہاں شکار مارنا، درخت کاٹنا، لڑنا جھگڑنا منع فرمایا۔ یہاں کے لئے امن ہے۔ اس شہر کے امن کو قائم رکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر ہیں۔ دعا کا دوسرا حصہ یہ تھا، کہ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچا۔ بت انسانی خواہشات کے تحت، انسانی تجویز سے بنائے جاتے ہیں۔ حق مطلوب ہو، تو بت پرستی سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ آپ نے اس دعا کے ساتھ یہ واضح فرمایا، کہ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے والے میری راہ پر ہوں گے۔ دعا، اظہارِ عبدیت کا ذریعہ ہے، اور بندگی کی تعلیم دینا، انبیاء کرام کی شان رہی ہے۔

حاصل: مکہ شریف میں رہنے کے آداب کا جاننا ضروری ہے۔ راہِ عمل کا تعین کرتے وقت حق کو مطلوب ٹھہرانا چاہئے۔

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۶﴾

اے میرے ربّ انہوں نے بہت سے لوگوں کو بہکایا۔ تو جو میرا اتباع کرے وہ تو میرا ہے، اور جس نے میرا کہا نہ مانا، تو بےشک تو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

انسان کی ضرورتوں کو بیان کر کے، اس کی خواہشات کو ابھارا جاتا ہے۔ پھر منکرینِ حق ان خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کئی ایک صورتیں بناتے ہیں، اور طالبین کو ان صورتوں سے مطلب براری کے طریقے بتاتے ہیں۔ اسی طرح لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں بہکتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے یہ کہا، کہ جو میرا اتباع کرے، وہ

میرے ساتھ ہے۔ جو میرے ساتھ ہے، وہ میرا کہا مانے گا، اور میرا مقصود تیری رضا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوں گے جو میرا کہا نہیں مانیں گے۔ یہ لوگ میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔ ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو گا۔ ان لوگوں کے ساتھ بخشش ورحم کو روا رکھا جائے، تا آنکہ ان پر واضح ہو جائے، کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے، اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ اے میرے رب تو مالکِ کل ہے، تو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، ممکن ہے تیری بخشش سے اور تیرے رحم سے یہ لوگ بھی فائدہ اٹھالیں۔

حاصل : ضرورتوں کے نام پر خواہشات کی پیروی انسانوں کو گمراہ کرتی ہے۔ اپنے اعمال کی جزا کا یقین رکھنے والے، مخلصین کا کہا مانتے ہیں۔ من مانی کرنے والوں سے عدم تعلق سنتِ ابراہیمی نہیں ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں بسایا ہے، جہاں کھیتی نہیں ہوتی، تیرے محترم گھر کے پاس، اے میرے رب تاکہ یہ نماز قائم رکھیں۔ تو مہربانی سے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے، اورانہیں ثمرات سے رزق دے، کہ وہ شکر گزار ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں بسایا ہے، جہاں کاشت کاری نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ تیرے محترم گھر کے پاس ہیں، یہ اس گھر کے خدمت گار ہیں، اے میرے رب! اس گھر کے خدمت گار ہونے کے اعتبار سے ان کے لئے نماز کا قائم رکھنا سب سے ضروری ہے۔ تیری مہربانی سے لوگ یہاں آتے رہیں گے، تو ان کے میزبانوں کے لئے یہاں رہنا آسان ہوتا جائے گا۔ ان کو ثمرات سے رزق دے، جو یہاں نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا زیادہ وقت خدمتِ خلق میں لگے گا، اور یہ تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔

حاصل : اللہ کے حکم میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ کسی جگہ آبادی بنانے سے پہلے اس کے رزق کے وسائل کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ عبادت گاہ پہلے بنانی چاہیئے۔ جس خدمت کے لئے آبادی بنائی جائے، وہ خدمت انسانی زندگی میں اہم ہو، اور خدمت گار مخدوموں کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُؕ وَمَا یَخْفٰی عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

اے ہمارے رب تو جانتا ہے، جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور زمین و آسمان میں کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

یہ یقین رکھنا، کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، اور اللہ ہمارے ظاہر کو بھی جانتا ہے، خلوت و جلوت میں پاک رہنے کی سند ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں پاکیزگی کا یقین پہلے ہونا چاہئے۔ ماحول کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ زمین کے کسی مقام پر، کسی آسمان کے کسی مقام پر، اور زمین و آسمان کے مابین کسی جگہ کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ اس یقین کی موجودگی میں خلافِ حق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

حاصل : نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے، عقیدہ درست ہو تو عمل درست ہوتا ہے۔ ہر جگہ اللہ کی رضا مقصود ہونی چاہئے، اپنے رُخ کو ہر مقام پر درست رکھنے کی یہی صورت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝۳۹

حمد اللہ کی ہے، کہ جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) عطا کئے، بےشک میرا رب دعا سنتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان بیان فرماتے ہوئے یہ واضح کیا کہ معطیٔ مطلق کی شان بے مثل ہے۔ وہ دعائیں سنتا ہے، اور جو چاہے کرتا ہے۔ اس کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے، اس لئے کسی بھی لحاظ سے اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے، مگر بہت سارے مقامات سے گزر چکے تھے۔ عبدیت کے دائرے میں، کس مقام پر اولاد کو کس طرح کا علم سکھانا چاہئے، آپ دیکھ چکے تھے۔

حاصل : اسباب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا بڑے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔ وہ سب سے بڑا سننے والا ہے۔ عطائے الٰہی کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ معطیٔ مطلق کی رضا بہرحال مقصود رہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝۴۰

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم رکھنے والا ٹھہرا اور میری ذرّیّت سے بھی، اے رب ہمارے اور میری دعا قبول فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ اسلام حنیف تھے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں یکسوئی کا عالم یہ تھا، کہ کسی بھی مقام پر کوئی بات رضائے الٰہی کے منافی نہیں تھی۔ پھر بھی آپ نے عبدیت کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعا کی: اے میرے رب مجھے نماز کا قائم رکھنے والا ٹھہرا، اور میری اولاد سے بھی ایسے لوگ ہوں جو میرا اتباع کریں، اور نماز قائم رکھنے والے ہوں۔ نماز کا قائم رکھنا، حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو اتنا عزیز تھا، کہ آپ نے اس دعا کی قبولیت پر اصرار کیا، اور دعا کرنے کی طریقت کو روشن فرمایا۔ پاکیزگی کے اس مقام پر رہنے کی دعا کرنے والے کبھی حق سے غافل نہیں ہو سکتے۔

حاصل : یہ دعا نماز کا حصہ بھی ہے، مگر نماز کے علاوہ بھی اس دعا کا تکرار کرتے رہنا چاہئے۔ نماز کا شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے، کہ نماز پڑھنے کے بعد قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کی جائے، اور دوسری نماز تک حقوق العباد کو اس طرح ادا کرنے کا عزم رکھا جائے، کہ حدود اللہ کا احترام واضح ہو۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾

اے ہمارے رب مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو اور مومنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخشش کی دعا کرتے ہوئے یہ کہا۔ اے ہمارے رب مجھے بخش دے۔ اپنے لئے بخشش طلب کرنا تقاضائے ادب ہے، اور اس اعتراف کا اظہار ہے، کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانے کی پوری سعی کے باوجود کوتاہی ہوئی ہے۔ ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت اسی وقت تک کی جا سکتی ہے، جب تک یہ واضح نہ ہو جائے، کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں، تو پھر ان کے لئے بخشش کی دعا کرنا خلافِ حق ہے۔ مومنین کے لئے بخشش کی دعا کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا اتباع کرنے والوں کے بارے میں یہ شہادت دی، کہ یہ سب لوگ میری ملت ہیں، ان کا رخ اللہ کی رضا کی طرف ہے، کوتاہی ہو جاتی ہے، اس لئے ان کو بخش دے۔ قیامت کے دن حساب قائم ہو گا، اور اسی معصومیت کے پیمانے سے بندے کے اعمال کو تولا جائے گا، جس معصومیت کے ساتھ اسے دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ جس نے اپنے قول و فعل کی حفاظت میں غفلت برتی ہو گی، وہ اس دن خسارے میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت یہ احساس ہونا چاہئے، کہ بھلائی کے جو کام ہم نے کئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی ہدایت کی بدولت ہیں، اور جو خطائیں ہوئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ کہیں مقصود کے تعیّن میں کوتاہی ہوئی ہے، کہیں مقصود کے حصول کے لئے کوشش کا رخ درست رکھنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ کہیں نتائج کو باذن اللہ ماننے میں نادانستہ طور پر کوتاہی ہوئی ہے اور ' جو ہمارے ساتھ پیش آیا ہے ' اس کو باذن اللہ ماننے کی بجائے ' جو ہم سے سرزد ہوا ہے ' اس کو باذن اللہ سمجھا گیا ہے، جو قطعاً حق نہیں۔

حاصل : حسنِ عمل کا زُعم کبھی نہیں ہونا چاہئے۔ دعا میں اپنی قلبی کیفیت اس طرح اپنے رب کے سامنے رکھنی چاہئے، کہ کچھ بھی چھپایا نہ جائے۔ اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور مومنین کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں بھلے لوگوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾

تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے، جنہوں نے نمازیں ضائع کیں، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی، تو

عنقریب وہ دوزخ میں غیّ کا جنگل پائیں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ کو ظالموں کے عمل سے ہرگز غافل نہ جاننا۔ وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے، اس دن کے لئے، کہ جس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔

ظالموں کے عمل کا کوئی حصہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ ہے، کہ وہ خلافِ حق کرنے والے کو ڈھیل دیتا ہے۔ یہ ڈھیل ظالم کو اصلاحِ حال کے لئے بھی درکار ہوتی ہے، اور اگر وہ اصلاح کی طرف نہیں آتا، تو اسی ڈھیل سے وہ اس حد پر پہنچ جاتا ہے، جس سے آگے جانے کی اجازت بھی نہیں ہوتی، اور پیچھے ہٹنے کا راستہ بھی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں۔ عمل کے لئے دی گئی کل مہلت، قیامت تک ہے۔ جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، قیامت کے دن ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی، اور جس دن کے انکار پر کافروں نے اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں سب کچھ کیا ہو گا، وہ دن دیکھ کر ہول و دہشت سے ان کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔ ان کی گرفت کے وقت اور مقام کو اللہ ہی جانتا ہے، جو کبھی غافل نہیں ہوتا۔ یومِ قیامت سے ظالم اپنی آنکھیں بند رکھتے ہیں، مگر اس دن میں ظالم اپنی آنکھیں بند نہیں کر پائیں گے۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

سر اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی نظر ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گی، اور دل ان کے اُڑے ہوئے ہوں گے۔

قیامت کے دن ظالموں کا یہ حال ہو گا، کہ وہ سر اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ وہ جو دوسروں کی پریشانی اور بےچینی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، انتہائی پریشانی میں ہوں گے۔ وہ جن کی نظریں ہمیشہ اپنی ذات پر مرکوز رہتی تھیں، اس دن اس قدر دہشت زدہ ہوں گے، کہ انہیں اپنے آپ کو دیکھنے کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ وہ دل جو خلافِ حق کر کے راحت پاتے تھے، اس دن بھلائی کی توقع سے خالی ہوں گے، اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔

حاصل : منزلِ مقصود رضاء الٰہی ہو، دوڑنا ضروری ہو، تو زمین کی طرف دیکھتے ہوئے دوڑنا چاہئے۔ اپنی توجہ اپنی خواہشات پر مرکوز نہیں کرنی چاہئے، اور دل کو بھلائی کے یقین سے پُر رکھنا چاہئے۔ جو ظلم سے بچے گا، وہی ظلم کی جزا سے بچ سکے گا۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

اور لوگوں کو اُس دن سے ڈراؤ، جس دن اُن پر عذاب آئے گا تو ظالم پکاریں گے۔ اے ہمارے ربّ ہمیں اجلِ قریب تک مہلت دے، کہ ہم تیری دعوت کو مانیں اور رسولوں کا اتباع کریں۔ کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں۔

ایک دن ایسا آئے گا، جس دن ظالم عذابِ الٰہی کو دیکھ کر پکاریں گے مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا، اور ظالم یہ چاہیں گے، کہ انہیں کچھ مہلت مل جائے، تاکہ اس مہلت میں وہ اپنے ربّ کی دعوت کو بھی ادب سے مانیں اور رسولوں کا اتباع کرنے کا حق بھی ادا کریں۔ تب خسارے سے بچ جانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔ ربّ العالمین کی طرف سے فرمایا جائے گا: کیا تم قسمیں نہ کھاتے تھے کہ بَعث بَعد المَوت نہیں ہو گی، اور تمہیں اسی دنیا میں رہنا ہے۔ اب انجام کو دیکھ کر تم مہلت مانگ رہے ہو۔

حاصل : اس دن سے ڈرنا چاہئے، جس دن ظلم کا انجام سامنے ہو گا مگر اصلاحِ حال کے لئے مہلت نہیں ہو گی۔ قسم ہمیشہ حق کے ساتھ کھانی چاہئے۔ خلافِ حق بات قسم کھا کر کی جائے، تو وہ حق نہیں ہو جاتی۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

اور تم ان کے مساکن میں بسے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اور تم پر واضح تھا جو ہم نے اُن کے ساتھ کیا تھا، اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان فرمائیں۔

عذابِ الٰہی کو دیکھ کر اصلاحِ حال کے لئے مہلت مانگنے والوں سے فرمایا جائے گا، کہ تم نے یہ دیکھا تھا، کہ جہاں تم بس رہے ہو، وہاں پہلے بسنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ طاقت میں، کارکردگی میں، تم سے پیچھے نہ تھے۔ انہیں ان کے ظلم پر عبرتناک عذاب میں پکڑ لیا گیا تھا، اور تمہیں معلوم تھا کہ اگلے ظالموں کو کیسی سزا مل چکی ہے۔ مگر تم نے وہی راستہ اختیار کیا، جو خلافِ حق کرنے والوں کا راستہ تھا۔ تمہیں تمہاری حیثیت کا احساس دلانے کے لئے مثالیں بیان فرمائی گئی تھیں اور تمہیں اس انجام سے کچھ بے خبری نہ تھی۔ اب مہلت مانگنے کا جواز کیا رہ جاتا ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں کو جس طرح کے عذابِ الٰہی سے مٹایا جاتا ہے۔ اس کے آثار مخفی نہیں

ہوتے۔ ہلاکت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد ہلاکت سے بچ جانا ناممکن ہے۔ حال پر ملی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھانا باعث فلاح ہو گا۔

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۚ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾

اور بے شک وہ اپنا مکر کر چکے ہیں۔ اور ان کا مکر اللہ کے سامنے ہے۔ اور ان کا مکر کچھ ایسا نہ تھا۔ کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔

منکرین حق کا مکر وہ خفیہ تدبیر ہوتی ہے جو حق کو روشن کرنے والے صاحب کو ان کے مقام سے ہٹانے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس خفیہ تدبیر میں منکرین حق کے سب وسائل اس طرح لگائے جاتے ہیں، کہ مقصد کے حصول کے لئے کوئی بھی قیمت انہیں بڑی نظر نہیں آتی۔ مقصد یہی ہوتا ہے، کہ طالبین حق کو جس چراغ سے روشنی مل رہی ہے، اس کو گل کر دیا جائے۔ اس مکر کو دیکھئے، اس کا جال بننے والوں کو دیکھئے، مقام مکر کو دیکھئے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس مکر کے کسی ایک جز کو ساکن کر دیا جائے، تو یہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اس میں کبھی وہ طاقت نہیں ہو سکتی، کہ یہ حق پر قائم ہونے والے قوانین کو ان کی جگہ سے ہٹا دے، جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔

حاصل : منکرین حق ماضی سے سبق نہیں سیکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کافروں کے مکر کی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

تو ہر گز خیال نہ کرنا، کہ اللہ اپنے رسولوں کے وعدے کے خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

اللہ نے اپنے رسولوں سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ رسولوں نے بشارت و انذار کا حق ادا کرتے ہوئے، لوگوں سے جو کچھ فرمایا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ خلاف حق کرنے والوں سے پورا انتقام اللہ تعالیٰ ہی لے سکتا ہے، کہ وہ خلوت و جلوت کے سب مقامات پر ان کے اعمال کو دیکھتا ہے، اور سزا کو اسی حد تک رکھنا کہ منکرین کو صرف ان کے کئے کی جزا ملے، بہت ہی بڑا کام ہے۔ اور اس کام کا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی سند ہے۔

حاصل : ہمارا وعدہ حق کے مطابق ہونا چاہئے، اور ہمیں رضائے الٰہی کے لئے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ انتقام لینے کا علم، اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہے۔ ہمیں حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

جس دن بدل دی جائے گی اس زمین سے اور زمین، اور آسمان، اور سب نکل کھڑے ہوں گے اللہ کے سامنے جو واحد ہے، قہار ہے۔

قیامت کے دن، زمین پر رکھی گئی زینت کو ختم کر دیا جائے گا۔ دار عمل کے لئے رکھا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو اس وقت کے لئے خدائی اہتمام بھی ختم ہو جائے گا۔ اسی زمین پر دار جزا کے لوازمات رکھ دیئے جائیں گے، یوں یہ زمین ایک دوسری زمین ہو جائے گی اور آسمان تو پھٹ ہی جائے گا۔ سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ وہ تساہل برتے۔ یہ حاضری اللہ کے حکم سے ہو گی۔ سب حاضر ہوں گے اور اللہ کے حضور اس طرح حاضر ہوں گے، کہ اللہ کے مالک یوم الدین ہونے کا مشاہدہ کریں گے۔ کسی کو اس دن اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔ سب جزا دینے والے کی قدرت کے احاطے کے اندر ہوں گے۔

حاصل : دار عمل کے حوالے سے زمین پر رکھی گئی زینت، دار جزا میں در کار نہیں ہو گی۔ اللہ قیامت کے دن اس زمین کو دوسری طرح کی زمین بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے حاضری سے بچ جانا ناممکن ہے۔ اس کی قدرت کے احاطے کے اندر ہونے کا یقین ہو جائے، تو حال پر صراط مستقیم روشن نظر آنے لگتا ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

اور تم اس دن مجرموں کو زنجیروں میں باہم جکڑے ہوئے دیکھو گے۔

مجرموں کو جب حق سنایا جاتا ہے، تو اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں، ہم ایک جماعت ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جو یہاں جرم کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، وہ جزا کے وقت بھی باہم زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے جائیں گے، اور اس دن ایک دوسرے کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔

حاصل : خلاف حق کرنے والے، قیامت کے دن باہم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ جرم سے کراہت ہو، تو حق ادا کرنے میں راحت ہوتی ہے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

کرتے ان کے رال کے ہوں گے، اور چہرے ان کے آگ ڈھانپ لے گی۔

قیامت کے دن کا لباس وہ ہو گا، جو کسی کے اعمال کی بدولت اسے ملے گا۔ مجرموں نے اپنی بداعمالی سے جو لباس حاصل

کیا ہو گا وہ رال کا ہو گا، جو رنگ و بو میں تکلیف دہ ہو گا، اور بدن کو بھی تکلیف دے گا۔ آگ کی موجودگی میں یہ تکلیف مزید بڑھے گی۔ اور وہ چہرہ جس کو سجانے میں مجرمین نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی، آگ اسے ڈھانپ لے گی، اور اسی آگ سے بچ جانا ناممکن ہو گا، کہ انسان اپنے اعمال کی صورت میں اپنے جلانے کا سامان، حیات دنیا میں اکٹھا کر کے وہاں لایا ہو گا۔

حاصل : ہمارے لباس کو پاک ہونا چاہئے، اور جسم کے لئے آرام دہ ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے چہرے کو اس طرح سنوارنا چاہئے کہ اس سے، حدوداللہ کے احترام کا ثبوت ملے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

تاکہ اللہ ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دے۔ بےشک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزا دے سکتا ہے۔ اس سے کوئی مقام مخفی نہیں ہے۔ نیت سے لے کر کسی عمل کے پورے ہونے تک تمام مقامات کو دیکھنے والا جانتا ہے، کہ عمل کرنے والے نے حق کو سنا تھا، اس کا شعور کس درجے کا تھا، حق پہنچانے والے کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا، ناقابل تردید حقائق کو سننے کے بعد اس نے کون سا رخ اختیار کیا تھا اور اس رخ پر اپنا کتنا وقت لگایا تھا، کتنی قوت صرف کی تھی، اور کتنے اموال کو استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام کیا گیا ہے، کہ ہر ایک کا حساب اس کے عمل کے ساتھ ساتھ بنتا جا رہا ہے۔ اللہ کے حکم کے ساتھ ہی نامہ اعمال بندے کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، جس میں کوئی غلطی نہیں ہو گی۔

حاصل : نیت سے لے کر کسی عمل کے پورے ہونے تک ہر مقام پر ہمیں جزا کا یقین ہونا چاہئے۔ انسانی عقل سے بھی حساب جلدی ہو جاتا ہے، علیم مطلق کے سریع الحساب ہونے کو سمجھنا اب مشکل نہیں ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

یہ لوگوں کو پہنچانا ہے، اور اس لئے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں، اور اس لئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ معبود وہی ایک ہے، اور اس لئے کہ عقل والے نصیحت مانیں۔

منشاء ایزدی یہ ہے، کہ حق لوگوں تک پہنچا دیا جائے، لوگ اپنے اعمال کے انجام سے آگاہ کر دیئے جائیں، لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جزا دینے والا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ نصیحت وہی ہے، جو حق پر مبنی ہو، اور ناصح امین کی زبان پاک

سے بیان ہو۔ عقل والے وہ لوگ ہیں جو اس نصیحت کو مانیں اور ناصح سے محبت رکھتے ہوں۔

حاصل : حق کا لوگوں تک پہنچانا، لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، یہ روشن کرتے رہنا کہ جزا دینے والا اللہ ہی ہے، اور یہ یقین رکھنا کہ نصیحت سے عقل والے ہی فیض یاب ہوتے ہیں، علماء عارفین کی شان ہے۔

شہادت : سورۃالصفت (۳۱) فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کو ٹھہرا کر پوچھا جائے گا.

مَالَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾

تمہیں کیا ہوا، ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہوئے ہیں۔

اٰیَاتُهَا ۹۹ — سُوْرَةُ الْحِجْرِ — رُكُوْعَاتُهَا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

آلر قف یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیات ہیں۔

حروفِ مقطعات سے ابتدا فرمائی گئی ہے، جو اس بات کی سند ہے، کہ علمِ الٰہی کے حوالے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام لوگوں سے بلند ہے۔ اس کتابِ الٰہی اور روشن قرآن پاک کی آیات اپنی صداقت پر خود گواہی دے رہی ہیں، ان کی وضاحت کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ان کو روشن ماننے سے انکار کر رہا ہے، تو وہ اس نصیحت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ نصیحت تو عقل والے مانا کرتے ہیں۔

حاصل : نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل، علمِ الٰہی کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات اپنی صداقت پر خود گواہی دے رہی ہیں۔ نصیحت، عقل کرنے والوں کو ہی فائدہ دیا کرتی ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

کافر بہت آرزو کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

کافر حق کے انکار کو اپنا طریقِ زندگی بناتا ہے۔ مسلمان کی زبان سے بھی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کے امین ہاتھ سے بھی لوگ سکھ پاتے ہیں۔ مسلمان کی صداقت و امانت کا اعتراف اس کے مخالفوں کو بھی ہوتا ہے۔ جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جائے، صداقت و امانت پر قائم رہنے والے فلاح پاتے نظر آئیں، تو کافر بڑی حسرت کے ساتھ آرزو کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

حاصل : کافر وہ کرتا ہے جو اس کا جی چاہے۔ مسلمان کی زبان پاک ہوتی ہے، اس کا ہاتھ امین ہوتا ہے۔ مسلمان وہ کرتا ہے جس سے اللہ راضی ہو۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر کے کافر بڑی حسرت سے کہیں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③

انہیں چھوڑو، کہ کھائیں اور بوئیں اور امید انہیں بھلاوے میں ڈالے، تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

جو لوگ حق کو سن کر ان سنا کر دیتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انہیں زبردستی نہیں سنایا جاسکتا۔ ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کہ وہ بہائم کی طرح کھائیں، اور اپنے برتنے کی اشیاء کو برت لیں۔ طولِ حیات کی امید انہیں بھلاوے میں ڈال رہی ہے کہ یہ یہیں مزے اڑاتے رہیں گے، حالانکہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا کچھ حصہ یہ منکر ضائع کر چکے ہیں، باقی وقت کو پورا ہوتے دیر ہی کیا لگے گی۔ جب حیات کا وقت قریبُ الاختتام ہو گا، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ خلافِ حق کرتے رہنے کی وجہ سے وہ خسارے میں جا پڑے ہیں۔

حاصل : کھانے پینے اور برتنے کی چیزیں اس طرح استعمال کی جانی چاہئیں کہ جسمانی اور روحانی صحت کو تقویت ملے۔ لذت، مزہ اور لمبی امید، غفلت کو بڑھاتی ہے۔ غفلت میں وقت کو ختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④

اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی، اس کا ایک معلوم نوشتہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا علم وہ علم ہے، جو کسی کی بدولت نہیں ہے اور جس کی بدولت تمام علوم زندہ ہیں، چاہے لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قریئے کو اِتمامِ حجت کے بغیر ہلاک نہیں کیا۔ اِتمامِ حجّت کے تقاضے خالقِ کل سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کسی بستی کا محلِ وقوع، اہلِ قریہ کے وسائلِ رزق، ان کے علومِ معاشرت، حق کو سننے کے بعد ان کا رویہ، حق پہنچانے والے سے ان کا تعلق اور ماضی و حال کے مابین رشتے کو عقل سے دیکھنے کی طریقت، ان سب امور کو پیشِ نظر رکھنے والا، مہلت کا تعین کرتا ہے۔ اور جب اللہ کی طرف سے دیا گیا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو پھر اسے کسی قریئے کو ہلاک کرنے کے لئے تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حاصل : ہمیں اپنے فیصلے کا اعلان کرنے سے پہلے اِتمامِ حجّت کو اپنی طریقت بنالینا چاہئے۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

کوئی امّت اپنی اجل سے نہ آگے جاتی ہے نہ پیچھے ہٹتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر امت کے حالات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ کسی امت کے لئے اتمام حجت کی جو صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہے، وہی ہر لحاظ سے پوری ہو سکتی ہے۔ جب کسی امت کے لئے مقررہ مہلت ختم ہو جاتی ہے، تو پھر اس سے آگے جانا یا پیچھے ہٹنا، اس کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل : اتمام حجت کے بعد کسی امّت کو مہلت نہیں دی جاتی۔ اپنے اجتماعی رویئے کو دیکھ کر، انجام سے آگاہی ہو سکتی ہے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝٦

اور کہنے لگے، اے وہ صاحب جن پر نصیحت کا نزول ہُوا ہے، بےشک آپ مجنون ہیں۔

منکرینِ حق نے ازراہِ تمسخر یہ کہا، کہ صاحب آپ ہیں جن پر نصیحت کا نزول ہوا ہے۔ دیکھئے ذرا آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا معاشرے میں کیا مقام ہے۔ فلاح کی بشارت اپنوں کے لئے اور خسارے کا ڈر مخالفوں کے لئے، یہ آپ کے وعظ کی حقیقت ہے۔ پھر اس نصیحت کو آپ کے ہاں یہ تقدس حاصل ہے، کہ اس کی اطاعت میں کوتاہی کو گناہ سمجھا جاتا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کو باعثِ ضلالت بتایا جاتا ہے۔ اس نصیحت کو ماننے میں آپ نے جو روش اختیار کی ہے، ذاتی آسائشوں کو آپ نے جس طرح اہمیت دینے سے انکار کر دیا ہے، پھر کسی وقت بھی آپ خود کو اس نصیحت سے الگ نہیں کرتے، یہ محض جنون سے ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کو، فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں ہم مجنون نظر آئیں، تو یہ ہمارے ایمان کی سند ہو گی۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧

اگر آپ صادقین سے ہیں، ہمارے پاس ملائکہ کو کیوں نہیں لے آتے۔

منکرین نے یہ کہا، کہ ملائکہ آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے تو ہم آپ کی صداقت کو مان لیتے۔ صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے ایسی شرط لگانا، جس کے ساتھ تسلیم کرنا عنداللہ بے معنی ہو جائے، انتہائی بےعقلی کی بات ہے۔ حق کو ماننا اسی حد تک فائدہ دیتا ہے جس حد تک صالح اعمال کی شہادت سے اپنی تسلیم کو سچا ثابت کیا جا سکے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس حد کو ملحوظ رکھا جائے۔

حاصل : حق کو ماننے کے لئے ایسی شرط لگانا، کہ جس کے ساتھ تسلیم کرنا ہی بے معنی ہو جائے، بڑی بےعقلی کی بات ہے۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨

ہم ملائکہ کو نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ، اور اس وقت ان کو مہلت نہ ملے گی۔

منکرین کی طرف سے ملائکہ کے نزول کو صداقت کی علامت ٹھہرانے کی بات کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ ملائکہ کا

نزول تو اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے مگر وہ اتمامِ حجّت کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس وقت حق کا انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے حق کو تسلیم کرنا اس وقت نفع نہیں دیتا۔

حاصل : اتمام حجت کے لئے جو کچھ ضروری ہوتا ہے، علیمِ مطلق کی طرف سے اس کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ مہلت کے خاتمے کا اعلان ہو چکا ہو، تو پھر کسی کا حق کو ماننا، اسے نفع نہیں دیتا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾

بے شک ہم نے اس نصیحت کو نازل فرمایا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآنِ پاک کا نزول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، علمِ الٰہی سے ہوا ہے اور عالمین کے لئے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔ حفاظت کرنے والا خوب جانتا ہے کہ کس وقت، حفاظت کا تقاضا کس طرح پورا ہونا چاہئے۔ اس کی چھ ہزار دو صد اڑتیں (٦٢٣٨) آیات حفّاظ کے سینوں میں اسی ترتیب سے محفوظ ہیں جس ترتیب کی نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی تھی۔ الفاظ، حرکات، اعراب، اوقاف، سبھی محفوظ ہیں، کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اس میں تحریف کر سکے، یا کسی درجے میں اپنی پسند کو داخل کر سکے۔ یہ وہ معیار ہے، جو تاقیامت قائم رہے گا۔ ہر مقام پر، ہر شعبۂ زندگی میں، اس سے صحیح رخ کا تعین کیا جا سکے گا۔ مسائل افراد کے ہوں، اقوام کے ہوں، یا بین الاقوامی ہوں، اسی معیار سے حل ہوں گے تو سلامتی مستحکم ہو گی۔

حاصل : جس نصیحت کو قرآنِ پاک سے تعلق نہ ہو، اس میں کبھی فلاح کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔ قرآنِ پاک کو بلند آواز سے پڑھا جائے، اور دیکھ کر پڑھا جائے، پڑھنے والے ٹھہر ٹھہر کر اُسی طرح پڑھیں، جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، سننے والے حافظ بھی ہوں دوسرے بھی ہوں، اور دیکھ کر سنیں۔ ہر آبادی میں یہ کام سال میں ایک بار سے زائد ہو، تو یہ اظہارِ بندگی ہو گا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل، اگلی اُمتوں میں رسول بھیجے۔

رسولوں کا بھیجنے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ جانتا ہے، لوگ کس حال میں ہیں اور کس سند کو دیکھ کر راہِ راست پر آ سکتے ہیں۔ اللہ اسی سند کے ساتھ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا ہے جو کسی مقام پر درکار تھی۔ اس حال کی ماضی سے تصدیق ہو رہی ہے، یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔

حاصل : جس حال کی ماضی سے تصدیق ہو جائے، اس حال کی صداقت کو تسلیم کرنا چاہئے، جیسے تسلیم

کرنے کا حق ہے۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑪

اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر اس سے استہزاء ہی کرتے ہیں۔

منکرین حق کی یہی عادت رہی ہے، وہ رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں، انہیں جادوگر کہتے رہے ہیں، مجنون کہتے رہے ہیں اور اکٹھے ہو کر ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے ہیں۔ مرسلین نے ہمیشہ ان لوگوں سے بڑا تعلق محسوس کیا ہے، جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا، مگر اکثر لوگوں نے سند کے ساتھ بات کرنے والے کو اہمیت نہیں دی اور وہ افتریٰ باندھنے والوں کی پیروی پر ہی مصر رہے۔

حاصل : سند کے ساتھ، حق کو بیان کرنے والے پاک لوگ، واجب الاحترام ہوتے ہیں۔ جاہل ایسے لوگوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ رسم و رواج کی، حق کے سامنے، کوئی حقیقت نہیں ہے۔

كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ⑫

ایسے ہی ہم اس کو مُجرمین کے قلوب میں بٹھا دیتے ہیں۔

مجرمین کے قلوب میں حق بیان کرنے والے کے ساتھ عداوت اس طرح جاگزین ہو جاتی ہے، کہ ان کی سوچ، اسی عداوت پر مرکوز رہتی ہے اور ان کی قوت کا بیشتر حصہ، اسی عداوت میں ضائع ہونے لگتا ہے۔ حق کو سن کر، یہ لوگ اپنی ثقافت کی حفاظت کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں، اور اس کام کو اپنے معاشرے کی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

حاصل : حق بیان کرنے والے کا مذاق اڑانا اور اس سے دشمنی کرنا جرم ہے۔ مجرمین کے قلوب کبھی اس عداوت سے خالی نہیں ہوتے۔ ہمیں مجرمین سے وہی سلوک کرنا چاہئے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ⑬

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے، اور اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔

مجرمین حق کو مانا نہیں کرتے، نصیحت انہیں نفع نہیں دیتی، اور اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ جب حق بیان کرنے والے کو اپنا محسن سمجھنے کی بجائے، دشمن سمجھا جائے، تو ایمان کا مقام آتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کہ وہ غلط روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی اتمام حجت ضرور کرتا ہے۔ مجرمین کے قلوب میں بھلائی کی طلب نہیں رہتی، اس لئے وہ راہِ فلاح کو اہمیت دینے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔

حاصل : مجرمین حق کو مانا نہیں کرتے، مگر اتمام حجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، تبلیغ حق کا کام کرنے والے، اپنے کام کو جاری رکھتے ہیں۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

اور اگر ہم ان پر آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں، کہ دن کو اس میں چڑھتے رہیں۔

منکرینِ حق کے ایمان نہ لانے کا سبب یہ نہیں ہے، کہ وہ حق کو مان لینے کے لئے جو نشانی طلب کر رہے ہیں، وہ نشانی ان کے سامنے نہیں آ رہی، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ انہیں حق مطلوب ہی نہیں۔ جب حق کی طلب نہ ہو، تو اپنی اصلاح کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ حق کو پانے کی طلب میں سنجیدگی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ موجودہ عقیدے کے درست ہونے کی سند کو تلاش کیا جائے، انسانی علم سے بنائے گئے طریقِ زندگی کا تقابل اس طریقِ زندگی سے کیا جائے جسے علمِ الٰہی سے بنایا گیا ہے، اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں کہیں بھی اپنی پسند کو داخل نہ کیا جائے۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ، حق کے نہ ماننے والے کو فائدہ نہیں دیتا۔ اس کو آسمان پر بھی چڑھا دیا جائے، اور وہ دن کی روشنی میں بہت کچھ دیکھے جو اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا، تب بھی وہ اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ کی قدرت کا مشاہدہ اسے فائدہ دیتا ہے، جو اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار ہو۔

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾ ع

تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ مسحور ہو گئے ہیں۔

اگر حق کا انکار کرنے والے لوگوں کو، حقائق کے مشاہدہ کرنے کا موقعہ دے دیا جائے، تو بھی یہ حقائق کو تسلیم کر کے، اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ یہ کہنے لگتے ہیں، کہ ہم جو دیکھ رہے ہیں، یہ ایسا نہیں ہے، صرف ہمیں ایسا معلوم ہو رہا ہے اور نظر بندی سے یہی کچھ ہوا کرتا ہے۔ ایک نظر بندی پر ہی بس نہیں، ہمارے سب محسوسات ہمارے عقائد کو بے حقیقت ثابت کر رہے ہیں، تو اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، اب جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

حاصل : منکرین ناصح سے اس درجے کا عناد رکھتے ہیں، کہ حقائق کو دیکھ کر بھی، اپنا رخ درست کرنے کی بجائے، یہی کہتے ہیں، کہ ہماری نظر بندی کی وجہ سے ہمیں ایسے لگ رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، اب جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾

اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زُعم تھا۔ اس وقت ان کو علم ہو جائے گا، کہ حق، اللہ کا ہے، اور ان کی بناوٹیں ان سے گم ہو جائیں گی۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي ٱلسَّمَآءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّٰهَا لِلنَّٰظِرِينَ ﴿١٦﴾

اور بے شک ہم نے آسمان میں بروج ٹھہرائے اور اسے ناظرین کے لئے زینت دی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالمِ بالا کی حفاظت کا جو اہتمام کیا گیا ہے، اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ آسمان میں برج بنائے گئے ہیں۔ ان برجوں سے عالمِ بالا کی حفاظت کی جاتی ہے۔ کسی ٹوہ لگانے والے کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح خدائی انتظام میں کسی طرح کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آسمان کی زینت تو دیکھنے والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے۔ سیاروں کے اثرات، انسانی زندگی پر، حیوانی زندگی پر، اور نباتات وغیرہ پر بھی ہوتے ہیں۔ یہ اثرات باذنِ اللہ ہوتے ہیں، اور انسانی علم سے سورج کے مدار کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے جو برج بنائے گئے ہیں وہ سب علمِ قیافہ کے تحت ہیں، ان کا حقائق سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔

حاصل : عالمِ بالا کے انتظام کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ایسا بندوبست کیا ہے، کہ انسانی گمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ افادیت کے ساتھ کسی شے کا نظر کو اچھا لگنا بھی اہم ہوتا ہے۔

وَحَفِظْنَٰهَا مِن كُلِّ شَيْطَٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾

اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔

عالمِ بالا تک شیطان مردود کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ حفاظت کرنے والا، علیمِ مطلق ہے۔ جن مقامات پر حفاظت، علیمِ مطلق کی طرف سے ہو رہی ہو، وہاں سے عدُوِّ مبین کی دخل اندازی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح یہ تصور ہی غیر حقیقی ہے، کہ شیطان مردود بھی حقائق سے آگاہ ہو سکتا ہے۔

حاصل : جن امور کو دشمن سے محفوظ رکھنا ضروری ہو، ان کی حفاظت کا بندوبست کرتے وقت، تائیدِ ایزدی کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

إِلَّا مَنِ ٱسْتَرَقَ ٱلسَّمْعَ فَأَتْبَعَهُۥ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

مگر جو چوری چھپے سننے جائے، تو روشن شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے۔

شیطان عالمِ بالا سے غیب کی خبریں، چوری چھپے سننے کی کوشش کریں، تو روشن شعلوں سے انہیں مارا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے حفاظتی بندوبست میں کوئی کمی ہو، اور شیطان عالمِ بالا سے کوئی خبر پا سکیں۔ شیطان صرف اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہیں، اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں گرفتار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : جن مقامات کو محفوظ بنایا گیا ہو، دشمن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ اس کو ایسی سزا دینی چاہئے، جس سے دشمن مرعوب ہوں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾

اور ہم نے زمین پھیلائی، اور اس میں لنگر ڈالے، اور اس میں ہم نے ہر شے موزونیت سے اگائی۔

عالمِ بالا کے ذکر کے بعد عالمِ زیریں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زمین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح پھیلایا گیا ہے انسان اپنے گمان سے اسے کہاں تک جان سکتا ہے۔ زمین کے مختلف خطوں کا باہم تعلق قائم رکھنا، اس کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے پہاڑوں کی صورت میں میخوں کا گاڑنا، اتنا بڑا کام ہے، کہ اللہ کے سوا، اس کے کرنے کا دعویٰ ہی کسی کو زیب نہیں دیتا۔ زمین کی نباتات کا ایک دوسری کے ساتھ عجیب تعلق ہے، ہر نوع، بڑھنے کی بہت صلاحیت رکھتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو حدِ مطلوب سے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ نباتات کا زمین میں ایسا توازن قائم رکھا گیا ہے، کہ جب انسان کو اس کا علم ہو جائے گا، تو پھر زمین میں کسی جگہ بھی کوئی اللہ کو نہ ماننے والا نہ ہو گا، سبھی مومن ہوں گے، اور اللہ کی عطائے بے بہا کے قدر دان ہوں گے۔

حاصل : زمین کا پھیلاؤ، اس کے مختلف خطوں کا باہمی تعلق، اس کے توازن کا قائم رکھنا اور اس کی نباتات کو موزونیت کے ساتھ بڑھنے کی اجازت دینا، یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ انسان، اللہ تعالیٰ کی عطا کا قدر دان ہو، تو کافر نہیں رہ سکتا۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾

اور تمہارے لئے اس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے، اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔

آسمان اور زمین میں اپنی روشن نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظامِ ربوبیت کو واضح فرمایا جا رہا ہے۔ انسان کی ضروریات کا کلی علم، خالقِ کل کی شان کے لائق ہے۔ یہ ضروریات جسمانی بھی ہوتی ہیں، روحانی بھی ہوتی ہیں، بلا واسطہ بھی ہوتی ہیں اور بالواسطہ بھی ہوتی ہیں۔ نظامِ حیات کے اتنے ارکان ہیں، کہ حضرت انسان، ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ہر شے اپنے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے، ان حدود کے اندر، اس کام کو بڑی خوبی سے کر رہی ہے جو علیم مطلق نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی

زندگی کے لئے معیشت کے اسباب انسان کے پیدا کردہ نہیں ہوتے۔ محنت انسان کے ذمے ضرور ہوتی ہے، اور وہ انسان کی اپنی سلامتی اور فلاح کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ نظامِ حیات کے ماحول میں کام کرنے والوں کا رزق تو انسان کیا مہیا کرے گا، اسے تو ان کی ضروریات کا بھی علم نہیں ہے۔

حاصل : اسباب معیشت، اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ ہیں۔ ان کو رضائے الٰہی کے مطابق، اس طرح استعمال کرنا چاہئے، کہ کمزوروں کو سہارا ملے اور معیشت برائے استکبار کا تصور ختم ہو جائے۔ نظامِ حیات میں انسان کا حصہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ عطا کی اہمیت واضح ہو، تو معطی کا شکریہ ادا کرنے کا مقام آتا ہے۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾

اور ہمارے پاس ہر شے کے خزانے ہیں، اور ہم نازل نہیں کرتے مگر قدرِ معلوم کے ساتھ۔

ہر شے کے خزانے، اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ان خزانوں کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہر شے کو اس مقدار میں لوگوں کے سامنے لانا کہ وہ نظامِ کائنات کے اعتدال پر رکھنے میں مد ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شے کا قدرِ معلوم کے ساتھ نزول ہے۔ ضروریات کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور وہی اپنے علم سے اہتمام کرتا ہے۔

حاصل : کسی شے کے حصول کے لئے بے چینی نہیں ہونی چاہئے، اس کی موجودہ مقدار کو پورا جاننا، علمِ الٰہی کو دل و جان سے ماننے کی سند ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو قدرِ معلوم کے ساتھ نازل کرتا ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾

اور ہم نے بادلوں کو بارور کرنے والی ہوائیں بھیجیں، پھر ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو وہ تمہیں پینے کو دیا، اور تم کچھ اس کے خزانہ دار نہیں ہو۔

پانی، ضروریاتِ زندگی میں اہم ترین رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس عطائے بے بہا کا استعمال روزمرہ زندگی میں کثرت سے ہوتا ہے۔ بادلوں کو لانے والی برساتی ہوائیں، انسانی علم سے نہیں چلتیں، اللہ تعالیٰ ان ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ وہی آسمان سے پانی برسانے والا ہے۔ وہی پانی ہمارے پینے کے کام آتا ہے۔ نہ ہمارے پاس آسمان کے پانی کا خزانہ ہے، نہ زیرِ زمین پانی کو اپنی منشاء کے مطابق جمع کر کے رکھنے پر ہم قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس اہم ترین ضرورت کو جس طرح مہیا کیا جا رہا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتے رہنا، شانِ بندگی ہے۔

حاصل : بارش کے پانی کو سنبھال کر رکھا جائے، اور اسے پینے کے لئے استعمال کیا جائے، تو اس سے بہت بھلا ہوتا ہے۔ جس شے کی قدر و منزلت معلوم ہو، اس کے عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا، عقل مندی کو ثابت کرتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم ہی حیات دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور وارث بھی ہم ہی ہیں۔

حیات دینے والا، تعیّن سے بالا ہے۔ وہ جس کو حیات دیتا ہے، اسے موت بھی دیتا ہے۔ موت سے، عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کو مسلم کی حیثیت سے موت آئے وہ فلاح پانے والا ہے، جس کو مجرم کی حیثیت سے موت آئے، وہ خسارے والا ہے۔ مالکِ کل ہونے کے اعتبار سے، وارث بھی اللہ ہی ہے۔ جب کچھ نہیں تھا، تب بھی اللہ تھا، اور جب کچھ نہیں ہو گا، تب بھی اللہ ہو گا، اس لئے "نہ ہونے" سے "ہونے" تک اور "ہونے" سے "نہ ہونے" تک سب مقامات اسی کے احاطۂ قدرت میں ہیں۔

حاصل : حیات دینے والا بھی اللہ ہے، موت دینے والا بھی اللہ ہے، اس لئے اس کی رضا بہرحال مطلوب ہونی چاہئے۔ اپنی وراثت کی تقسیم میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے، جو وارثِ کل کے ارشاد کے خلاف ہو۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

بے شک پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں، ہمیں ان کا علم ہے، اور بے شک بعد میں آنے والوں کا بھی ہمیں علم ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ جو لوگ ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں، وہ ان سب کو جانتا ہے۔ انہوں نے حق کو سن کر کیا رخ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ اس کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ بعد میں آنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے۔ کوئی مقام، مالکِ کُل سے مخفی نہیں ہے، اس لئے ماضی، حال، اور مستقبل، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو ہر حال کا جاننے والا ہے، ہر مقام کا جاننے والا ہے، اسی کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر موجود ہے۔

حاصل : ہمیں پہلے لوگوں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے، اور بعد میں آنے والوں کے لئے راہِ راست کو روشن کرنا چاہئے۔ حق کو بطریقِ احسن ادا کرنے والا ہی معلّم ہو سکتا ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

اور بے شک تمہارا ربّ انہیں اکٹھا کر لائے گا، بے شک وہ حکمت والا، علم والا ہے۔

خالق کل نے جو کچھ بھی بنایا ہے، اس کو بڑی حکمت اور بڑے علم سے بنایا ہے۔ جب وہ جزا دینے کے لئے لوگوں کو اٹھائے گا، تو اسے کچھ مشکل پیش نہیں آئے گی، اس کے حکم کے ساتھ ہی منتشر اجزا اکٹھے ہو جائیں گے۔ بنانے والے کی حکمت، کسی وجود کے ارکان کے ربطِ باہمی میں دیکھی جا سکتی ہے، اس کا علم مقصدِ تخلیق میں نظر آتا ہے۔

حاصل : جزا کا یقین ہو، تو اللہ کا ڈر بہر حال موجود رہنا چاہئے۔ ہمارا کام امرِ الٰہی کے تابع ہو گا، تو اس میں حکمت بھی موجود ہو گی، اس میں علم بھی موجود ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (۵۷) میں ارشاد فرمایا ہے۔

سَابِقُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٢١﴾

اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف سبقت کرو، جس کا عرض ایسے ہے، جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ۔ تیار ہوئی ہے، ان کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا، جو سیاہ بو دار گارے سے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آفاق میں اپنی نشانیاں بیان فرمانے کے بعد، انفس میں اپنی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ انسان کی پیدائش کے مدارج، خالقِ کل ہی بیان کر سکتا ہے۔ مٹی کے اجزائے ترکیبی علیمِ مطلق کے علم میں ہیں۔ پانی کی موجودگی، اس میں خمیر پیدا کرتی ہے۔ اجزا کا آپس میں خوب مل جانا، تخمیر کے بعد اسے سیاہ گارے کی صورت دیتا ہے۔ پھر صانع، جس سے پہلے کوئی صانع نہیں تھا، اپنے علم سے ایک صورت بناتا ہے۔ یہ صورت ٹھوس ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی جاتی ہے۔ نفسِ واحدہ کی تخلیق کے بعد اس کا جوڑا بنایا جاتا ہے۔ یوں بقاء نسل کی صورت ٹھہرائی جاتی ہے۔ بقاء نسل میں پہلے نطفہ، قرارِ مکین کے ساتھ علقہ، گوشت کا لوتھڑا، اس میں ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، اور پھر اسے آخری شکل میں اٹھان، یہ سب مدارج بڑے علم سے رکھے گئے ہیں۔ احسنُ الخالقین کے علم کی شان سب سے بلند ہے۔

حاصل : انسان، پہلے درجے کا نام ہے۔ انسان کو صانع کی رضا مطلوب ہو، تو پاک رہنے کا رخ اختیار کرتا ہے، اور اگر صانع کے حوالے سے اپنا تعارف کھو دے تو پھر یہ بو دار گارا ہی ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

اور جنوں کو اس سے قبل نارِ سموم سے پیدا کیا۔

جنوں کی تخلیق کے بارے میں بھی خالقِ کل ہی وضاحت فرما سکتا ہے۔ اللہ نے ان کو آگ سے پیدا کیا ہے، اور ان کی پیدائش سے پہلے ان کا مقصدِ تخلیق موجود تھا۔ کسی بھی شے کا مقصدِ حیات خالقِ کل کے علم سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا یہ نہیں کر سکتا۔ جن، اپنے صانع کی شان کو ملحوظ رکھیں تو وہ بندگی کا حق ادا کرنے کی راہ اختیار کریں گے، اور برتری کے احساس میں مبتلا ہو جائیں گے تو خسارے سے بچ نہیں سکیں گے۔

حاصل : خالقِ کل علیم مطلق ہے۔ جنوں کی آگ سے پیدائش، حکمت اور علم سے تھی۔ مقصدِ حیات کا تعین کرنے والا جانتا ہے، کہ کس مقام پر کس کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے، کیا توفیق دی جانی چاہئے۔ توفیق دینے والے کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾

اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں بشر کو، بجتی ہوئی مٹی سے، جو سیاہ بو دار گارے سے ہے، خَلق فرمانے والا ہوں۔

بشر کی تخلیق سے پہلے، ملائکہ کو بتا دیا گیا تھا، کہ اللہ تعالیٰ بشر کو، بجتی ہوئی مٹی سے خَلق فرمانے والا ہے، جو سیاہ بو دار گارے سے بنائی جائے گی۔ یہ بھی بتا دیا گیا تھا، کہ اسے زمین میں خلیفہ ٹھہرایا جائے گا۔ اس غائبانہ تعارف سے، فرشتوں پر یہ واضح فرما دیا گیا، کہ سب اشیاء کے مزاج کو، سب اشیاء کی صفات کو خالقِ کل سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو جو مقام عطا کرے، اس میں یقیناً حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

حاصل : قرب والوں پر واضح کرنا چاہئے، کہ بہتر جاننے والے کے کام میں حکمت اور علم کو دیکھنا ضروری ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾

پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں، اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں، تو تم اس کے آگے سجدے میں پڑ جائیو۔

بشر کی تعظیم کے لئے فرشتوں کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا، انہیں بتایا گیا، کہ جب اسے بنانے، سنوارنے کا کام پورا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں روح پھونکی جائے گی، تب وہ تعلق معَ اللہ کے حوالے سے تمہارے لئے لائقِ تعظیم ہو گا، جب اس کا

لائقِ تعظیم ہونا تم پر واضح ہو جائے، تو اس تعظیم کا اظہار یوں ہو کہ تم اس کے آگے سجدے میں پڑ جائیو۔ الوہیت صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اس کو ماننے کے لئے اظہارِ عبدیت ضروری ہے۔ عبدیت کے اظہار کے ساتھ جس سجدے کا تعلق ہے، اس کی طریقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دی ہے۔ اسی طریقے سے سجدہ کیا جائے گا، تو عنداللہ مقبول ہو گا۔

حاصل : بشر تعلق معَ اللہ کے حوالے سے، فرشتوں کے لئے بھی لائقِ تعظیم ہے۔ جباری و قہاری کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی صفات کا احسن نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبین ہیں۔ ہمارے قول و فعل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پر تو نظر آئے، تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی سند ہو گی۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ تو سب کے سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کے امر کو مانتے ہوئے، سب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تعظیم کے لئے یہ سجدہ یک بارگی تھا۔ اسی سجدے سے فرشتوں کو مقامِ بشر کا علم ہوا، اور اسی سجدے سے ملائکہ کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو علیم اور حکیم مانتے ہیں، سچا ثابت ہوا۔

حاصل : جس کا حکم ہمارے لئے واجبُ الاطاعت ہے، اس کا حکم، سن کر، فوراً ماننا چاہئے۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ سوائے ابلیس کے، کہ اس نے ساجدین کی معیّت اختیار کرنے سے انکار کیا۔

ابلیس کے لئے سجدے کا حکم، فرشتوں کی معیّت کی بدولت تھا۔ اگر حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا تو ابلیس سے عدم تعمیل کا جرم ہی سرزد نہیں ہو سکتا تھا، کہ ابلیس، فرشتہ تو نہیں تھا۔ ابلیس نے حکمِ خداوندی کو سنا، ماننے والوں کو حکم کی تعمیل کرتے دیکھا، مگر سجدہ کرنے والوں کی معیت کو اختیار کرنے سے رک گیا۔ ابلیس، اللہ تعالیٰ کو علیمِ مطلق ماننے کا دعویٰ تو کرتا تھا، لیکن حکم خداوندی کو سن کر، اس نے اپنی سوچ کو زیادہ اہمیت دی اور یوں وہ سب سے پہلے شرک کا مرتکب ہوا۔

حاصل : جس کی پاکیزگی کا ہمیں اعتراف ہو، علم و حکمت کے حوالے سے جس کی فضیلت ہمیں تسلیم ہو، اس کے حکم کو سن کر تعمیل میں دیر نہیں کرنی چاہئے، ورنہ شیطان کا ساتھ ہو جائے گا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ فرمایا، اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو ساجدین کے ساتھ نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، کسی مقام پر کسی کی کوئی حرکت اس سے مخفی نہیں ہوتی۔ علیم مطلق نے سنّت یہ رکھی ہے، کہ جس کا عمل، حق کے مطابق نہ ہو، اس سے ضرور پوچھا جائے کہ تم نے وہ کیوں نہیں کیا، جو تمہیں

کرنا چاہئے تھا۔ کسی کے ناقص عمل کو دیکھ کر، اس سے وضاحت طلب کئے بغیر، اس پر حکم لگا دیا جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی سنّت کے خلاف ہو گا، اور یہ اللہ تعالیٰ سے آگے قدم بڑھانے والی صورت ہو گی، جو قطعاً خلافِ حق ہے۔ اس بے ادبی سے بچنا، فلاح پانے والوں کے لئے لازم ہے۔

حاصل : جس کا عمل خلافِ حق ہو، اس سے پوچھنا چاہئے، کہ تم نے وہ کیوں نہیں کیا، جو تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ اللہ کی سنّت ہے، ہر حال پر اس کا احترام ملحوظ رہنا چاہئے۔ اللہ کی اس سنّت پر عمل ہو تو نظامِ عدل قائم ہو سکتا ہے۔

قَالَ لَمْ أَكُنْ لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾

کہنے لگا، میں وہ نہیں ہوں کہ بشر کو سجدہ کروں، جسے تو نے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا، جو سیاہ بو دار گارے سے تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے جواب میں ابلیس نے یہ کہا، کہ میں وہ نہیں ہو، جو بشر کو سجدہ کروں، جسے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا گیا ہے اور وہ مٹی اس سے پہلے سیاہ بو دار گارے کی صورت میں تھی، اس کے مقابل میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے جہاں بو کا ہونا ہی محال ہے۔ مجھے تخلیق بشر کے حوالے سے اپنی برتری کا بڑا احساس ہے، اس لئے میں بشر کو سجدہ نہیں کروں گا۔ ابلیس کی جہالت ملاحظہ ہو، کہ وہ اپنے خالق کو یہ بتا رہا ہے، کہ تخلیق کے اعتبار سے اس کا مقام، بشر سے برتر ہے۔ خالق کل، اللہ ہے۔ جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اس سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ سب سے بہتر جاننے والے کے حکم میں نقص دیکھنا، اور اپنی بے علمی کو علم جاننا، انتہائی جہالت ہے۔

حاصل : بہتر جاننے والے کے علم میں نقص دیکھنا، اور اپنے تھوڑے علم کو بہت جاننا، انتہائی جہالت اور بے ادبی ہے۔ یہ صفت جہاں ہو گی، اس کا موصوف بھی وہیں ہو گا، اور یہ صفت ابلیس نافرمان کی ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾

فرمایا، تو یہاں سے نکل جا، کہ تو مردود ہے۔

ابلیس کے اس بیان پر کہ میں بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں، جسے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا گیا ہے، جو سیاہ بو دار گارے سے تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو یہاں سے نکل جا، کہ تو مردود ہے۔ میرے قرب میں رہنا پاکیزگی کے ساتھ ہی ممکن ہے، اور وہ تو ضائع کر چکا ہے۔ حکم کا احسن اتباع، حکم دینے والے کی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے، اور حکم عدولی جو استکبار کے ساتھ ہو، یہ ثابت کرتی ہے، کہ انکار کرنے والا، حکم دینے والے سے بڑا علم رکھتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والا، پاکیزگی کے مقام پر نہیں رہ سکتا۔ وہ من مانی کرتے کرتے گمراہ ہو جاتا ہے۔ جسے اللہ رد کر دے، وہ صریحاً خسارے میں پڑ گیا۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والا، پاکیزگی کے مقام پر نہیں رہ سکتا۔ جسے اللہ رد کر دے، وہ صریحاً خسارے میں پڑ گیا۔ پاک اور ناپاک کے مابین وقف رکھنا ضروری ہے۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾ اور یومِ الدّین تک، تجھ پر لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلی طور پر، عمل کے لئے جو وقت دیا گیا ہے، وہ یومِ الدّین تک ہے۔ قیامت کے دن، لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس دن حق کا انکار کرنا، ممکن نہ ہو گا، اس لئے اس دن حق کو ماننے کا فائدہ نہیں ہو گا۔ ابلیس کے استکبار وا نکار کے بعد اس کو مردود قرار دیا گیا، اور اس پر لعنت کی گئی۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ فلاح کی طرف نہیں آ سکتا۔ ابلیس پر اللہ کی لعنت، عمل کے لئے دی گئی انتہائی مہلت تک ہے۔ علیمِ مطلق کی حکم عدولی، اس کے سامنے جہالت اور بےادبی کا اظہار، ایسے گناہ ہیں، جن کی سزا حیاتِ دنیا میں بھی انتہائی ہونی چاہئے تھی، آخرت میں تو ہو گی ہی۔

حاصل : استکبار، ابلیس کی صفت ہے، اس لعنتی سے بچنے کے لئے استکبار سے بچنا ضروری ہے۔ ہمیں اسی پر لعنت کرنی چاہئے، جس پر اللہ کی لعنت ہے، اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت و جلوت میں پاک رہنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ کہنے لگا، اے میرے ربّ، تو مجھے یومِ بعث تک مہلت دے۔

مردود اور لعنتی نے یہ کہا، اے میرے رب تو مجھے اس دن تک مہلت دے، جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ ابلیس نے یہ مہلت اس وقت مانگی، جب وہ حق کا انکار کر کے، دائمی خسارے میں پڑ چکا تھا۔ یہ اتنی بڑی مہلت، اس کو اپنے استکبار کے لئے، اور بشر سے عداوت کے لئے ہی در کار تھی۔

حاصل : تاحیات، ابلیس کی دشمنی کا احساس رکھنا چاہئے۔ ابلیس کسی بشر کی بھلائی چاہے، یہ قطعاً ناممکن ہے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ فرمایا، تجھے مہلت دی گئی۔

ابلیس کو مہلت دینا، اللہ تعالیٰ کا کام تھا، اس لئے ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے، ابلیس کی نیت کو جانتے ہوئے یہ مہلت دے دی۔ مہلت دینے والے کی قدرت کے احاطے سے باہر نکل جانا ابلیس کے بس میں نہیں ہے۔ دارِ عمل کی آخری حد تک مہلت مانگنا، اس ارادے سے تھا، کہ ہر ہر بشر سے ابلیس کو عداوت کا موقع ملے۔

حاصل : چھپے اور ظاہر کا پورا پورا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ کون کیا رخ اختیار کرے گا۔ ہماری نیت کو درست ہونا چاہئے۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ وقتِ معلوم کے دن تک۔

ابلیس نے مہلت تو یوم بعث تک مانگی تھی، مگر اللہ نے اسے وقتِ معلوم کے دن تک مہلت دی۔ وقتِ معلوم سے یوم بعث تک کے عرصے میں اسلام، باقی سب ادیان پر غالب ہو گا۔ ساری دنیا میں سوائے مومنین کے، اور کوئی نہ ہو گا۔ قرآنِ پاک کے حوالے سے ہی، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قول و فعل کے صحیح ہونے کی سند پائی جائے گی۔ انسان کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم، اس یقین سے متروک ہو جائیں گے، کہ ان سے بھلائی کا حصول ناممکن ہے۔ اس وقت میں لوگ اپنے قول کی اس طرح حفاظت کریں گے، کہ فرد ہو یا جماعت، اظہار قولِ سدید سے ہو گا۔ پھر اعمال کے خلافِ حق ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔

حاصل : مہلت دینے والے نے ابلیس کو یومِ بعث تک مہلت نہیں دی، وقتِ معلوم کے دن تک مہلت دی ہے۔ وقتِ معلوم کے دن تک، ساری دنیا ایک نظام کے تحت ہو جائے گی، پھر یہ نظام، اسلام کے سامنے مغلوب ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ کہنے لگا، اے میرے رب، جیسے تو نے مجھے بہکایا ہے، میں انہیں زمین کی دل فریبیوں میں پھنسا کر بہکاؤں گا۔

مہلت طلب کرنے کا منشاء بیان کرتے ہوئے، ابلیس نے یہ کہا کہ اے میرے ربّ! جیسے مجھے تو نے گمراہ کیا ہے، میں بھی بنی آدم سے عداوت کا اظہار تا حد امکان کرتا رہوں گا۔ جہالت دیکھئے کہ ابلیس کو اپنی طرف سے حکم عدولی کا احساس تو ہے، مگر اسے اس کا سبب یہ نظر آتا ہے، کہ وہ حکم تو مانا ہی نہیں جا سکتا تھا، اور وہ حکم دیا ہی اس لئے گیا تا کہ ابلیس گمراہ ہو جائے۔ جاہل ہمیشہ اپنی خطا کا سبب، اپنی ذات کے اندر دیکھنے کی بجائے، اپنی ذات کے باہر دیکھتا ہے۔ ابلیس نے اپنا طریقۂ واردات بیان کرتے ہوئے کہا، کہ بنی آدم کو زمین کی دل فریبیوں میں اس طرح پھنساؤں گا کہ یہ اپنی خواہشات کو، اپنی مرغوبات کو، حق کے مقابل زیادہ اہمیت دیں گے۔ انہیں مسجودِ ملائک ہونے کا مقام بھول جائے گا۔ میری ان سے دشمنی، اس مہلت کے پورے ہونے تک جاری رہے گی، جو مہلت وقتِ معلوم کے دن تک مجھے دی گئی ہے۔

حاصل : ابلیس، بنی آدم کے ساتھ دشمنی میں کبھی ڈھیل نہیں کرتا۔ ہمیں اپنے مقام کا احساس ہونا چاہئے۔ کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ جس کام میں رضائے الٰہی ہو، وہی کرنا چاہئے۔ بات سے ہی رخ کی ابتدا ہوتی ہے، اس لئے بات، بڑی احتیاط سے کرنی چاہئے، تا کہ رخ درست رہے۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ مگر جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں۔

ابلیس ملعون، اعتراف کرتا ہے، کہ وہ عبادِ مخلصین کو بہکا نہیں سکتا۔ عباد مخلصین وہ پاک بندے ہیں، جن کا قول، شریعتِ اسلام کے مطابق ہوتا ہے، جن کا عمل شہادت دیتا ہے کہ وہ حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، جو دوسروں کو وہی علم سکھاتے ہیں، جس سے انہیں فائدہ پہنچا ہو۔ ایسے لوگوں کو ان کے اخلاص کی بدولت یہ مقام ملتا ہے کہ حق اور ناحق کے راستے جہاں بالکل ساتھ ساتھ ہوں، وہاں سے مخلص بندوں کے گزرنے سے بہت روشنی ہو جاتی ہے، اور پیچھے آنے والے، ان مقامات سے، سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

حاصل : ابلیس کے جال سے بچنے کے لئے ضروری ہے، کہ ہماری بات حق کے مطابق ہو، عمل ثابت کرے کہ اتباعِ رسول ہمارا مقصود ہے، کفر، فسق اور عصیان سے ہمیں کراہت ہو، اور دوسروں کو وہی سکھایا جائے جس سے ہمیں فائدہ ہوا ہو۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ — میری طرف آنے کے لئے یہی صراطِ مستقیم ہے۔

عبادِ مخلصین، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے بندے ہیں۔ جو ان کی پیروی کرے وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا، وہ شیطان کے بہکانے میں آ جائے گا۔ نفس کی شرّ سے بچنا، فلاح پانے کے لئے لازم ہے۔ ابلیس جو بھی کرتا ہے، قطعاً خلافِ حق کرتا ہے۔ اس لئے جو ابلیس کے خلاف ہو گا، قطعاً حق کے مطابق ہو گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے صراطِ مستقیم واضح فرما دیا گیا ہے، ہمیں عبادِ مخلصین کے اتباع کو صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند جاننا چاہئے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ — بےشک میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے روشن فرمایا کہ عبادِ مخلصین کی راہ صراطِ مستقیم ہے۔ یہ لوگ مقامِ شکر پر ہوں، یا مقامِ صبر پر ہوں، اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتے ہیں، ادب سے اپنا حق ادا کرتے ہیں، اور نتائج کہ باذنِ اللہ مانتے ہیں۔ ان پر ابلیس کا کچھ زور نہیں چلتا۔ جو لوگ ابلیس کی پیروی کریں، خوبی ہمیشہ اپنے اندر دیکھیں، خامیاں سب دوسروں میں دیکھیں، ناشکری کریں، بےصبری کریں، اپنے قول و فعل کی خرابی کا سبب، اپنی ذات کے اندر دیکھنے کی بجائے، باہر دیکھتے رہیں، ان کا رخ نور سے ظلمات کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ابلیس کو مانتے ہیں، اس لئے ان پر تو اس کا اثر ہو گا۔

حاصل : جو حال پر مخلصین کا اتباع کرے، اس پر شیطان کا کچھ زور نہیں چلتا۔ جو شیطان کی پیروی کرے گا وہ ضرور گمراہ ہو گا۔ عقل مند کے لئے "حق" سند کا درجہ رکھتا ہے، بےعقل کے لئے اس کی 'پسند' سند کا درجہ رکھتی ہے۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ اور بے شک جہنم، ان سب کا وعدہ ہے۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والے گمراہ، سب جہنم میں جائیں گے۔ مخلصین، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے، جسے صراطِ مستقیم کہتے ہیں۔ دونوں راستے حال پر بتا دیئے گئے ہیں، جو فلاح کے راستے کو اختیار کرے گا، وہ خیر کے رخ کو اختیار کرنے کی جزا پائے گا، جو خسارے کے راستے پر چل پڑے گا، وہ غیر کے رخ کو اختیار کرنے کی جزا پائے گا۔ استکبار، تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

حاصل : جہنم سے بچنا مطلوب ہو، تو ابلیس کی پیروی سے بچنا ضروری ہے، اور ابلیس کی پیروی سے بچنے کے لئے استکبار سے بچنا ضروری ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾ ع اس میں سات دروازے ہیں، ہر دروازہ ان میں سے ایک جُز کا مقسوم ہے۔

ابلیس کی پیروی سے جہنم تک جانے کے سات راستے ہیں، سب کے سب استکبار سے تعلق رکھتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے میں، جس نے جتنی سعی کی، اس کی جزا پائے گا۔ یہ سعی، سات طریقوں سے کی جاتی ہے، شرک کی صورت سے جسے ظلمِ عظیم فرمایا گیا ہے، صلہ رحمی کو ترک کر کے، قتل سے جس میں قتلِ اولاد بھی شامل ہے، زنا کے قریب جانے کی صورت سے، حق کی شہادت کو چھپا کر، کمزوروں پر قہر کرنے سے، اور حق کو مٹانے کے لئے باطل کی اشاعت میں خود کو وقف کر دینے سے۔ یہ سات راستے جہنم کے سات دروازوں پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسا جرم ویسا دروازہ۔ ہر جرم کی پوری پوری جزا دینے والے کا علم، علم مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اس لئے اس نے جہنم کے دروازے، جرم کی نوعیت کے مطابق رکھے ہیں۔

حاصل : دیکھنا چاہئے ہم جہنم کی طرف جانے والے کسی راستے پر تو نہیں جا رہے۔ جرائم بھی سب برابر نہیں ہوتے، اس لئے سب مجرموں کو ایک جیسا رکھنا خلافِ حق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (١٠) میں ارشاد فرمایا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ بے شک وہ خسارے میں رہے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، اور وہ ہدایت پر نہ تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ بے شک متّقین باغوں اور چشموں میں ہیں۔

جو لوگ دوزخ کی طرف جانے والے راستوں کو اختیار نہیں کرتے، وہ لوگ کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت کرتے ہیں۔ یہ پرہیز گاری انہیں دنیا کی دل فریبیوں سے بچاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں جس طرح راحت سے نوازا جائے گا، اس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ متقی حضرات باغوں میں ہوں گے اور باغوں میں چشمے ہوں گے۔

حاصل : جنّت اور چشموں کو متّقین کا انتظار ہو گا، کہ ہم سے استفادہ کرنے والے حضرات آئیں تو مقام و مقیم کا تعلق پورا ہو۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

ان میں داخل ہو سلامتی کے ساتھ، امان کے ساتھ۔

باغوں اور چشموں کے مقام پر سلامتی اور امان کا پیغام بڑا انعام ہے۔ اپنی ذات کے لئے خطرات، خدشات نہ رہیں تو سلامتی کا احساس ہوتا ہے، ماحول کی مطلوبہ صورت قائم رہے تو امن ہوتا ہے۔ متقی حضرات کے لئے سلامتی بھی دائمی ہوگی، امن بھی دائمی ہو گا۔

حاصل : متّقی حضرات کی عزّت افزائی، سلامتی اور امان سے کرنی چاہیئے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے ان کے سینوں سے خفگی نکال ڈالی، بھائی ہیں، تختوں پر رُوبرُو بیٹھے ہوئے۔

پاک لوگوں کے دلوں میں بری صفات سے کراہت ہوتی ہے۔ بری صفات والے لوگ انہیں اچھے نہیں لگتے۔ جب کسی وجود سے برائیاں نکل جاتی ہیں، تو ان کی جگہ صفات آ جاتی ہیں۔ ایسے صاحب سے ماضی میں جو خفگی رہی ہو، اللہ اس کو نکال دیتا ہے۔ خفگی کے خاتمے کے بعد مومن آپس میں بھائی ہیں۔ جنّت میں یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے راحت پائیں گے۔ تختوں پر رُوبرُو بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

حاصل : شاہد سے تعلق وہ قدرِ مشترک ہے، جو اس کے عقیدت مندوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ جس کا دیکھنا ہمارے لئے باعثِ راحت ہو، اس سے بڑھ کر بھائی کون ہو سکتا ہے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نہ اُنہیں وہاں کچھ تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

متّقی حضرات کو جنّت میں کچھ تکلیف نہ پہنچے گی، نعمتوں کا حصول بھی آسان ہو گا، ان کا استعمال بھی باعثِ راحت ہو گا۔ جب اعتدال قائم رکھنا، اللہ تعالیٰ اپنے ذمے لے لے تو پھر تکلیف کا مقام ہی کیا رہ جاتا ہے۔ یہ سُکھ جو متقی حضرات کو حاصل ہو گا، دائمی ہو گا۔

حاصل : متّقی حضرات کی قدر و منزلت میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ میرے بندوں کو خبر دو کہ بےشک میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔

یہ خبر سب بندوں کے لئے ہے، جو شعور رکھتے ہیں۔ خبر اس کی طرف سے آئی ہے، جو سب بندوں کا مالک ہے، خالق ہے اور سب کو اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ خبر پہنچانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آپ کے بعد تا قیامت شاہدین یہ خبر پہنچاتے رہیں گے۔ بندوں کو جب احساس ہو جائے، کہ انہوں نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کیا ہے اور وہ خسارے کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں، تو وہ اللہ سے بخشش مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی نفی کر دیتا ہے، اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے کہ انہیں بہت سی آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حاصل : اللہ سے بخشش اور رحم طلب کرتے رہنا، شانِ عبدیت ہے۔ جسے ہم معاف کریں، اس کو سہولت بھی دینی چاہئے تاکہ ہمارے عبداللہ ہونے کا ثبوت ملے۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ اور میرا عذاب ہی المناک ہے۔

مندرجہ بالا خبر کا ایک حصہ تو اللہ کی بخشش اور رحم سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا حصہ اپنے اندر ان لوگوں کے لئے عذاب کی وعید رکھتا ہے، جو شعور کے ساتھ خلاف حق کرتے ہیں، ماضی میں خلافِ حق کرنے والوں کے انجام سے سبق نہیں سیکھتے اور ضد کرتے ہوئے خسارے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں پر یہ واضح کر دیا گیا ہے، کہ اللہ کا عذاب ویسا نہیں ہو گا، جیسے انسانوں کی مجوزہ سزائیں ہوتی ہیں، وہ المناک عذاب ہو گا، جو دکھ کے اعتبار سے بھی انتہائی ہو گا اور مدت کے اعتبار سے بھی انتہائی ہو گا۔

حاصل : آگ کے ساتھ سزا دینے کا حق صرف اللہ کو ہے، اور یہ سزا جزا کے اعلان کے بعد دی جائے گی۔ دوزخ کی آگ کا سامان، انسان دنیا میں کئے ہوئے بُرے اعمال کی صورت میں اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اور انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا حال سنائیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے تھے، ان مہمانوں کا حال سنانے والے شاہدِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، منشاء یہ ہے، کہ فرشتوں کو بھیجنے والا، انہیں جس جگہ اور جس کام کے لئے بھیجتا ہے، وہ اس جگہ وہی کرتے ہیں جس کے کرنے کا انہیں امر دیا گیا ہوتا ہے۔ ماضی کے واقعات، سننے والوں کے لئے یہ اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے سبق حاصل ہوتا ہے، اور سننے والے، اپنے مقام کو، اپنی قدرت کو صحیح تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اتمام حجت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔

حاصل : مہمان کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا جان کر، اس کی تکریم کرنی چاہیئے۔ ماضی کے واقعات کو اس منشاء کے ساتھ بیان کرنا چاہیئے کہ سننے والے ان سے فائدہ اٹھائیں۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ط قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾

جب وہ آپ کے پاس آئے، پھر سلام عرض کیا۔ فرمایا ہمیں تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

فرشتوں کا لباسِ بشری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا، سلام عرض کرنا، اپنے اندر ایک بڑی خبر رکھتا تھا۔ جب بھی کسی قوم پر عذاب کا نزول ہوا، تو اس سے کچھ دیر پہلے، اس قوم میں مبعوث کیئے گئے نبی کو مع اس کے ایمان والے ساتھیوں کے، اس مقام سے الگ کر دیا جاتا تھا، جہاں عذاب آنے والا ہوتا تھا۔ ڈر کی نوعیت واضح تھی، اور آپ نے اس کا اظہار بھی کیا۔

حاصل : مہمانوں کی عزت افزائی کے ساتھ، ان کی تشریف آوری کا منشاء بھی معلوم کرنا چاہیئے۔

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾

کہنے لگے، ڈریئے گا نہیں، ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احساس بالکل بجا تھا، کہ یہ فرشتے جس طرح بھیجے گئے ہیں، یہ کسی اتمام حجت کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ فرشتوں نے یہ کہا، حضرت ڈریئے نہیں، آپ کے لئے تو ہم یہ بشارت لائے ہیں، کہ آپ کے ہاں علم والا بیٹا پیدا ہو گا، جو منصب نبوت پر فائز ہو گا۔

حاصل : کسی جگہ پر ہماری آمد معمول سے ہٹ کر ہو، تو ہمیں میزبان کو اپنی آمد کا منشاء بتانا چاہیئے۔

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾

فرمایا، کیا اس بڑھاپے میں تم مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو، یہ کیسی بشارت دے رہے ہو۔

قدرتِ الٰہی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام، شاہد کی حیثیت سے خوب جانتے تھے، بشارت کو روشن کرنے کے لئے، عطائے

الٰہی کی شان کو بلند کرنے کے لئے، آپ نے یہ فرمایا، اولاد کی بشارت یقیناً باعثِ راحت ہے، مگر پیرانہ سالی میں یہ خوشخبری بہت عجیب لگتی ہے۔ یہ بشارت، ظاہری اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھنی چاہیئے۔

حاصل : ربِ ودود کی شان کو روشن کرنے سے ماحول منور ہوتا ہے، لوگ موجود اور مقصود میں فرق دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾

کہنے لگے، ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دی ہے، تو آپ ناامیدوں سے نہ ہوں۔

فرشتوں کو جو حکم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، وہ وہی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام معطیٔ مطلق کی شان کو روشن کرنے کے لئے، اپنی پیرانہ سالی کا ذکر کر رہے تھے۔ باقی ارکان جو بقائے نسل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بھی آپ کی نظر میں تھے۔ حیرت کا اظہار، ایسے موقع پر تقاضائے عبدیت بن جاتا ہے، مگر مخلصین کے ہاں مایوسی کسی درجہ میں بھی موجود نہیں ہوتی۔ فرشتوں نے وہی کہا جو ان کے علم میں آ سکتا تھا۔

حاصل : فرشتے مقامِ بشریت کو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا انہیں علم دیا گیا ہے۔ جن کی حسنِ نیّت کا یقین ہو، ان کے الفاظ بھی بھلے ہی لگتے ہیں۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾

فرمایا، اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہو، مگر وہی جو گمراہ ہوئے۔

فرشتوں کے بیان کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اپنے رب کی رحمت کی امید رکھنا ایمان کے لوازمات سے ہے۔ اسباب یقیناً امرِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ امید مسبّب سے ہوتی ہے، اور اس کی مطلق قدرت کے حوالے سے ہوتی ہے۔ گمراہ صرف اسباب کو مانتا ہے، اس لئے وہ مایوسی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

حاصل : اپنے ربّ کی رحمت کی طلب بھی رکھنی چاہیئے، امید بھی رکھنی چاہیئے۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی کی نشانی ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾

فرمایا، اے فرشتو تمہیں کس مہم پر بھیجا گیا ہے۔

علم والے بیٹے کی بشارت، حضرت ابراہیم السلام کے لئے باعثِ راحت ہوئی، مگر آپ کو یہ علم بھی تھا کہ یہ فرشتے صرف اسی مقصد کے لئے نہیں بھیجے گئے، اس لئے آپ نے فرستادگانِ الٰہی سے پوچھا، وہ مہم کیا ہے، جس پر آپ سب کو بھیجا گیا ہے۔

حاصل : مہمان سے پوچھنا چاہئے کہ آپ کی تشریف آوری کا منشاء کیا ہے، یہ منشاء معلوم ہو تو میزبان اپنا حق ادا کر سکتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ کہنے لگے، ہمیں قومِ مجرمین کی طرف بھیجا گیا ہے۔

فرشتوں نے جواب دیا، کہ ہمیں قومِ مجرمین کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہ مجرم لوگ کون تھے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کا علم تھا۔ اس قوم کی ہلاکت کی خبر سے حضرت کو رنج ہوا، حالانکہ آپ اس قوم کی بداعمالی کو جانتے تھے۔ قوم لوط کا جرم اور انہیں عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا پورا ہو جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تھا۔

حاصل : مہمان کو اپنی آمد کا منشاء بتانا چاہئے۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ مگر آلِ لوط (علیہ السلام) ان سب کو ہم نجات دیں گے۔

فرشتوں نے اپنی آمد کا منشاء بیان کرتے ہوئے بتایا، کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس قوم کے اس حصے کو جسے آلِ لوط بتایا گیا ہے، نجات حاصل ہوگی۔ آل میں وہ سب شامل ہوتے ہیں، جو عملاً ساتھ رکھتے ہوں۔ قول کی حد تک ساتھ، دعوے کا درجہ رکھتا ہے، عملاً ساتھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب رشتۂ محبت استوار ہو جائے۔

حاصل : آل میں وہ سب شامل ہوتے ہیں، جو عملاً ساتھ رکھتے ہوں۔ یہی 'ساتھ' عذاب سے نجات کا باعث بنتا ہے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع سوائے اس کی عورت کے، کہ اسے ہم پیچھے رہ جانے والوں میں ٹھہرا چکے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، اپنے کفر کے سبب، نجات پانے والوں میں شامل نہیں ہو پائے گی، وہ اپنے کافرانہ رویئے کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس پر عمل درآمد کرنا فرشتوں کے ذمے ہے، حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے سامنے فرشتوں نے اپنا جواب ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

حاصل : ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کا وقت آ جائے، تو فیصلہ اس معیار سے ہوتا ہے کہ کس کس کو شاہد سے محبت ہے اور کس کس کو نہیں ہے۔

شہادت : سورۃ الزّمر (٣٩) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَأَنِيبُوٓاْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُواْ لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾

اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے ماننے والے بنو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

فَلَمَّا جَآءَ ءَالَ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ — پھر جب فرشتے لوط (علیہ السلام) کے ہاں پہنچے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سے فراغت کے بعد، امرالٰہی کے مطابق فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ امرالٰہی کی تعمیل میں فرشتے، کسی لحاظ سے کوتاہی نہیں کرتے۔ جس مقام پر، جس وقت، جس صورت میں پہنچنے کا حکم ہو، اس کی کماحقہٗ تعمیل کرتے ہیں۔

حاصل : حکم دینے والے نے ترجیحات کا فیصلہ کر دیا ہو، تو ماننے والے کو ان ترجیحات کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾ — فرمایا، آپ لوگ اجنبی لگتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو اپنے ہاں دیکھ کر اس لحاظ سے راحت پائی کہ اظہارِ عبدیت میں مہمان نوازی کا موقعہ ملا ہے، مگر آپ کو یہ دکھ بھی ہوا، کہ ان اجنبی لوگوں کو یہ معلوم نہیں، کہ یہ کن لوگوں کی بستی میں آ گئے ہیں، ان لوگوں سے یہ بستی والے کیسا سلوک کریں گے۔ ان اجنبی لوگوں کو یہاں آنے سے پہلے اس بستی کے مکینوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے تھا، کہ ان لوگوں کی عادات کیا ہیں، خصائل کیا ہیں۔

حاصل : کسی جگہ جانے سے پہلے وہاں کے رہنے والوں کے خصائل معلوم کرنے چاہئیں۔ میزبان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مہمان کی ذاتی سلامتی کا اہتمام کرے۔

قَالُواْ بَلْ جِئْنَٰكَ بِمَا كَانُواْ فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ — کہنے لگے، بلکہ ہم وہی لے کر آئے ہیں، جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے، لباس بشری میں آنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا، کہ جس عذاب سے آپ ان لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے، اور جس کے آنے میں ان لوگوں کو شک تھا ہم وہی عذاب لے کر آئے ہیں۔

حاصل : جو بھیجنے والے کے حکم کے تحت آیا ہو، اس پر لازم ہے، کہ وہ اپنے بھیجنے والے کے حکم کے مطابق بات کرے۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور ہم آپ کے پاس حق لائے ہیں، اور ہم صادق ہیں۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے یہ کہا، کہ جس حق کی آپ تبلیغ کرتے رہے ہیں، اس کا ایک حصہ بشارت پر مشتمل تھا، دوسرا انذار پر مشتمل تھا۔ اس قوم نے وہ راستہ اختیار کیا ہے، جس کے برے انجام سے آپ ان لوگوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ حکم خداوندی کے مطابق، اس قوم پر اس انجام کو ڈالنے کے لئے، ہمیں بھیجا گیا ہے، اور جو کچھ ہم نے کہا ہے، اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس میں کسی ردّ و بدل کا مقام نہیں آسکتا۔

حاصل : پیغام لانے والے کو پیغام بھیجنے والے کے حکم کے مطابق بات کرنی چاہئے۔ مدد سے فائدہ اٹھانے کے لئے مدد کرنے والے کی صداقت کا یقین رکھنا ضروری ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

تو کچھ رات رہے، اپنے اہل کو لے کر نکل جایئے، اور آپ ان کے پیچھے رہئے، اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور جایئے جہاں جانے کا آپ کو امر ہوا ہے۔

باقاعدگی کے ساتھ رات کے آخری حصے میں وہی لوگ جاگتے ہیں، جو مخلصین کی طریقت کو باعثِ راحت جانتے ہیں۔ یہ وقت مجرمین کے جاگنے کا نہیں ہوتا۔ پاک لوگوں کو، ناپاک لوگوں سے دور لے جانے کا وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا، طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا، اور وہ مقام جہاں جلدی پہنچنے کا حکم تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح کر دیا گیا۔ خطرے کے مقام سے ساتھیوں کو دور لے جانا ہو، تو ان کے پیچھے رہنے سے، ان کے رخ کو ٹھیک رکھا جاسکتا ہے، ان کی رفتار کو درست رکھا جاسکتا ہے۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے سے یہ ثابت ہو گا، کہ حکم خداوندی کے مطابق، اس جگہ کے رہنے والوں سے، اس جگہ سے جانے والوں نے، اپنا تعلق ختم کر لیا ہے۔ ماضی کے تعلقات، جن کو ختم کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو، ختم کر دیئے جائیں تو موجودہ قوت کا استعمال بہتر طریقے پر ہونے لگتا ہے۔ جس مقام تک عذابِ الٰہی کے اثرات ہو سکتے تھے، وہاں سے ایک فاصلے پر سلامتی کے مقام کا تعین کر دیا گیا تھا، اور وہیں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

حاصل : خطرے کے مقام سے ساتھیوں کو دور لے جانے کا علم، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ رہنمائی کرنے والے کی اطاعت میں بالکل کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا بتایا ہوا وقت، اس کا بتایا ہوا طریقہ، اور اس کی بتائی ہوئی منزل، سب کچھ بلا چون و چرا ماننا چاہئے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور ہم نے اسے یہ فیصلہ پہنچا دیا، کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے بتایا، کہ خدائی فیصلہ اس قوم کے متعلق یہ ہے کہ انہیں جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہونے والی ہے، اور صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی، اور یہ اپنے کئے کے انجام کو پالیں گے۔

حاصل : انجام سے آگاہی ہو اور عنقریب ظالموں کی جڑ کٹ جانے کا علم ہو، تو حال پر ان سے پہنچنے والے دکھ کی شدّت میں کمی ہو جاتی ہے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور شہر والے، خوشیاں مناتے آئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، بےحیائی میں کس حد کو پہنچ چکی تھی، اس کو واضح کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں چند خوبصورت جوانوں کے آنے کی خبر نے انہیں بےچین کر دیا، اور اوباشوں کا ایک ہجوم، پاک رہنے والے، اور پاکیزگی کی تعلیم دینے والے لوط علیہ السلام، کے مہمانوں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے امنڈ آیا اور حضرت کے پاک گھر میں آکر اس ہجوم نے اس بےحیائی کا مظاہرہ کیا، جو اس سے پہلے بھی کہیں نہیں ہوا تھا، اس کے بعد بھی کہیں نہیں ہو گا۔ ان اوباشوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا، کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو، ہم جو کرنا چاہتے ہیں، آپ کو اس کا علم ہے۔

حاصل : اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت میں کبھی غفلت نہیں کرنی چاہئے۔ بےحیائی کا ارتکاب کرنے والوں کو کبھی مدد نہیں دینی چاہئے۔ جلوت میں پاک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلوت میں پاک رہا جائے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾

فرمایا، یہ میرے مہمان ہیں، تو مجھے فضیحت نہ کرو۔

کسی کے مہمان کے ساتھ زیادتی ہو، تو یہ میزبان کے لئے دکھ کا باعث ہوتی ہے۔ اس قوم نے بےحیائی کا یہ راستہ اختیار کر رکھا تھا، کہ اجنبی لوگوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کے انجام سے بالکل آگاہ تھے، مگر آپ نے اپنے حق کی ادائیگی کو جاری رکھا، اور یہ فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں، تمہارا ان کے ساتھ زیادتی کا ارادہ ہی میرے لئے شرمندگی کا

باعث ہے۔

حاصل : آدابِ معاشرت میں مہمان کی عزت افزائی کا بڑا مقام ہے قُرب و جوار والوں کو مہمان کے سامنے، میزبان کی عزت افزائی کرنی چاہئے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے رُسوا نہ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے، اپنی قوم کو بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا، تو یہ فرمایا، کہ اللہ سے ڈرو، تم اس حد کو پھلانگ رہے ہو، جس سے واپس آنا بھی ممکن نہ ہو گا، اور تم ایسی گرفت میں آ جاؤ گے، کہ جس سے بچ نکلنا بھی تمہارے بس میں نہ ہو گا۔ میرے مہمانوں کے ساتھ، برائی کا ارادہ ظاہر کر کے، تم نے بدتمیزی کی حد کر دی ہے۔ میں تو تمہاری بھلائی چاہتا ہوں، اور تم مجھے رسوا کر رہے ہو۔

حاصل : حق کی ادائیگی کے لئے جو لمحات میسر ہوں، ان کے خاتمے تک، حق کی ادائیگی کو جاری رہنا چاہئے۔ اتمامِ حجت، اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے۔ عبداللہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنّت کا ادب کرے اور جلد بازی نہ کرے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ کہنے لگے، کیا ہم نے آپ کو اوروں کی حمایت سے منع نہیں کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ کو یہ جواب دیا، جس رسوائی کا آپ ذکر کر رہے ہیں، یہ رسوائی آپ کی آوردہ ہے۔ ہم نے تو آپ کو واضح طور پر منع کیا تھا، کہ ہم اپنی قوم کے علاوہ لوگوں کے ساتھ جو بھی کریں، آپ کسی مظلوم کی حمایت نہیں کریں گے۔ ہم اوروں کو رُسوا کرنے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔ جو جہان کی حمایت کو اپنا حق جانے گا، اس کے ساتھ ہمارا رویہ کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے۔

حاصل : ظالم لوگ، بے حیائی کے ارتکاب کو بھی اپنے تعارف کا حصہ بنا لیتے ہیں، اور اپنی قوم کی بڑائی ثابت کرنے کے لئے اپنی قوم کے پاک لوگوں کو حق کی تائید سے روک دیتے ہیں۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ فرمایا، یہ سب میری بیٹیاں ہیں، اگر تمہیں کرنا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی طرف سے، اپنی قوم کے لئے جو کچھ فرمایا گیا، اس کا آخری حصہ یہ ہے، کہ قضائے شہوت کے لئے اللہ کی مقرر کی ہوئی راہ کو اختیار کرو۔ عورتیں بھی صرف قضائے شہوت کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، ازدواجی زندگی کا منشاء بقائے نسل ہے، اور اگر قضائے شہوت ہی کرنی ہے، تو عورتوں سے کرو، یہ تمہارے پاس موجود ہیں۔

حاصل : جس کو غلط راہ سے روکا جائے، اس کو صحیح راہ دکھانی بھی ضروری ہے، ورنہ بات ادھوری رہ جاتی ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ آپ کی عمر کی قسم، وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے ہیں۔

اظہارِ محبت میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے، کہ ان بےحیالوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کو سن کر آپ کا مذاق اڑایا۔ قوت کے نشے میں یہ لوگ بدمست ہو رہے تھے۔ شہوت پرستی نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔ اللہ کے رسول کو ان کے انجام سے آگاہی تھی۔ وہ اپنی طرف سے پورا پورا حق ادا کر رہے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کو استکبار میں گنوایا جا رہا ہو، تو مستی میں اندھے ہو جانے کے علاوہ، راستہ ہی کون سا رہ جاتا ہے۔

حاصل : اظہارِ محبت میں قسم تبھی کھائی جائے، جب اللہ تعالیٰ کی معیّت کا شرف ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت کو استکبار میں ضائع کیا جا رہا ہو، تو اس بدمستی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ تو صبح ہوتے ہی انہیں چنگھاڑ نے آ پکڑا۔

وہ لوگ جو بےحیائی کے ارتکاب میں تمام حدود کو پھلانگ گئے تھے، شہوت پرستی میں اندھے ہو رہے تھے اور وہ لوگ جو پاکیزگی کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اللہ کے رسول نے ان کے انجام سے انہیں ضرور آگاہ کر دیا تھا۔ جب پاک لوگ اس بستی سے نکل گئے، اور حکمِ خداوندی کے مطابق محفوظ مقام پر پہنچ گئے، تو اس بستی کو عذابِ الٰہی نے آ پکڑا، پھر وہ طاقت جو ان کی بدمستی کا باعث تھی، انہیں بچا نہ سکی۔

حاصل : عذابِ الٰہی کے سامنے، کسی قوتِ مدافعت کا کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ پھر ہم نے اسے تلپٹ کر دیا، اور ہم نے ان پر سجّیل کی قسم کے پتھر برسائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی پاکیزگی کا مذاق اڑانے والوں کو عذابِ الٰہی میں پکڑ لیا گیا، تو بربادی یوں اس بستی پر مسلط ہو گئی کہ اس کا اوپر، نیچے ہو گیا، او اس کا نیچے اوپر ہو گیا۔ اس خطّہ کے تلپٹ ہو جانے کے بعد، جس میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پاک ساتھیوں کو نکال لیا گیا تھا، عذابِ الٰہی ختم نہیں ہوا، بلکہ اس پر پتھروں کی ایک قسم کی بارش ہوتی رہی، اور کنکروں پتھروں کی یہ بارش اس قدر ہوئی کہ یہ خطّہ ان سے ڈھانپ دیا گیا۔

حاصل : عذابِ الٰہی، جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے، اور مجرمین کی بیخ کنی کے بعد بھی ایک وقت تک

جاری رہتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ بے شک اس میں دھیان کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

دھیان کرنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں، جو کسی واقعہ کو سن کر اس سے درست نتیجہ اخذ کرتے ہیں، اور ان کا اخذ کردہ نتیجہ انہیں حال پر، حق کی احسن ادائیگی میں مدد دیتا ہے۔ اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ بے حیائی خلوت سے شروع ہوتی ہے، بے حیائی کا ارتکاب کرنے والوں سے نرمی برتی جائے تو بے حیائی بڑھتی رہتی ہے، اور بڑھتے بڑھتے جلوت میں آ جاتی ہے۔ طاقت کا استعمال جہاں بھی ہو، خوفِ خدا کے ساتھ ہو تو رخ فلاح کا ہوتا ہے ورنہ خسارے کا ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی، حق کو ماننا فائدہ دیتا ہے۔ اس وقت میں فلاح کی راہ دکھانے والے ضرور موجود ہوتے ہیں۔ انسانی خواہشات پر تعمیر ہونے والا نظامِ حیات، انجام کے اعتبار سے ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

حاصل : کسی واقعہ سے سبق لینا، دھیان کرنے والوں کی طریقت ہے۔ اپنی حیثیت کو قدرتِ الٰہی کے سامنے دیکھ لینے سے اپنا رُخ درست رکھا جا سکتا ہے۔

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ اور بے شک وہ بستی چلتی راہ پر ہے۔

جس بستی پر عذاب نازل ہوا، اور جس میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قبل عذاب نکال لیا گیا، وہ بستی ایسی راہ پر ہے، جو قائم ہے، اس لئے اس راستے سے گزرنے والوں کو مشاہدے کا موقعہ مل سکتا ہے، اور وہ دیکھ سکتے ہیں، کہ قوت کے اعتبار سے ان لوگوں کا مقام کیا تھا، ان کے مساکن کیسے تھے، طرزِ معاشرت کیا تھا، اور اللہ کے رسول کے ساتھ، گستاخی اور بے حیائی کا رویہ رکھنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

حاصل : آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر اسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے، کہ مکذّبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ بے شک اس میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔

آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر لوگ اپنی اپنی سوجھ کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہیں۔ جزا کا انکار کرنے والے اسبابِ عذاب کو حفاظتی تدابیر میں کوتاہی کے مقام پر دیکھتے ہیں، اور اپنے ہاں ہونے والی برائی کو مزید تقویت دینے لگتے ہیں۔ جزا پر یقین رکھنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ اتمامِ حجّت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے، تو عبرتناک انجام پیچھے آنے والوں کے لئے بڑی نشانی کا درجہ رکھتا ہے، یہ نشانی بندے کو اپنے رخ کے ٹھیک رکھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

حاصل : مومنین کا زاویۂ نگاہ درست ہوتا ہے، اس لئے ان کا مشاہدہ صحیح ہوتا ہے۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ اور بے شک بَن والے ظالم تھے۔

بن والے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے۔ ان کا چلن یہ تھا، کہ لوگوں کو ان کی اشیاء میں گھاٹا دیتے تھے۔ ناپ اور تول کو پورا نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا تو انہوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی، اور حق کو ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ جن لوگوں کو خلاف حق کرنے میں راحت ہو، وہ حق کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

حاصل : خلاف حق کرنا ظلم ہے، اور ظالم کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور بے شک وہ دونوں بستیاں کھلے راستے پر پڑتی ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حق کی تکذیب کی، اور اللہ کے رسول کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ انہوں نے یہ بھی کہا، کہ اگر آپ اور آپ کے ساتھی ہماری ملت میں لوٹ آئیں، تو آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں حق کی تکذیب سے کراہت ہوتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جس عذاب سے اپنی قوم کو آگاہ کیا تھا، وہ اس قوم پر پڑ گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بربادی کے آثار، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بربادی کے آثار، راستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ ان آثارِ قدیمہ میں درسِ عبرت موجود ہے۔ اس عبرت سے فائدہ مومنین ہی اٹھاتے ہیں۔

حاصل : جب اللہ انتقام لینے والا ہو، تو پھر خسارے سے بچ جانا ممکن ہی نہیں رہتا۔ حال پر اصلاح کو قبول کرنے سے ہی بھلائی حاصل ہو سکتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النّحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾

تمہارا معبود ایک معبود ہے، تو وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل منکر ہیں، اور وہ استکبار کرنے والے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ اور بے شک حِجر والوں نے مرسلین کی تکذیب کی۔

حجر والوں میں حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ ان لوگوں سے پہلے جس رسول کی قوم پر اللہ کا عذاب پڑا تھا یہ ان میں سے بچ رہنے والوں کی ذرّیت تھے۔ یہ لوگ اپنے ماضی کو بھی بھلا بیٹھے، حال پر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا انکار کیا، اور یہ کہا، کہ اگر آپ مرسلین سے ہیں، تو وہ عذاب لا کر دکھائیں، جس کا ڈر آپ سناتے رہتے ہیں۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ ان لوگوں کو ماضی میں مرسلین کی تعلیمات کا پتہ تھا۔

حاصل : مخلصین کا مقصود ایک ہوتا ہے، اس لئے ان کا وجود معنوی اعتبار سے ایک ہوتا ہے۔ حال کا انکار، ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے۔ انتہائی جہالت یہی ہے کہ عذابِ الٰہی کو حق کے ماننے کے لئے شرط بنایا جائے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾

اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں عطا فرمائیں تو وہ ان سے اِعراض کرنے والے ہی ہوئے۔

حجر والوں نے، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو اس طرح دیکھا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھ سکتے تھے، مگر وہ استکبار میں اس طرح مبتلا تھے، کہ حق سے منہ پھیرے رکھنے کا رویہ ان کا معمول رہا۔ اپنی ذات میں، اپنے کمال کے حوالے سے اگر اعتماد بڑھتا رہے، اور اس عروج کے لئے، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب کو اہمیت دینے کی بجائے، اپنی ذات میں خوبی دیکھنے کو اپنا معمول بنالیا جائے، تو حق سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

حاصل : نورِ ہدایت کے لئے نشانیاں ضرور عطا ہوتی ہیں۔ حق سے اِعراض کرنے والے نامراد ہی رہتے ہیں۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾

اور وہ پہاڑوں میں، آسانی کے ساتھ گھر تَراش لیتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، مہارت میں بڑا بلند مقام رکھتی تھی۔ پہاڑوں کو آسانی کے ساتھ تراش کر گھر بنالینا، ان کی قوت، ان کے فن، اور ان کی بنائی ہوئی چیزوں کے دیرپا ہونے کا ثبوت ہے۔ مضبوط عمارات بنانے والوں کو یہ زُعم ہو جائے کہ عذابِ الٰہی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، تو اس سے بڑی غلط فہمی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : اپنی قوت کو، اپنے فن میں مہارت کو، اور اپنی تخلیق میں خوبی کو، دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، ورنہ غرور کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

تو صبح ہوتے، انہیں چنگھاڑ نے آ لیا۔

ثمود پر صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ کی صورت میں عذاب آیا، اور یہ لوگ بجھ کر رہ گئے۔ ان کی قوت، اللہ کی قوت کے سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔ ان کا علم، اللہ کے علم کے سامنے کیا حقیقت رکھتا تھا۔ عذاب کرنے والے وحدہٗ لاشریک کی ایک آواز نے، وہ ارتعاش پیدا کیا، کہ کسی بھی مقام پر اعتدال باقی نہ رہا۔

حاصل : جس کے علم سے اعتدال قائم رہتا ہے، اس کی ایک آواز اسے ختم کرنے پر قادر ہوتی ہے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

پھر انہیں کچھ کام نہ آیا، جو کسب وہ کرتے تھے۔

وہ مستحکم عمارات، وہ جسمانی قوت، اور وہ اسباب و وسائل جو ثمود کا طرۂ امتیاز تھے، ان میں سے کچھ بھی عذابِ الٰہی کے سامنے ڈھال نہ بن سکا۔ ایک آواز نے ان لوگوں کا کام تمام کر دیا۔

حاصل : اسباب پر انسان کا اختیار بڑے محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ کا اختیار ماضی میں بھی تھا، حال پر بھی ہے، مستقبل میں بھی ہو گا۔ اسباب کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ مالکِ کل راضی ہو، فلاح کی صرف یہی صورت ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

اور ہم نے ارض و سماوات کو اور جو ان کے درمیان ہے محض حق کے ساتھ خَلق فرمایا ہے۔ اور ساعت یقیناً آنے والی ہے۔ تو ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے یوں خَلق فرمایا ہے، کہ سب مقامات حق سے منور ہیں۔ جو کسی مقام پر خلافِ حق کرنے کا مرتکب ہو گا، وہ گرفت سے بچ کر کہاں جائے گا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد قیامت یقیناً آنے والی ہے، پھر ہر ایک کو اس کے کیئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ ہر ایک اس وقت کی طرف بڑھ رہا ہے، جس میں اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو گا۔ لوگوں سے اچھی طرح درگزر کرنے کی اعلیٰ اور احسن صورت وہی ہے، جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی بھی مقام پر موجود ہے۔ حق کی ادائیگی کے ساتھ اجر کا سوال نہ ہو، اور اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کو باذنِ اللہ جانا جائے، تو درگزر کرنے کا حق ادا ہو جائے گا، اور شاہدین کی طریقت کے مطابق ادا ہو جائے گا۔

حاصل : مقام کوئی ہو، حق کو ادا کرنا شانِ عبدیت ہے۔ ہر ایک جزا کے دن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ درگزر کرنا تعلق معَ اللہ کو ثابت کرتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

بے شک تمہارا ربّ بڑا پیدا کرنے والا، علم

والا ہے۔

بعثَ بعد الموت کو ناممکن جاننے والوں پر واضح فرمایا جارہا ہے، پہلے بھی اللہ نے خَلق فرمایا ہے، اسے پھر بنانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بڑی کیا تخلیق ہو سکتی ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی شے کا خَلق فرمانے والا، اس شے کے منشاء تخلیق کا جاننے والا ہے، اس کے اجزاء ترکیبی کو جاننے والا ہے، اس شے کے افعال کو جاری رکھنے والا ہے، اس شے کے تسلسل کو جاری رکھنے والا ہے۔ یہ علم اللہ کی شان کے لائق ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل : بعثَ بعد الموت کا یقین رکھنا چاہئے۔ اللہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہوتا، یہ یقین ہمارے عمل سے ظاہر ہونا چاہئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾

اور ہم نے آپ کو سات دُہرائی جانے والی آیتیں اور قرآنِ عظیم عطا کیا۔

اللہ تعالٰی کی عطائے بے بہا کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ سات دہرائی جانے والی آیتیں، سورۃ فاتحہ کی ہیں۔ یہ سات آیتیں نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اظہارِ عبدیت کا علم، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے، اور یہ علم بھی اللہ تعالٰی کا عطا کردہ ہے۔ بندے کا منشاء تخلیق تبھی پورا ہو سکتا ہے، جب وہ اپنے خالق کی رضا کے لئے اپنے قول کو سدید بنائے، اور اپنے قول کو سدید بنانے کے لئے سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں کو دہراتے رہنا ضروری ہے۔ ان سات آیتوں کے پڑھنے سے جو جو حق پڑھنے والوں پر عاید ہوتے ہیں، ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، مگر ان آیتوں کا بار بار پڑھا جانا بھی ضروری ہے۔ مومنین کے ہاں جب بھی کچھ پڑھا جائے، سورۃ فاتحہ اس کا جزوِلازم ہو، اس سے اللہ کی رحمت اور اس کی برکات شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ سورۃ فاتحہ کی سات آیات، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ ہیں۔

حاصل : سورۃ فاتحہ کو کثرت سے پڑھتے رہنا چاہئے۔ قول درست ہو، تو عمل درست ہوتا ہے، اور قول تبھی درست ہوتا ہے، جب ان سات آیتوں کو بار بار پڑھا جاتا رہے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

اُس متاع کو نظر میں نہ لایئے، جو ان میں سے کچھ لوگوں کو دی گئی ہے، اور نہ اُن کا غم کھایئے۔ اور مومنین کے لئے اپنے پہلو کو جھکایئے۔

کافروں کو جو متاعِ حیاتِ دنیا میں حاصل ہوتی ہے، اس متاع کو خلافِ حق استعمال کرنے میں وہ کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ اس عمل کے منفی نتائج بھی دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ اسی عطا کو اگر حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو بڑے لوگوں کی بھلائی ہو

سکتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے، اسی متاع کو جو انہیں حاصل ہوتی ہے، عنداللہ صاحبِ مقام ہونے کی سند جانتے ہیں، جو قطعاً درست نہیں۔ متاع کو معلمِ کتاب و حکمت کے اتباع میں استعمال کیا جائے، تو یہ ضرور عنداللہ مقبول ہونے کی سند ہے۔ منکرینِ حق کا غم کھانے میں جو قوت صرف ہو رہی ہو، اسے مومنین کی بھلائی کے لئے استعمال ہونا چاہئے۔ مومنین کے مسائل ذاتی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے ہوں، وہ اصلاح کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، اس لئے ان کی خدمت بہت بڑا کام ہے۔

حاصل : وہ متاع جو خلافِ حق استعمال ہو رہی ہے، اپنے استعمال کرنے والے کے لئے خسارے کا باعث ہی ہوتی ہے۔ منکرینِ حق کا غم کھانے کی بجائے مومنین کی خدمت کرنی چاہئے۔

وَقُلْ إِنِّيٓ أَنَا ٱلنَّذِيرُ ٱلْمُبِينُ ﴿٨٩﴾

فرما دیجئے میں تو صریحاً ڈر سنانے والا ہوں۔

حق کو پہنچا دینا بہت بڑا کام ہے۔ حق کے انکار کی صورت میں کن نتائج کا سامنا ہو گا، ان کو واضح کرنا، نذیر کی شان کے لائق ہے۔ کوئی انذار سے فائدہ اٹھائے تو اسی کا بھلا ہو گا، کوئی فائدہ نہ اٹھائے تو خسارے میں بھی وہی پڑے گا۔

حاصل : حق کی ادائیگی کے بعد، حاضرین، ناظرین سے اپنا تعلق واضح کر دینا چاہئے۔ جو اصلاح کو قبول نہ کرے وہ مصلح سے اپنا راستہ الگ کر لیتا ہے، یہ دوری دوزخ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾

جیسا کہ ہم نے بانٹنے والوں پر نازل فرمایا۔

یہ سابقہ امتوں کا ذکر ہے، جنہوں نے حکمِ خداوندی کو اپنی خواہشات کے حوالے سے تقسیم کر ڈالا۔ جس بات کو انہوں نے اپنی منشاء کے مطابق پایا، اس کو مان لیا، جس بات کو اپنی منشاء کے خلاف پایا اس کا انکار کر دیا۔ حکمِ خداوندی کی ادب سے تعمیل ہو، تو حقِ بندگی ادا ہوتا ہے، اور حکمِ خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرنے والے، خود ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔

حاصل : حکمِ خداوندی کو کبھی اپنی پسند کے تابع بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ایسا کرنے والوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

ٱلَّذِينَ جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ ﴿٩١﴾

جنہوں نے کلامِ الٰہی کے حصے بخرے کر دیئے۔

جن لوگوں نے کلامِ الٰہی کو اپنے شاہد کے حوالے سے نہیں پڑھا، وہ کلامِ الٰہی کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھا کرتے ہیں۔ وہ اس کے بعض حصوں کو مانتے ہیں، اور اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ کلامِ الٰہی اس لئے سند کا درجہ رکھتا ہے کہ وہ علیمِ مطلق کا ارشاد ہے۔ جو اس کے حصے بخرے کرنے کا رخ اختیار کرے وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کے کسی جُز کا انکار، کُل کا انکار ہو گا۔ ماننے کی ایک ہی صورت ہے، کہ شاہد کے حوالے سے مانا جائے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۲﴾

تو آپ کے رب کی قسم، ہمیں اُن سے پوچھنا ہے۔

جن لوگوں نے کلامِ الٰہی کے حصے بخرے کئے، بعض کو مانا اور بعض کا انکار کیا، ان سے قیامت کے دن ان کے اس رویئے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ توفیق دینے والا پوچھے گا، کہ حق کو چھپانے، اور اپنی اغراض کے لئے تحریف کرنے سے تمہیں کیا ملا۔ جب پوچھنے والا وہ ہو، جس سے کچھ مخفی نہیں ہو سکتا، اور جس کے حکم سے انسانی اعضا بھی گواہی دینے لگیں گے، کہ انہیں کس طرح استعمال کیا گیا تھا، تو پھر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس پوچھ کو یاد رکھا جائے ، اور اس آگاہی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

حاصل : اپنے رویئے کے متعلق یہ یقین ہو، کہ ہمیں اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، تو حسنِ عمل برقرار رہتا ہے۔

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

جو عمل وہ کرتے تھے۔

جس نے خلافِ حق کیا، وہ اپنے منشاء تخلیق کا انکار کرتا رہا، اس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، اس نے بھلائی کے بدلے برائی خریدی، ہدایت اور سُکھ کے مقابل اس نے خوف و حزن کا راستہ اختیار کیا۔ خلافِ حق کرنے والے نے جو بھی کیا، اس کے ہر عمل میں استکبار ضرور موجود تھا۔

حاصل : شیطان کے قُرب سے بچنے کی ایک صورت ہے، کہ استکبار ہمارے کسی عمل میں نہ ہو۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾

تو کھول کر بیان کر دیجئے، جس کا آپ کو اَمر ہوا ہے، اور مشرکین سے اِعراض کیجئے۔

حکمِ الٰہی کو کھول کر بیان کرنا، اسی کی شان کے لائق ہے، جو اس پر منشاء ایزدی کے مطابق عمل کر رہا ہو۔ امرِ الٰہی کی تعمیل کرنے والے کو اگر رہنما مان لیا جائے، تو راستے کی تمام مشکلات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ ادب کا رشتہ استوار کرنا چاہئے۔ مشرکین حق کو جان کر بھی خلاف حق کرنے سے باز نہیں آتے، اس لئے ان سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔

حاصل : حق کو وہی کھول کر بیان کر سکتا ہے، جو صاحبِ حال ہو۔ مشرکین، جاہل ہوتے ہیں، ان سے اِعراض کرنا عطائے الٰہی کو صحیح محل پر استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾

بے شک ان استہزا کرنے والوں پر، ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے، حق کا مذاق اڑانے والے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے، کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جو کچھ کر رہے ہیں، تبلیغِ حق کرنے والے پر اس کا بڑا ناگوار اثر ہوتا ہے، مگر اس کا راستہ یہی ہے کہ وہ مشرکین سے اعراض کرے۔ اللہ تعالیٰ استہزاء کرنے والوں کو ان کے کئے کی پوری پوری جزا دینے کے لئے کافی ہے۔

حاصل : جاہل، تبلیغِ حق کرنے والے کا انکار کرتے کرتے جب اس کا مذاق اڑانے لگیں، تو وہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آنے والے ہوتے ہیں۔

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ تو انہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

تبلیغِ حق کرنے والے کا مذاق اڑانا، مشرکین کا کام ہے۔ یہ لوگ اللہ کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر ان کا ماننا شاہد کی طریقت کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ یکسوئی انہیں کبھی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس کے بعد انہیں معلوم ہو جائے گا، کہ وہ صریحاً خسارے میں جا پڑے ہیں۔ مگر پھر اصلاح کو قبول کرنے کی مہلت نہیں ہوگی۔

حاصل : حق کا مذاق اڑانے والے ہمیشہ مشرک ہوتے ہیں۔ خسارہ انہیں جلد ہی گھیر لیتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

اور بے شک ہمیں علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کو کوفت ہوتی ہے۔

کافروں اور مشرکوں کی باتیں، طعن و استہزاء سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ ان سے نقصان بھی انہی کا ہوتا ہے، مگر جس ذات بابرکات کا منشاء لوگوں کی بھلائی ہو، اس کو لوگوں کا خسارے میں پڑنا، دکھ دیتا ہے۔ اگر فلاح پانے والوں کو دیکھ کر راحت ہو، تو خسارے میں مبتلا ہونے والوں کو دیکھ کر دکھ بھی ضرور ہوتا ہے۔

حاصل : تبلیغِ حق کرنے والے کی نشانی کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اس کو جہالت سے کوفت ہوتی ہے، مگر وہ

جاہل کی بھلائی چاہتا ہے۔ جاہل، جہالت کے اظہار سے، اپنے آپ کو کاری ضرب لگالیتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾

تو حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کیجئے اور ساجدین سے ہو جیئے۔

مشرکوں کی تکلیف دہ باتوں کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے، حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کرنا اور نماز قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ ذکر کرتے رہنا ہر وقت فائدہ مند ہوتا ہے، مگر جاہلوں سے واسطہ ہو، توان سے اعراض کرنے کے بعد ذکر کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر ذکر کرنے سے شاہدین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے، ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے شاہدین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اس ساتھ کی حقیقت فلاح ہے۔

حاصل : امرِالٰہی کی تعمیل سے جو تائید حاصل ہوتی ہے، اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

ع وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

اور اپنے ربّ کی بندگی کرتے رہئے، حتیٰ کہ مقامِ یقین آ پہنچے۔

جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے اور فضول باتوں میں اپنا وقت گنواتے رہتے ہیں، یہ لوگ یومِ الدّین کو جھٹلاتے رہتے ہیں۔ جزا کا انکار کرتے کرتے یہ لوگ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتے ہیں۔ جب موت سامنے آتی ہے تو حق کا یقین آ جاتا ہے، مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہیں دیتا۔ پاک لوگوں کو حکم ہے، کہ اپنے ربّ کی بندگی کرتے رہئے، اسی بندگی میں اپنا وقت تمام کیجئے، اور حالتِ اسلام میں اس دنیا سے رخصت ہو جئیے۔

حاصل : بندگی میں بندے کی شان ہے۔ اللہ کی بندگی ہمہ وقت ہونی چاہئے، اور تاحیات جاری رہنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں، کہنے لگے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے، یا ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیں،

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾

بے شک ان لوگوں نے اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے، وہ دن مجرموں کی خوشی کا نہ ہو گا، اور کہیں گے، ہم میں ان میں کوئی آڑ ہو جائے رکی ہوئی۔

آیاتھا ۱۲۸ — سُوْرَةُ النَّحْلِ — رکوعاتھا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا امر آیا ہی چاہتا ہے، تو اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اُن سے جنہیں اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

کافروں نے بطریقِ تکذیب و استہزاء، عذابِ الٰہی کو طلب کیا، توانہیں یہ جواب دیا گیا، کہ وہ آیا ہی چاہتا ہے، اس کے لئے جلدی نہ کرو، اس کے آجانے سے تمہیں خسارہ ہی ہو گا۔ تم یہ تو مان لوگے، کہ تم جو کچھ کرتے تھے وہ خلافِ حق تھا، مگر تمہیں اس وقت کا ماننا نفع نہ دے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، وہ اللہ کے امر کو ٹال نہیں سکتے، وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا بھی نہیں سکتے، پھر کس زُعم میں تم خلافِ حق کرتے چلے جارہے ہو۔

حاصل : عذابِ الٰہی کو طلب کرنے والے کبھی عقل مند نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ، تعیّن سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس کی قدرت ہر مقام کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کے احکام کو ادب سے ماننا چاہئے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

ملائکہ کو اپنے امر سے روح کے ساتھ نازل فرماتا ہے، اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے، کہ ڈر سنا دو، کہ میرے سوا معبود کوئی نہیں، تو مجھ سے ڈرو۔

کافر یہ کہتے تھے، کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترتے، اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ فرشتوں کے نزول کا فیصلہ علمِ الٰہی سے ہوتا ہے، اس سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا۔ مقام نزول، احکامِ الٰہی یہ دونوں انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ کس ذاتِ بابرکات پر نزول ہو گا، اور بے حقیقت اور مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے کیا درکار ہے، علیمِ مطلق سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ بندوں میں سے ایک بندے کا انتخاب اور حسبِ حال روح پرور کلام، یہ دونوں کام اللہ کے ہیں۔ فیصلہ کرنے والا، سب سے بڑے علم والا ہے، اس لئے فیصلہ قطعاً واجب الاحترام ہے۔ کلام روح پرور ہے۔ جس کو باحقیقت ہونا مطلوب ہو، اس کے لئے یہ ہدایت و رحمت ہے۔ ہر رسول نے ایک ہی مقصد کے لئے حقِ رسالت ادا کیا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی توفیق دینے والا ہے، وہی جزا دینے والا ہے، ڈرنا صرف اسی سے حق ہے۔ مقصد کی یہ وحدانیت بھی، اللہ کے

رسول کی ایک نشانی ہے۔ رسول اللہ ہی یہ علم عطا کرنے والے ہوئے، کہ اظہارِ عبدیت کیسے ہو۔ رسول اللہ ہی نے یہ بتایا کہ اللہ سے ڈرنے والے، کسی دوسرے کی قدرت کو وقعت ہی نہیں دیتے اور بالکل یکسو رہتے ہیں۔

حاصل : اللہ کے فیصلے کو بہترین ماننا، ایمان باللہ کا ثبوت ہے۔ ڈر سنانے کا حق اسی کو ہے، جس کے سامنے اظہارِ عبدیت میں معیار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو، اور جو اللہ کی قدرت کے سامنے کسی دوسرے کی قدرت کو وقعت نہ دے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خَلق فرمایا۔ وہ ان کے شرک سے برتر ہے۔

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ہر تخلیق سے پہلے اس کا مقصدِ تخلیق ضرور ہوتا ہے۔ خالقِ کل ہونے کا دعویٰ صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ کسی دوسرے نے یہ دعویٰ کیا ہی نہیں۔ جو کچھ اللہ نے بنایا ہے، اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو استعمال کرنے والا راہِ راست پر ہو گا، ورنہ خسارے کی طرف بڑھ رہا ہو گا۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، انہیں یہ گمان ہوتا ہے، کہ جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، وہ انہیں عذاب سے بچالیں گے۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ مقصدِ تخلیق کا تعین تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اس کو بدلنے کی کوشش تو خلافِ حق ہوگی۔ جن کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ توفیق دینے والے نہیں ہوتے، راہِ عمل کا تعین کرنے والے نہیں ہوتے، جزا دینے والے نہیں ہوتے۔ بے مثل کا شریک ہونا، ناقابلِ تصور ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین ہر مقام پر حق کی ادائیگی، شانِ عبدیت ہے۔ بے مثل کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

اس نے انسان کو نطفے سے خَلق فرمایا، تو جبھی وہ جھگڑنے والا، بولنے والا ہو گیا۔

انسان کو پیدا کرنے والا ہی بتا سکتا ہے، کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اس نے یہ فرمایا ہے، کہ انسان کی پیدائش نطفے سے ہوئی۔ نطفہ بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ اس کو بہت سے مدارج سے گزارا۔ اس کو شعور نصیب ہوا، اسے ارادہ کرنے کی صلاحیت دی گئی، سمجھنے اور سمجھانے کی قوت دی گئی، اور ہوتے ہوتے وہ یہاں تک پہنچا کہ اپنے پسندیدہ نظریات کو بنیاد بنا کر جن کی اس کے پاس کوئی سند بھی موجود نہیں ہوتی، جھگڑا کرنے لگتا ہے۔ بَعث بعد الموت کو بعید از قیاس بتلاتا ہے، حق کے اس حصے کو درست بتلاتا ہے، جس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہو، اور اس حصے کو غلط کہتا ہے، جس سے اس کے ذاتی نظریات بے حقیقت ثابت ہوتے ہوں۔ اگر انسان اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل پر غور کرے تو جن باتوں کا وہ انکار کر رہا ہوتا ہے، ان تمام مراحل سے اس کی ذات گزر چکی ہوتی ہے۔

حاصل : جب بات حق کے مطابق نہ کی جائے گی، تو اللہ کی عطا کردہ توفیق خلافِ حق ہی استعمال ہو گی۔ بے سند بات پر اڑ جانا جھگڑالو کی نشانی ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٥﴾

اور تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے پوشاک ہے، اور منافع ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو۔

انسان کی تجویز سے اس کی زندگی میں یہ سہولتیں نہیں آئیں۔ خالقِ کل کے علم کی شان ہے، کہ اس نے انسان کے سکھ کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے ہیں، مثلاً گرم لباس سردیوں میں انسان کی ایسی ضرورت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مفید گرم پوشاک وہی ہے، جو اللہ نے انسان کے لئے پسند کی ہے۔ جانوروں کے فضلات کے علاوہ بھی ان سے کئی طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بہت سی ایسی چیزیں کھا جاتے ہیں جو اگر وہ نہ کھائیں، تو ان چیزوں کی موجودگی بڑی تکلیف دہ ہو جائے۔ پھر کچھ جانور انسانی خوراک کا حصہ بھی ہیں۔ لباس و منافع اور خوراک تو اللہ نے دی ہے، اور ان نعمتوں کا استعمال اس علم سے ہو، جو حق کے انکار سے شروع ہو کر حق کے انکار پر ختم ہوتا ہے، پھر اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہو گی۔

حاصل : وہ اشیاء استعمال کرنی چاہئیں جو اللہ نے ہمارے لئے بنائی ہیں اور جن کا اس نے ذکر کیا ہے۔ اونی لباس پہنا جائے، جانوروں سے منافع حاصل ہوں، ان کا گوشت نصیب ہو، ہر موقع پر اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ شکریہ تبھی ادا ہو گا، جب کسی نادار کو بھی حاصل شدہ آسائشوں میں حصہ دار بنایا جائے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿٦﴾

اور اُن میں تمہارے لئے جمال ہے، جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو، اور جب انہیں چرانے لے جاتے ہو۔

بیل، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ ایسے جانور ہیں، جو انسان کو طرح طرح کے فائدے دیتے ہیں۔ کچھ سے بالواسطہ خوراک حاصل ہوتی ہے کچھ سے بلاواسطہ خوراک حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسے جانور ہیں، جن کو چرانے کے لئے صبح کو لے جانا پڑتا ہے، پھر شام کو انہیں واپس لایا جاتا ہے۔ ان جانوروں کی تندرستی کے لئے ضروری ہے، کہ انہیں چرنے کا موقع دیا جائے۔ ان کا اکٹھے گھر سے نکلنا، اور شام کو واپس آنا، بہت راحت افزا ہوتا ہے۔ اس میں انسانوں کے لئے جمال ہے۔ آبادی اگر بہت بڑی ہو جائے گی، تو اس کے غیر طبعی ہونے کی وجہ سے مسائل بھی پیدا ہوں گے، اور جب یہ مسائل بڑھتے جا رہے ہوں تو انسانوں کا رویّہ اس سے یقیناً متاثر ہو گا۔

حاصل : انسانوں کی آبادی کے ساتھ چراگاہ کا ہونا ضروری ہے، جہاں پالتو اور چرنے والے جانوروں کو

چرایا جاسکے۔ انہیں صبح چرنے کے لئے لے جایا جائے، شام کو واپس لایا جائے۔ انہیں جانے کے وقت، اور واپس آتے وقت ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں، مثلاً راستہ کھلا اور آسان ہو، انہیں خوف زدہ نہ کیا جائے، اور رات بسر کرنے کے لئے موزوں بندوبست ہو۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

اور وہ تمہارے بوجھ اس مقام تک لے جاتے ہیں، جہاں تک تم اپنے انفس کو مشقّت میں ڈال کر ہی پہنچ سکتے تھے۔ بےشک تمہارا رب بڑا مہربان، رحم والا ہے۔

انسانی زندگی کے لوازمات میں سے سفر بھی ہے۔ سفر کے لئے سامانِ سفر بھی ہوتا ہے۔ سفر کا سامان اٹھا کر سفر کیا جائے، تو بوجھ اٹھا کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے والے ذریعے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ وہ جانور جو انسان کو اس کے سامان کے ساتھ، بسہولت، مطلوبہ مقام تک پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وہ قوت، وہ وقت اور وہ سرمایہ، جو ان بوجھ اٹھا کر لے جاتے والے جانوروں کی بدولت بندے کو حاصل ہو، اس کے لئے اپنے رب کی مہربانی اور اس کے رحم کی قدر کرنی چاہئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی عطا کی قدر کرنی چاہئے۔ بوجھ اٹھانے والے جانوروں سے خدمت لیتے وقت، مہربانی اور رحم کرنے والے رب کو یاد رکھنا چاہئے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

اور گھوڑے اور خچّر اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے۔ اور پیدا کرتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔

گھوڑے، خچر اور گدھے، انسان کی سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ جب ان جانوروں کو سواری اور زینت کے لئے استعمال کیا جائے، تو معطیٔ مطلق کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔ ان جانوروں پر زیادہ بوجھ نہیں لادنا چاہئے، کہ پھر ان کا ستعمال ان کے منشاء تخلیق کے مطابق نہیں ہو گا۔ انسان کی کچھ ضرورتیں اس کے علم میں ہوتی ہیں، اور کچھ ضرورتیں ایسی بھی ہوتی ں، جو انسان کے نظام زندگی کو درست رکھنے کے لئے، علمِ الٰہی کے حوالے سے ضروری ہوتی ہیں، مگر انسان کو ان کا علم نہیں تا۔ ان ضرورتوں کا علم ہوتا ہی اللہ کو ہے، اس لئے ان کو پورا کرنے کے لئے، اللہ ہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ انسانی زندگی کا یہ سہ، شعور والوں کو نظر آتا ہے۔ پھر بھی اپنے اور اپنے خالق و مالک کے مابین رشتے کا احساس نہ ہو، تو اس سے بڑی خود فریبی کیا ہو

حاصل : جن جانوروں کو سواری اور زینت کے لئے بنایا گیا ہے، ان پر زیادہ بوجھ لادنا بے جا ہے۔ انسان کو اپنی اُن ضرورتوں پر بھی غور کرنا چاہئے، جو باقاعدگی کے ساتھ پوری ہو رہی ہیں، اور جن کو پورا کرنے کے لئے، انسان کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے یہ احساس بڑھتا جائے، کہ ہماری زندگی کے توازن کو قائم رکھنے والا ہمارا ربّ ہے، اس کے قُرب کی طلب بھی بڑھتی چلی جائے گی۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩﴾

اور سیدھی راہ اللہ تک پہنچتی ہے، اور بعض راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

انسان کو پیدا کرنے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ راہِ عمل کے انتخاب میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی اختیار کے استعمال سے انسان اپنے درجے اور مقام کا تعیّن کرتا ہے۔ سیدھی راہ ایک ہی ہے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو، اس طرح استعمال کیا جائے کہ دنیا و آخرت میں فلاح ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ شرک نہ کیا جائے، والدین کے ساتھ حسن واحسان کا رویہ رکھا جائے، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کیا جائے، کھلی اور چھپی بےحیائیوں سے اجتناب کیا جائے، جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارا جائے، یتیم کے مال کی خوب حفاظت کی جائے اور وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اسے اس کا مال عزت واحترام کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں واپس کیا جائے، اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھا جائے، کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، جب بات کی جائے تو عدل کیا جائے، اگرچہ معاملہ کسی رشتہ دار کا ہو، اور اللہ کے عہد کو بہرحال پورا کیا جائے۔ یہ سیدھی راہ ہے جو اللہ تک لے جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جتنی راہیں ہیں، ان سے انسان بہ رضا و رغبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جارہا ہوتا۔ وہ سب راہیں کج ہیں۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اگر سب کو ہدایت دے دیتا تو یہ اسے مشکل نہیں تھا، مگر پھر درجات اور بلندیاں سب بے معنی ہو جاتیں۔

حاصل : سیدھی راہ پر چلنے والے فلاح پاتے ہیں۔ کج رَو کبھی راہِ راست پر چلنے والوں کے برابر نہیں ہوتے۔ انسان کے اختیار میں اس کی شان ہے، اس لئے اختیار کو جزا دینے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزّمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ لِلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر لوگوں کی ہدایت کے لئے حق کے ساتھ نازل فرمائی، تو جس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کو اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا، اور آپ ان پر وکیل نہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان

مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠

سے پانی اتارا، اُس سے پیتے ہو، اور اُسی سے درخت ہوتے ہیں، جن سے چراتے ہو۔

انسانی ضروریات کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے، کہ تمہارے پینے کا پانی بھی اللہ کا دیا ہوا ہے، جن درختوں میں تمہارے جانور چرتے ہیں، وہ درخت بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اور وہ پانی جس کے ذریعے سے وہ زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں، وہ پانی بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ایسے اہتمام ہیں، کہ اللہ کے علاوہ کوئی مہتمم ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ اور پانی وہ نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی ناقابلِ تصور ہے، اور یہ نعمت عطا کرنے والے کی شان ہے کہ وہ کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، یہی چاہتا ہے کہ نعمت کا استعمال بہترین علم سے ہو۔

حاصل : بارش کے پانی کو انفرادی طور پر جمع کیا جائے، یا کسی آبادی کے لئے اسے محفوظ کر لیا جائے، پینے کے لئے اس سے بہتر کوئی پانی نہیں ہو سکتا۔ پانی کا استعمال اس طرح ہونا چاہئے، کہ بلا ضرورت اس کے ضائع کرنے کو جرم سمجھا جائے۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١

اُسی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور سب ثمرات پیدا کرتا ہے، تفکّر کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً نشانی ہے۔

اللہ نے پانی کو یہ شرف بخشا ہے، کہ ہر پودے کی خوراک کی تیاری سے لے کر، اس کے پھل کے تیار ہو جانے تک، پانی کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ کھیتی کی صورت میں جڑیں گہری نہیں ہوتیں، زیتون کی جڑیں زمین کی ایک خاص سطح سے خوراک حاصل کرتی ہیں، کھجور بہت نچلی سطح سے خوراک حاصل کرتی ہے، انگور کی جڑ بھی ایک خاص حد تک ہی جاتی ہے، باقی سب پھل بھی پانی کے ذریعے ہی اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں اور پکتے ہیں۔ تفکّر کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ ہر نوع نباتات کی خوراک کو زیرِ زمین ایک خاص سطح پر رکھا گیا ہے۔ اس نوع کے پودے کی جڑیں، اسی سطح پر پہنچتی ہیں، اور پانی کے ذریعے اپنی مطلوبہ خوراک حاصل کرتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ایک ہی سطح سے خوراک حاصل کرنے والے پودے کا پھل شکل و صورت میں، رنگ و بو میں، ذائقے اور خواص میں اپنی الگ الگ شناخت کا حامل ہو۔ ہر نوع کی ضروریات مخصوص ہوتی ہیں۔ جس کے علم سے ان ضروریات کا تعیّن کیا گیا ہے، اسی خالقِ کل اور لاشریک کے علم سے ان ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ تفکّر کرنے والے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں، کہ نظامِ کائنات میں ربط و توازن صرف علیمِ مطلق کے علم کے بدولت ہے۔ جہاں بھی کوئی علم اس کے خلاف رخ اختیار کرے، انسانوں کو اس سے دکھ ہی ملتا ہے۔

حاصل : نظامِ کائنات میں ربط و توازن، علیمِ مطلق کے علم کی بدولت ہے۔ علیمِ مطلق کے سامنے اپنی

علمی سطح معلوم ہو تو ذاتی دکھ بھی نہیں بڑھتا، اجتماعی دکھ بھی نہیں بڑھتا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫

اور اُس نے تمہارے لئے لیل و نہار اور شمس و قمر کو مسخّر کیا۔ اور ستارے اُس کے امر سے مسخّر ہیں۔ اس میں عقل والے لوگوں کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔

لیل و نہار کی اہمیت انسانی زندگی میں قطعاً واضح ہے۔ رات اور دن متواتر امرِالٰہی کے مطابق ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ رات کو آرام کے لئے اور دن کو کام کے لئے موزوں کیا گیا ہے، موسموں کے تغیر کے ساتھ کبھی راتیں بڑی ہو جاتی ہیں کبھی دن بڑے ہو جاتے ہیں، ایک مکمل مضبوط اور مربوط نظام کے تحت، رات اور دن، ہماری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ شمس و قمر بھی اجلِ مسمّٰی تک ہماری خدمت کے لئے مسخّر کر دیئے گئے ہیں۔ امرِالٰہی کے مطابق سورج اور چاند اپنے اپنے وقت پر ان خدمات کو پوری طرح سرانجام دے رہے ہیں، جو ان کے سپرد کی گئی ہیں۔ حرارت و برودت کے وہ درجات جو زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہیں، اللہ ہی کے امر کے تابع ہیں۔ ستاروں کے اثرات، نباتات و حیوانات پر ہوتے ہیں۔ انسان کے علم میں ہے کہ ستارے اپنی روشنی سے پودوں کو زمین کے ساتھ اپنا تعلق درست کرنے میں مدد دیتے ہیں، اور یہ کام صرف ستاروں کی روشنی میں ہی ہو سکتا ہے۔ علیم مطلق نے جو جو بندوبست کئے ہیں، ان کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ عقل والوں کو جب پتہ چلتا ہے، کہ ان کی زندگی کے عمل پر کس ایک کام کے ساکن ہو جانے سے کیا کیا اثرات پڑ سکتے ہیں، تو وہ اللہ کی قدرتِ مطلق کو مان کر، اپنی پسند کو اس کی رضا کے مطابق بناتے ہیں۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کے نظام کو صرف اور صرف، امرِالٰہی کی تعمیل سے ہی درست رکھا جا سکتا ہے۔

حاصل : عقل والے، لیل و نہار میں، شمس و قمر میں، ستاروں میں، وہ نشانیاں دیکھتے ہیں، جن سے انہیں اپنے رُخ کو درست کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امرِالٰہی کی ادب سے تعمیل ہو تو انسانی زندگی اِس مقام پر آ سکتی ہے، کہ اشیاء سب طالب ہوں اور بندہ ان کا مطلوب ہو۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬

اور وہ جو زمین میں تمہارے لئے رنگ برنگی چیزیں پھیلائیں، اس میں سبق حاصل کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

لیل و نہار، شمس و قمر اور ستاروں کے مسخّر کرنے کے ذکر کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ زمین میں رنگ برنگی چیزیں پھیلانے کا منشاء یہ ہے کہ سبق حاصل کرنے والے، اپنے اپنے مقام پر مصنوع سے صانع کی طرف بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر جو پیدا کیا ہے، اس میں علم و حکمت موجود ہے۔ مثلاً نباتات کی کوئی قسم اگر کسی جگہ کثرت سے پائی جاتی ہے، تو اس کے صحیح استعمال کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے، پرندوں کی کوئی قسم کسی جگہ کثرت سے موجود ہو تو اس کی افادیت کو معلوم کر کے ان کی حفاظت کا

اہتمام کرنا چاہئے۔ علیم مطلق کے پر حکمت اہتمام کو بے علمی سے ضائع کرنے کی راہ اختیار کرنا، سوچنے والوں کی، سبق حاصل کرنے والوں کی نشانی نہیں ہے۔

حاصل : ماحولیات کا علم، خدائی اہتمام سے سیکھنا چاہئے۔ نباتات، حیوانات، پرندے اور دوسری چیزیں، جہاں جہاں پیدا کی گئی ہیں، وہ فضا، وہ زمین، وہ درجۂ حرارت، وہ ماحول، ان کی حسنِ کارکردگی کے لئے ضروری ہے۔ جس چیز کی افادیت کا احساس ہو جائے، اس کو سنبھالنا آسان ہو جاتا ہے۔ سوچنے والوں کو دیکھنا چاہئے، کہ وہ جہاں ہیں، وہاں کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہونا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑭

اور وُہی ہے، جس نے بحر کو مسخر کیا، کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو، اور اس میں سے گہنا نکالتے ہو، جسے پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیر کر چلتی ہیں، اور اس لئے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو۔

جن جن چیزوں کو انسان کی خدمت کے لئے حکم دیا گیا ہے، وہ سب اللہ کے امر سے مسخّر ہیں۔ یہاں بحر کا ذکر ہے جس سے حاصل ہونے والے کچھ فوائد یہاں بیان ہوئے ہیں۔ اس میں سے تازہ گوشت ملتا ہے، اور مچھلی کی صورت میں جس کی کئی قسمیں ہیں، انسان تازہ گوشت حاصل کرتے ہیں، جس کو اللہ نے ان کے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ پھر بحر میں سے مونگا اور موتی نکالے جاتے ہیں، جن کو قیمتی زیورات کی صورت میں پہنا جاتا ہے۔ بحر میں کشتیاں بھی پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ سامانِ تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، اللہ کا فضل تلاش کرنے کی بہت بڑی صورت ہے۔ مچھلی کا شکریہ اس طرح ادا ہو گا، کہ اسے بہتر جاننے والوں کی ہدایت کے مطابق استعمال کیا جائے، اور تازہ استعمال کیا جائے۔ مچھلی کا کثرت سے استعمال کرنا، جسم کے اعتدال کو متاثر کرتا ہے، مزاج کے اعتدال کو متاثر کرتا ہے۔ مونگا، موتی اور پہننے کی دوسری چیزیں اپنی افادیت کے لئے معروف ہیں۔ بہت قیمتی دواؤں کی صورت میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کا شکریہ یوں ادا ہو گا، کہ اللہ کی عطا کی قدر کی جائے، اور جب ان کا مقام، دوائے بے بدل کے طور پر نظر آئے، تو ضرورت مند کو ضرور دی جائیں، چاہے وہ قیمت ادا کر سکتا ہو، یا نہ کر سکتا ہو۔ کشتیوں میں بیٹھتے وقت، یا سامان رکھتے وقت، اللہ کی تسبیح کرنی چاہئے، جس نے ہمارے لئے یہ آسانیاں مہیا کی ہیں۔ اللہ کا فضل تلاش کرنا یہ ہے کہ سامانِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جائے، اور حدود اللہ کا احترام اس طرح ہو، کہ دیکھنے والوں کو تجارت میں پاکیزگی نظر آئے۔ جہاں ہدایت کے طالب ہوں سامانِ تجارت وہیں لے جایا جائے، اور جہاں حق کی احسن ادائیگی ہو جائے وہاں شکر قول سے بھی ادا کیا جائے، عمل سے تو ہو ہی چکا ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے، اس کا شکر ادا کرنا، بندگی ہے۔ مچھلی تازہ کھائی جائے، اور

مزاج کے اعتدال کو قائم رکھ کر کھائی جائے۔ موتی اور مونگا، قیمتی زیورات کی شکل میں پہنے جاتے ہیں۔ عطائے الٰہی کو پہنا بھی جائے، اور جہاں استعمال کا موقع آ جائے، رضائے الٰہی کے مطابق استعمال بھی کیا جائے۔ کشتیوں کے ذریعے سامانِ تجارت وہیں لے جایا جائے، جہاں لوگ ہدایت کے طالب ہوں۔ جب لوگ تجارت میں پاکیزگی کو دیکھ کر، ہدایت طلب کریں گے، توانہیں حقیقی فائدہ ہو گا، اس سے پہلے جو وعظ کیا جائے گا وہ مؤثر نہیں ہو گا۔

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾

اور اس نے زمین میں بوجھ رکھے، کہ تمہیں لے کر جُھک نہ پڑے، اور ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی زمین میں پہاڑوں کو بھی رکھا گیا ہے، کہ اس سے زمین کا توازن برقرار رہے، اور وہ کسی طرف جھک نہ جائے۔ بوجھ رکھنے والے نے بڑے علم سے اسے رکھا ہے، تو اس بوجھ کو ہٹا دینے کی کوشش یقیناً بے علمی کی بات ہے۔ اللہ نے ندیاں بنائی ہیں۔ ان کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے، اور کیسے ملتے ملتے، چھوٹے چھوٹے دھارے دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان ندیوں سے انسانوں کو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان سے خوراک حاصل ہوتی ہے۔ زیرِ زمین پانی، ایک مقام پر اپنی سطح کو برقرار رکھتا ہے۔ ان سے نقل و حمل کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ نے زمین میں راستے بھی بنائے ہیں۔ یہ راستے جو طبعی طور پر زمین میں موجود ہیں، ایک آبادی کو دوسری آبادی سے بھی ملاتے ہیں، ایک ملک کو دوسرے ملک سے بھی ملاتے ہیں۔ ان راستوں کو ہر لحاظ سے محفوظ بنانے کی کوشش میں بڑی بھلائی ہے۔ جسمانی ضروریات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو جو اہتمام کیا ہے، ان سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں تو روحانی ضروریات کی طرف بھی انہیں متوجہ ہونا چاہیئے۔ جو جو انسان کو ہدایت یافتہ ہونے کے لئے درکار ہے، وہ سب موجود ہے۔

حاصل : پہاڑوں کو ختم کرنے کی کوشش انتہائی بے علمی ہے، اس سے عدم توازن بڑھتا چلا جائے گا۔ ندّیوں کو اپنے لئے مزید مفید بنانے کی سعی کرنی چاہیئے۔ ان کی طبعی حیثیت متاثر نہ ہو۔ راستہ طبعی ہو، محفوظ ہو اور کشادہ ہو، تو اس میں بڑی بھلائی ہوتی ہے۔

وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾

اور علامات اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔

وہ نشانیاں جو راستے کے تعیّن میں، انسان کو مطلوبہ مقام پر پہنچنے میں مدد دیتی ہیں، علامات کہلاتی ہیں۔ علامات سے ایک راستہ، دوسرے راستے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ علامات سب اللہ کی رکھی ہوئی ہیں، بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ۔ ایسے مقامات بھی ہیں، جہاں علامات کا تعیّن مشکل ہو جاتا ہے، اور انسان اپنے موجودہ مقام سے مطلوبہ مقام تک راستے کا یقینی تعین بھی چاہتا ہے،

وہاں ستاروں سے مدد لی جاتی ہے۔ اس طرح رات کو بھی سفر کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ سمندر میں، صحرا میں، ستاروں کی مدد سے، راستے کا تعین کیا جاتا ہے۔ قطب نما بھی تو اسی معیار کے حوالے سے بنایا گیا ہے۔

حاصل : علامات کا تعین، راستے کو یقینی اور محفوظ بنانے میں مدد دیتا ہے۔ ستاروں کی مدد سے جہاں راستے کا تعین کیا جاتا ہے، وہاں دوسری علامات کام نہیں آتیں۔ جس نے ہمیں مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے لئے، اتنے بڑے بڑے سہارے دیئے ہیں، اور اسے کوئی احتیاج بھی نہیں ہے، وہی ربّ العالمین ہمارا ربّ ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾

تو کیا پیدا کرنے والا، اس کے برابر ہے جو کچھ پیدا نہ کرے، تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

پیدا کرنے والا، خالقِ کل ہے۔ ہماری ضروریات کا جو علم، پیدا کرنے والے کو ہے، وہ علم ہمیں بھی نہیں۔ کسی دوسرے کو بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خالقِ کل سے برابری کا دعویٰ قطعاً بے جا ہے۔ پینے کا پانی اس کا عطا کردہ ہے۔ اسی پانی سے زراعت بھی ہوتی ہے اور سب ثمرات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ لیل و نہار، شمس و قمر اور نجوم اسی پیدا کرنے والے کے امر کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی پیدا کرنے والے نے رنگ برنگی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اسی نے بحر کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے، کہ اس سے تازہ گوشت بھی ملتا ہے، موتی بھی ملتے ہیں۔ نقل و حمل کے ذرائع بھی اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ پہاڑ، ندیاں اور راستے بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ علامات اور ستارے بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی دوسرا، اس کے برابر ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ نصیحت اسی کی ماننی چاہیئے، جو خالقِ کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، ہماری بھلائی میں خوش ہوتا ہے، اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتا۔

حاصل : خالقِ کل کے برابر ہونے کا دعویٰ ہی کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی نصیحت ضرور ماننی چاہیئے، جسے ہماری بھلائی میں خوشی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو، تو شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

ضروریاتِ زندگی میں سب سے اہم پانی ہے۔ زمین سے حاصل ہونے والی خوراک اور ثمرات اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیل و نہار میں انسان کے لئے کتنے فوائد ہیں، شمس و قمر کیا کیا خدمات سرانجام دے رہے ہیں، ستارے کس کام میں لگا دیئے گئے ہیں، عطائے الٰہی کو گننا شروع کر دیا جائے، تو اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ جیسے جیسے یہ احساس بڑھتا جائے، کہ علیمِ مطلق کی عطا

بڑے علم سے ہے، اور بندے کی طلب علم سے تعلق نہیں رکھتی، خواہشات سے تعلق رکھتی ہے، بندہ شکر گزاری کی طرف آنے لگتا ہے۔ شکر گزار بندے کو بخشش ورحم سے نوازا جاتا ہے۔ اس کی سابقہ خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے، اور اسے آسانیاں عطا کی جاتی ہیں۔ شکر گزار بندہ ان آسانیوں کو تقسیم کر کے راحت پاتا ہے۔

حاصل : اللہ کی نعمتوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ نعمت کی قدر ہو تو معطی کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔ شکر گزار بندے کی سابقہ خطاؤں کو معاف کر دینا اور اس پر مزید رحم کرنا اللہ کی سنّت ہے۔ عبداللہ ہونے کا ثبوت دینے کے لئے ہمیں بھی یہی کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾

اور اللہ کو علم ہے جو تم چُھپاتے ہو، اور ظاہر کرتے ہو

نفس کو یہ پسند ہوتا ہے، کہ وہ اپنی خامی کو چھپائے، اور اپنی خوبی کو ظاہر کرے، تاکہ لوگوں کی نظر میں وہ اچھّا بنے۔ انسان اپنی قوت کا ایک حصہ اسی ریاکاری میں ضائع کرتا رہتا ہے۔ لوگوں کی خوشی کے لئے کوئی کام کیا جائے یا لوگوں کے ڈر سے کوئی کام نہ کیا جائے، تو یقیناً یہ شرکِ خفی ہے، جو شرک جلی سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ جزا دینے والے کا علم اتنا وسیع ہے، کہ وہ ہر چُھپے کو بھی جانتا ہے، ہر ظاہر کو بھی جانتا ہے، اور پوری پوری جزا دینے کی قدرت کا مالک ہے۔

حاصل : اپنے نفس کی خوشی کے لئے کچھ چھپایا نہ جائے، اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو مزاج کا اعتدال قائم ہو جاتا ہے۔ جزا دینے والے کو علم ہے، کہ کیا کیا جارہا ہے، اور کس نیت سے کیا جارہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور اللہ کے مقابل جن کو پکارتے ہیں، وہ کچھ پیدا نہیں کرتے، اور وہ خود مخلوق ہیں۔

خالقِ کل، معبودِ لاشریک ہے۔ اللہ کے مقابل، جس نے بھی کسی شے کو معبود ٹھہرایا، اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کو معبود مانا جارہا ہے، اس نے کیا کیا پیدا کیا ہے۔ جب یہ روشن ہو جائے، کہ جس کو معبود ٹھہرایا جارہا ہے، اس نے کچھ بھی نہیں کیا، تو پھر یہ ماننا چاہئے کہ جو خالق نہیں ہے، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ جس کو معبود ٹھہرایا جارہا ہے، یہ بے مثل نہیں ہے، اس کی حدود متعیّن ہیں، اس کی ایک ابتدا ہے، اس کی ایک انتہا ہے۔ یہ سب مخلوق کی نشانیاں ہیں، اور مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔

حاصل : مخلوق کبھی خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ جس کی اپنی ذات کسی دائرۂ قدرت میں محصور ہو، وہ

معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود اپنے عبد کو ہر مقام پر، جیسے چاہے رکھ سکتا ہے۔

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

مردے ہیں، زندہ نہیں اور انہیں شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

مخلوق کو خالق کل کے برابر قرار دینا، ظلم عظیم ہے۔ زندگی خالقِ کل کی عطا کردہ توفیق ہے، جو ایک وقت سے شروع ہوتی ہے، ایک وقت پر ختم ہوتی ہے۔ یہ تعیّن معبود کی شان کے منافی ہے، کہ معبود کا بے مثل ہونا لازم ہے۔ اس لئے خالق سے مخلوق کا تقابل کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ بَعث بَعد الموت کے وقت کا شعور، مخلوق کو نہیں ہو سکتا، یہ جزا دینے والے مالکِ یومِ الدّین کی شان کے لائق ہے۔ جن کو معبود جان کر ان کی عبادت کی جاتی ہو، ان کی زندگی محدود نہیں ہونی چاہئے۔ جزا دینے کی قدرت کے ساتھ، انہیں اس کے وقت کا بھی پتہ ہونا چاہئے۔ جب یہ محال ہے، تو پھر کسی کو اللہ کے برابر قرار دینا، قطعاً بے علمی ہے۔

حاصل : جس کی زندگی محدود ہو، جو جزا دینے پر قادر نہ ہو، اور جسے بَعث بَعدالموت کے وقت کا پتہ نہ ہو، اسے معبود کہنا ظلمِ عظیم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے، کہ رسول یہی فرماتے رہے ہیں۔ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾

تمہارا معبود، ایک ہی ہے۔ تو جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب مُنکر ہیں، اور وہ اِستکبار کرتے ہیں۔

معبود کی شان ہے، کہ اس نے سب کو پیدا کیا ہے، ہر ایک کو پالتا ہے، اور بڑے علم سے پالتا ہے، ہر چھپے اور ظاہر کو جانتا ہے، ہر ایک کو جزا دے گا، اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں خواہشات کی پیروی سے رک جانے کا خیال بھی نہیں آتا، ان کے دل انکارِ حق پر ٹک جاتے ہیں اور وہ استکبار کو طریقِ زندگی بنا لیتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ بے مثل ہے۔ آخرت پر ایمان ہو، تو دل حق کا انکار نہیں کر سکتا۔ حق کا انکار نہ ہو تو استکبار کا مقام آتا ہی نہیں۔

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

یقیناً اللہ کو علم ہے، جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ مستکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، وہ حق کے منکر ہیں اور مغرور ہیں۔ یہ لوگ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا، جو دل میں ہوتا ہے وہ ظاہر نہیں کرتے۔ مگر علیمٌ بذاتِ الصدور سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ یقیناً وہ چھپے کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ استکبار شیطانی صفت ہے۔ اللہ استکبار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان کا قول بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے. ان کا عمل بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ وہ مقامات جو علمِ الٰہی کے حوالے سے صرف تعارف کے لئے رکھے گئے ہیں، جب ان کا اظہار دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے ہو، تو یہ استکبار ہے۔ متکبر ہمیشہ حق کے مقابل اپنی پسند کو مانتا ہے، اور اسی شرک میں اللہ کی عطا کردہ توفیق کو ضائع کرتا رہتا ہے۔

حاصل : ہمیں یقین ہونا چاہئے، کہ اللہ ہمارے چھپے اور ظاہر کو جانتا ہے۔ ہمیں استکبار کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرنا چاہئے۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہم خود مغرور نہ ہوں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوٓا۟ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب ان سے پوچھا جائے، تُمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا ہے، کہتے ہیں، اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

وہ لوگ جو مقامی لحاظ سے منبعِ رُشد و ہدایت کے قریب تھے، جب یہ کہیں جاتے تھے، تو لوگ ان سے ضرور پوچھتے تھے، کہ آپ کے ہاں معاشرے میں کچھ تبدیلیاں آ رہی ہیں مثلاً اُس ایک حوالے کو ماننے والے اپنی پسند کو قابلِ ذکر ہی نہیں جانتے، معاشرتی زندگی کے ہر ہر دائرے میں اپنی راستی کی سند اسی حوالے سے لی جاتی ہے، سرداری کا فیصلہ وسعتِ مال کی بنا پر نہیں ہوتا، علم و صبر کی بنا پر ہوتا ہے۔ آخر وہ کیا احکامات ہیں، جو آپ کے ربّ نے نازل فرمائے ہیں۔ وہ صاحب جو ان احکامات کو ماننے کی عملی تربیت دیتے ہیں، ان کے بارے میں بھی بتایئے۔ یہ بھی بتایئے کہ ماننے والوں کا دائرہ کس طرح اور کس قدر بڑھ رہا ہے۔ اس کے جواب میں متکبرین یہی کہا کرتے تھے، آپ اس میں زیادہ دلچسپی نہ لیں، یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، فلاں قوم نے یہ کیا، اس کا انجام یہ ہوا، فلاں قوم ایسی تھی، فلاں قوم ویسی تھی، کہانیوں سے بھلا کہیں معاشرہ سُدھر سکتا ہے۔

حاصل : مغرور لوگ حق کے بیان کو اگلے لوگوں کی کہانیاں کہتے ہیں۔ جس بیان کو سننے کے بعد سامعین کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور فلاح کے حصول کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے، اس بیان کو کہانی کہہ دینا، یقیناً بےادبی ہے۔

لِيَحْمِلُوٓا۟ أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ ع

تاکہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں، اور کچھ ان کے بھی جن کو بلاتحقیق گمراہ کرتے ہیں۔ سن لو کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اٹھاتے ہیں۔

جو لوگ فرمانِ الٰہی کو اگلوں کی کہانیاں کہہ کر، اور اس کے حوالے سے اپنے مشاہدے میں آنے والی تبدیلیوں کو ناقابل توجہ قرار دے کر، سننے والوں کو حق کی طرف آنے سے روکتے ہیں، ان پر ان کی اپنی برائیوں کا بوجھ تو ہو گا ہی، ان پر کچھ بوجھ ان لوگوں کا بھی ہو گا، جنہوں نے ان کے بیان سے اثر قبول کیا ہو گا۔ جس کو بھی حق کی طلب ہو، اس کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں مدد دینا بہت بڑی خدمت ہے، اور اس کی طلب کے جواب میں ایسی باتیں سنانا، جو بے سند ہوں اور جن کو سن کر وہ بہک جائے، بہت بڑی برائی ہے۔ اس برائی کا ایک بوجھ حال پر ہوتا ہے، اور ایک بوجھ مستقبل میں ہو گا۔

حاصل : وہ بوجھ جس کو معمولی سمجھ کر اٹھا لیا جائے، اور جو بڑے عذاب کا باعث بنے بہت برا بوجھ ہوتا ہے۔ بات ہمیشہ سند سے کرنی چاہئے، اور حق کو چھپانا نہیں چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (٢٣) میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَمَن يَدۡعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرۡهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓۚ إِنَّهُۥ لَا يُفۡلِحُ ٱلۡكَٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾
اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی اس کے پاس کوئی سند نہ ہو، تو اس کا حساب اس کے ربّ کے یہاں ہے۔ بے شک کافر فلاح نہیں پاتے۔

قَدۡ مَكَرَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ فَأَتَى ٱللَّهُ بُنۡيَٰنَهُم مِّنَ ٱلۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ ٱلسَّقۡفُ مِن فَوۡقِهِمۡ وَأَتَىٰهُمُ ٱلۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُونَ ﴿٢٦﴾

بے شک اُن سے قبل والوں نے مکر کیا تھا، تو اللہ نے اُن کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا، اوپر سے چھت اُن پر گر پڑی، اور عذاب اُن پر وہاں سے آیا جس کا اُنہیں شعور بھی نہ تھا۔

لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں۔ حق کے مقابل انسان گمان سے جو بھی بنایا جائے گا، اس کی بنیاد مکر و تلبیس پر ہی ہو گی۔ مکر و فریب، شیطان کے داؤ سے تعلق رکھتا ہے، اور شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔ جہاں بنیاد ہی کمزور ہو، وہاں بڑی اور دیرپا عمارت نہیں بنائی جا سکتی۔ بنانے والے بے حقیقت ہوں تو یہی ہوتا ہے، کہ ان کی تعمیر کی بنیادیں ایک وقت کے بعد جواب دے جاتی ہیں، اوپر سے چھت اُن پر آ گرتی ہے، وہ عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ عذاب اُن پر اس رخ سے آیا کرتا ہے، کہ انہیں اُس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ سب مقامات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے کسی مقام پر خلافِ حق کرنے والے جو بھی کریں، ایک وقت کے بعد ان پر گرفت آتی ہے، اور اس گرفت سے بچ جانا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل : حق کے مقابل انسانی گمان سے جو بھی بنایا جائے، اس کی بنیاد کمزور ہو گی۔ کمزور بنیادوں پر جو کچھ تعمیر ہو گا، وہ بنانے والوں کی ہلاکت کا باعث ہو گا۔ عذابِ الٰہی کا روکنا کبھی انسان کے بس میں نہیں ہو سکتا، اس سے بچ کر بھاگ جانا کبھی انسان کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ کافر کو ماحول کا پورا شعور ہوتا ہی نہیں۔ ماحول کا پورا

شعور ہو تو اپنے مقام کو جاننا آسان ہوتا ہے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

پھر قیامت کے دن اُنہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا، کہاں ہیں میرے شریک جن میں تم جھگڑتے تھے۔ علم والے کہیں گے آج کے دن ساری رُسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔

حق کا انکار کرنے والوں کے لئے قیامت کا دن بہت بھاری ہو گا۔ رسوائی اُن پر چھارہی ہوگی۔ جن مقامات کے حوالے سے یہ بڑائی کا دعویٰ کرتے تھے، وہ بے حقیقت نظر آئیں گے تو یہ بڑی رُسوائی کی صورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، جن کو تم ضد سے میرا شریک ٹھہراتے تھے وہ اب کہاں ہیں، تم رسوا ہو رہے ہو، وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ بے سند باتیں کرنے والے کچھ جواب نہ دے سکیں گے، تب شاہدین یہ پکاریں گے، کہ حق کے علاوہ کسی بھی مقام پر عزت تلاش کرنے والے آج انتہائی رسوائی میں ہیں، اور برائی خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کے نتیجے کی صورت میں گھیر رہی ہے۔ یہ حضراتِ گرامی قدر دنیا میں علم کے نور کو پھیلاتے ہوئے، اِس دن کا ڈر سنایا کرتے تھے۔

حاصل : بے سند بات کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ اِس کے نتیجے میں ہمیشہ رُسوائی ہوتی ہے، اور وہ برائی گلے پڑ جاتی ہے جس سے جان چھڑانا ممکن نہیں رہتا۔ علم والوں کی بات کو ماننا حصولِ عزّت کا یقینی راستہ ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

وہ کہ فرشتے اُنہیں وفات دیتے ہیں اور وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، تب اپنی تسلّی کو ظاہر کریں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہیں کرتے تھے۔ کیسے نہیں کرتے تھے، بے شک اللہ کو علم ہے جو عمل تم کرتے تھے۔

جو لوگ وفات کے وقت، حالتِ اسلام پر نہیں ہوتے وہ خلافِ حق کرتے رہنے کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔ موت کے وقت حق کو مان لینا، اللہ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کافر موت کے وقت، حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ ہم تو کچھ برائی نہیں کرتے تھے، ہم تو حق کو مانتے ہیں، تو فرشتے ان کے کِذب کو ظاہر کرتے ہوئے بتائیں گے، تم حق کا انکار کرتے تھے۔ جزا دینے والا خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے، تمہارا جھوٹ اور مکر و فریب تمہیں جزا سے بچا نہیں سکتا۔

حاصل : جہاں معمولاتِ زندگی کی بنیاد حق پر نہ ہو، وہاں مکر و فریب پر بنیاد رکھی گئی ہوتی ہے۔ موت کے وقت حق کو مان لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ فرشتے کافروں کے حال پر گواہی دیں گے کہ تم برائی کرتے رہے ہو، اور جزا دینے والا خوب جانتا ہے، تمہارے عمل کیسے تھے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو اَب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ کہ اس میں ہمیشہ رہو، تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے تکبّر کرنے والوں کا۔

موت کے وقت یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ موت کے دروازے سے گزرنے والا حالتِ اسلام پر ہے، یا حالتِ کفر پر ہے، اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، کہ جزا کیا ہوگی۔ جزا کے انتظار میں اگر وہ بصورتِ انعام ہو تو راحت ہوتی ہے، اور اگر وہ بصورتِ عذاب ہو تو دکھ ہوتا ہے۔ قبر میں جزا کا انتظار راحت اور دکھ کے یہی پہلو رکھتا ہے۔ جزا کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہوتے وقت، جرم کی نوعیت کے مطابق مخصوص دروازے سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ وہاں داخل ہوتے ہی سزا کے دوام کا یقین بھی ساتھ ہوتا ہے۔ جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے، کہ اللہ کی عطا کردہ بہترین توفیق سے عمل کرنے والا بدترین مقام پر پہنچتا ہے۔ وہاں دائمی دکھ ہو گا، اور اس سے بچ سکنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ موت کے بعد سے بَعث بَعد الموت تک کا وقت، قبر کا زمانہ ہے، چاہے اس کی صورت کوئی بھی ہو۔

حاصل : جُرم کی نوعیت کے مطابق مقامِ سزا کا تعیّن کرنا چاہئے۔ انسان کے سزا دینے کا حق، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کے حوالے سے ہے۔ تکبّر کرنے والے شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کے لئے بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٠﴾ۙ

اور پرہیزگاروں سے پوچھا گیا، تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا ہے، کہنے لگے 'خیر'۔ جنہوں نے اس دنیا میں احسان کیا ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور دارِ آخرت بہتر ہے۔ اور کیا خوب ٹھکانا ہے متّقین کا۔

حق کے متعلق جاننے کی تمنا رکھنے والے جب متکبرین سے پوچھتے ہیں، کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں، یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی سوال جب متّقین سے پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں، اللہ نے خیر نازل فرمایا ہے۔ انسانی گمان سے حسنِ معاشرت کا وہ مقام کبھی نہیں حاصل ہو سکتا، جو حق کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ متّقین سابقہ زندگی کے ہر ہر مقام کو موجودہ زندگی کے ہر ہر مقام کے سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں، تو انہیں حال بہتر نظر آتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں جو لوگ، اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہیں، اور جزا

کے یقین کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، انہیں دنیا میں بھلائی ملتی ہے، اور یہ بھلائی تعلق معَ اللہ سے حاصل ہونے والی راحت کی صورت میں ملتی ہے۔ اور دارِ آخرت یوں بہتر ہے، کہ وہاں متّقین کو کسی مخالفت کا سامنا تو ہو گا نہیں اور راحتیں سب میسّر ہوں گی۔ متّقین کا ٹھکانا اس لئے خوب ہے، کہ انہوں نے ہمیشہ خیر کو پسند کیا اور اپنے علم کو علیم مطلق کے علم کے تابع رکھا، انہیں دائمی پاک دامنی کا شرف حاصل ہوا، جو بہت بڑا انعام ہے۔

حاصل : ایک ہی واقعہ بے حقیقت کے لئے کچھ اور معنی رکھتا ہے، باحقیقت کے لئے کچھ اور معنی رکھتا ہے۔ متّقین ماضی سے حال کا تقابل کرتے رہتے ہیں۔ حق کے بہتر ہونے کا اعلان کیا جائے تو اس بہتری کو اعلان کرنے والے کی ذات میں بھی نظر آنا چاہئے۔ بھلائی کرنے والے کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے، اور دارِ آخرت تو بہتر ہے ہی۔ جسے دائمی پاک دامنی کا مقام ملا، اس کا ٹھکانا بہت خوب ہے۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ ‌ؕ كَذٰلِكَ يَجۡزِى اللّٰهُ الۡمُتَّقِيۡنَ ۙ‏ ﴿۳۱﴾

بسنے کے باغ ہیں، جن میں جائیں گے۔ اُن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اُنہیں وہاں ملے گا جو وہ چاہیں۔ اللہ متّقین کو ایسے ہی جزا دیتا ہے۔

متّقین کو ایسے باغوں میں داخل ہونے کا شرف ملے گا، جو اُن کی دائمی اقامت کے لئے ہوں گے، اور باعثِ راحت ہوں گے۔ ان کی سرسبزی اور شادابی بھی قائم رہے گی، کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جو زیر زمین پانی کی سطح کو ایسے مقام پر رکھیں گی، کہ آبپاشی کے کسی ذریعے کو اختیار کرنا درکار نہ ہو گا۔ مذکورہ اہتمام تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متقی حضرات کی سکونت کے لئے کیا جائے گا، اس کے ساتھ یہ بھی ہو گا، کہ انہیں وہاں ملے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والے حیاتِ دنیا میں اللہ کی رضا کو خیر جانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں، جزا کے دن، ان حضرات کی پسند اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو گی۔ جو اللہ کی رضا کو مان لیتا ہے، اس کی پسند یقیناً سند کا درجہ پالیتی ہے۔ اللہ سے بڑا جزا دینے والا کوئی نہیں۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے والوں کی قدر و منزلت کو اپنا حق جاننا چاہئے، انہیں سُکھ دینا چاہئے، ان کی پسند کو افادیت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اچھی جزا دینے والا یقیناً اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ‌ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۳۲﴾

اور وہ جنہیں ملائکہ پاکیزگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں، ملائکہ کہتے ہیں تم پر سلام ہو، تم جنّت میں جاؤ بدلہ اس کا جو عمل تم کرتے تھے۔

متّقی حضرات پر جب وفات کا وقت آتا ہے، تو ان کا قول بھی پاک ہوتا ہے، ان کا عمل بھی پاک ہوتا ہے۔ وہ یکسوئی کے ساتھ منیب کا اتباع کر رہے ہوتے ہیں۔ انہیں کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ انہیں کوئی عزیز ہوتا ہے تو حق کے حوالے سے اور کوئی قابلِ نفرت نظر آتا ہے تو حق کے حوالے سے۔ پاکیزگی کی یہ نشانیاں تقوٰے کو ثابت کرتی ہیں۔ ملائکہ ان حضرات پر سلام بھیجتے ہیں، اور انہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں، اور کہتے ہیں جو تم حضرات نے کیا، اللہ نے دائمی راحت کی صورت میں تمہیں اس کا اجر دیا۔ جب جان نکالنے والے سلامتی کے ساتھ اور دائمی راحت کی بشارت کے ساتھ جان نکال رہے ہوں تو موت متّقی کو وصال کا دروازہ معلوم ہوتی ہے۔

حاصل : متّقی حضرات کی موت ان کی عنداللہ مقبولیت کی سند ہوتی ہے اور اُن کے لئے دائمی راحت کی بشارت کا درجہ رکھتی ہے۔ رَوشن مستقبل موت کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِىَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ ٱللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہ کہ فرشتے اُن پر آئیں، یا تُمھارے ربّ کا امر آ جائے۔ اُن سے اگلوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، ہاں خود اُنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

جو لوگ حق کو ماننے کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر رہے ہیں، وہ کاہے کے انتظار میں ہیں، عمل کے لئے دی گئی مہلت تو گزر رہی ہے۔ اِس وقت کا خاتمہ دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ انہیں موت آ جائے، دوسرے یہ کہ ان کو عذاب میں پکڑ لیا جائے۔ دونوں صورتوں میں یہ حق کو مان لیں گے۔ ان سے پہلے منکرینِ حق نے بھی یہی کیا تھا۔ مگر اس وقت کا ماننا نفع نہیں دیتا، کہ اس وقت نہ ماننا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، جو لوگ حق کو نہیں مانتے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لینا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ جب نہ ماننا ممکن نہ رہے تو اس وقت ماننا نافع نہیں ہوتا۔ جو خسارے کی راہ کو اختیار کرتا ہے، اللہ اُس پر ظلم نہیں کرتا، وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّـَٔاتُ مَا عَمِلُوا۟ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٤﴾ ع

پھر اُن کے کرتوت اُنہی کے سر پڑے، اور اُنہیں اُسی نے گھیر لیا جس کا اِستہزاء کرتے تھے۔

منکرینِ حق کے اعمالِ خبیثہ اُنہی کے سر پڑتے ہیں، اور جن حقائق کا مذاق اڑانا، ان لوگوں کا معمول بن جاتا ہے، وہی حقائق ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال کے نتائج سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اُس کا انکار کرنے والے فلاح سے دور ہوتے رہتے ہیں، اُس کا مذاق اڑانے والے اپنے غرور کی عبرتناک سزا پاتے ہیں۔

حاصل : اپنے رُخ کو درست رکھنا سب سے بڑا کام ہے۔ حق کا مذاق اڑانے والے، انجامِ کار نادم ہوتے ہیں، اور عبرتناک سزا کے گھیرے میں آ جاتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے:

فَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِۦ وَإِنَّا لَهُۥ كَٰتِبُونَ ﴿٩٤﴾

تو جو صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اس کی سعی کی بےقدری نہیں ہو گی، اور ہم اُسے لکھ رہے ہیں۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوا۟ لَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِۦ مِن شَىْءٍ نَّحْنُ وَلَآ ءَابَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِۦ مِن شَىْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى ٱلرُّسُلِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ﴿٣٥﴾

اور شرک کرنے والوں نے کہا، اگر اللہ چاہتا، ہم اور ہمارے آباء اُس کے سوا کسی شے کی بندگی نہ کرتے، اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی شے کو حرام ٹھہراتے۔ اُن سے اگلوں نے بھی اِسی طرح کیا تھا۔ تو رسولوں کے ذمّہ تو صریحاً پہنچا دینا ہی ہے۔

مشرکین نے اپنے اعمال کو درست ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل دی، کہ ہم اور ہمارے بڑے شرک کرتے ہیں، غیر اللہ کی بندگی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ناپسندیدہ اعمال سے روک دینے پر قادر ہے، جب اس نے ہمیں روکا نہیں تو ہمارے اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم بعض چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں، اگر اللہ کو یہ برا لگتا تو وہ ضرور ہمیں اس کی سزا دیتا، ہمیں اس کی سزا نہیں دی گئی، اس لئے ہمارے اعمال کو برا کہنے کا جواز کوئی نہیں۔ اِن سے پہلے مشرکین بھی اپنے برے اعمال کے لئے یہی جواز پیش کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی توفیق کو اگر خلافِ حق استعمال ہی نہ کیا جا سکے، تو درجات کا تعین ہی ممکن نہ رہے۔ رُخ کا اختیار کرنا بندے کے ذمّے ہے، اور اسی کی اسے جزا دی جائے گی۔ اللہ کا طریقہ یہ ہے، کہ وہ حق کو نازل فرماتا رہا ہے، اُس کے بھیجے ہوئے اسے صریحاً پہنچاتے رہے ہیں۔ حکمِ خداوندی کو ماننے کا طریقہ جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، یہی ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو، اور حق کو ماننے کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہو۔ تکبّر کرنے والوں کی نشانی دیکھئے، کہ اُن کے اعمال کے درست ہونے کا حوالہ اُن کی ذات کے اندر ہوتا ہے، باہر نہیں ہوتا۔

حاصل : شرک کرنے والے خود کو حق کے مطابق بنانے کی بجائے، اپنے اعمال کو ہی حق ثابت کرنے

لگتے ہیں۔ تکبّر کرنے والوں کو اپنی ذات کے باہر وہ حوالہ حقیر نظر آتا ہے، جس کو دیکھ کر اپنی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ متکبّر کو اللہ کے علم کا پتہ چلے یہ قطعاً ناممکن ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

اور بےشک ہر امّت میں ہم نے ایک رسول بھیجا، کہ اللہ کی بندگی کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی، اور کسی پر گمراہی مسلّط ہوئی۔ تو زمین میں سیر کرو پھر نظر کرو کہ مکذّبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

ہر امّت میں رسول بھیجنا، اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ جہاں وہ معیار سامنے ہو گا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، وہیں آخرت کا یقین رکھنے والے، حال پر اپنی اصلاح کر سکیں گے۔ بشارت دینا اور ڈر سنانا، جو شاہدین کرتے رہے ہیں، اور قیامت تک کرتے رہیں گے، ایک کام ہے، جس کا تسلسل ہر عہد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مرسلین کا پیغام ایک ہونا یوں ثابت ہوتا ہے، کہ سب نے اپنے اپنے حال پر یہی فرمایا ہے، کہ اللہ کی بندگی کی جائے، طاغوت سے اجتناب کیا جائے۔ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے ورنہ طاغوت سے اجتناب ممکن نہ ہو گا۔ اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب اللہ کے بندے کو اپنی پاکیزگی پر شاہد بنایا جائے گا۔ جس نے بندگی کا حق اس طرح ادا کیا، اسے ہدایت بخشی گئی، جس نے خلافِ حق کیا وہ گمراہ ہوا۔ زمین میں اس امر کے آثار موجود ہیں، کہ جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، ان کا انجام ہمیشہ برا ہوا۔ زمین میں چل پھر کر اپنے قریب کے مقامات سے بھی اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے، دور کے مقامات سے بھی اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے، کہ حق کو جھٹلانے والے ہمیشہ خسارے میں پڑے ہیں۔

حاصل : مرسلین کا بھیجنا علیم مطلق کی شان ہے۔ مرسلین کا پیغام ایک ہے، اللہ کی بندگی کی جائے، اور شیطان سے اجتناب کیا جائے۔ ماننے والے کو ہدایت ہوتی ہے، نہ ماننے والا گمراہ ہوتا ہے۔ حق کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ہے، اس کو زمین میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی سیر اپنے رُخ کو درست کرنے میں مدد دیتی ہے، اور اسی سیر کا حکم دیا گیا ہے۔

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

اگر تمہیں اُن کی ہدایت کی حرص ہو، تو بےشک اللہ اُسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرے، اور اُن کا کوئی مدد گار نہیں۔

ہر امّت کی طرف بھیجے گئے رسول اُس کے لئے رحمت کا درجہ رکھتے تھے، اور انہیں یہ حرص تھی، کہ اُن کی امت فلاح

پائے۔ خاتم النبینؐ کی رسالت عالمین کے لئے ہے، اس لئے رحمت بھی عالمین کے لئے ہے۔ یہ رحمت جس قدر تقسیم ہو گی، اسی قدر قاسم کے لئے باعثِ راحت ہو گی۔ رحمت سے فیض یاب ہونے والوں کے لئے حریص ہونا، عبدیت کا ارفع مقام ہے۔ ہدایت اور گمراہی باذنِ اللہ ہوتی ہے۔ جو خلافِ حق کرے وہ کبھی ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔ جو ہدایت کی طلب نہ رکھتا ہو، اسے ہدایت نہیں ہوتی۔ جو ناشکرا، کتاب و حکمت کے معلّم سے فیض نہ لے اس کا کوئی مدد گار نہیں ہو سکتا۔

حاصل : رحمت سے فیض یاب ہونے والوں کے لئے حریص ہونا عَبدیت کا ارفع مقام ہے۔ ہدایت اُسے ہوتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ ظلمات سے نور کی طرف لانے والے صاحب کبھی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ وہ کتاب و حکمت کا علم عطا کر کے بڑی مدد دیتے ہیں۔ یہ جہالت کی انتہا ہے کہ جس کو ہماری بھلائی کی حرص ہو اسے ہم اپنا مخالف سمجھیں۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ ؕ بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۸

اور اللہ کی بڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، کہ اللہ مُردوں کو نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں، اِس پر اُس کا وعدہ ہو چکا ہے، لیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

بَعث بَعدالموت کے انکار پر منکرینِ حق کو بہت زور لگانا پڑتا ہے۔ اسی انکار پر کفر کے پھیلنے کا دار و مدار ہوتا ہے اس لئے وہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، کہ اللہ مُردوں کو کبھی نہیں اٹھائے گا۔ اب قسمیں کھانے والوں کا مقام دیکھئے، یہ تو علم والوں میں شمار ہی نہیں ہیں۔ اللہ نے ہر ایک سے اس کے اعمال کی جزا دینے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس کا وعدہ علمِ مطلق سے ہے۔ اٹھائے گا کیوں نہیں، وہ یقیناً اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ علم والے جانتے ہیں، کہ جسے توفیق دی گئی ہے، جس کے سامنے معیارِ اخلاق رکھا گیا ہے، جس کو عمل کے لئے وقت دیا گیا ہے، جس کو بشارت و انداز سے آگاہی دی گئی ہے، اُسے جزا کے لئے اٹھایا جانا، حق ہے۔

حاصل : قسم اُسی کی ہوتی ہے جو علم والا ہو، بےعلم کی قسم کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ علم والے کبھی بَعث بَعدالموت کا انکار نہیں کرتے۔ جو لوگ حق کے ماننے والوں کو اور نہ ماننے والوں کو برابر ثابت کرتے رہتے ہیں وہ ضرور بَعث بَعد الموت کے انکار پر زور لگاتے ہیں۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىۡ يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ وَلِيَـعۡلَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰذِبِيۡنَ ۝۳۹

اِس لئے کہ اُن پر واضح کر دے جس میں اختلاف کرتے تھے، اور اِس لئے کہ کافروں کو پتہ لگ جائے کہ وہ کاذِب تھے۔

اس دنیا میں انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو استعمال کرے، جیسے وہ چاہے۔ یہ استعمال حق کے مطابق بھی ہوتا ہے، حق کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اِس زمین پر حضرتِ انسان کے آنے سے لے کر اجلِ مسمّٰی تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد اس کا خاتمہ قطعاً ضروری ہے۔ جزا کے وقت یہ واضح ہو جائے گا، کون حق کے مطابق تھا اور کون حق کے خلاف تھا۔ پھر اختلاف کا امکان ختم ہو جائے گا۔ تب کافروں کو پتہ لگ جائے گا، کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے رہے ہیں۔ مُردوں کا اٹھایا جانا تو ہو چکا ہے، یقیناً مرسلین نے جو فرمایا وہی حق ہے۔

حاصل : اِختلاف کی اِبتدا بھی ہوتی ہے، اِنتہا بھی ہونی چاہئے۔ جب اِختلاف کا امکان نہ رہے گا، تو کافروں کو پتہ لگے گا، کہ وہ جھوٹے تھے۔ بے علمی کے خاتمے کا مقام بھی ضرور ہونا چاہئے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَىْءٍ إِذَآ أَرَدْنَٰهُ أَن نَّقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾

ہمارا فرمان کسی شے کے بارے میں جب ہم اس کا ارادہ کریں، یہی ہوتا ہے، کہ ہم فرمائیں 'ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔

بُعث بَعد الموت کا انکار کرنے والوں پر واضح فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ صرف ایک فرمان پر موقوف ہے۔ جب وہ فرمان ہو جائے گا، لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ خالق کل کی یہ شان ہے، کہ ہر شے اس کے حکم کو ادب سے ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے، اور جو جو اس کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لئے درکار ہوتا ہے، صحیح وقت پر موجود ہوتا ہے۔

حاصل : خالقِ کُل علیم مطلق ہے۔ ہر شے اس کے حکم کو ادب سے ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ اُس کے فرمان کو واقع ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے، جب عنوان بدل دیا جاتا ہے، فوراً تصرّف اُس کے مطابق شروع ہو جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ أَمْرُ ٱلسَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ ٱلْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾

اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک جھپکنا بلکہ اُس سے بھی قریب، بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

وَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ فِى ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا۟ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

اور جنہوں نے مظلوم ہونے کے بعد، اللہ کے لئے ہجرت کی، ضرور ہم دنیا میں اُنہیں اچھی جگہ دیں گے، اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ کہیں اُنہیں علم ہوتا۔

جن لوگوں نے منکرینِ حق کے مظالم برداشت کئے اور ایک وقت کے بعد وہ اللہ کے لئے ہجرت پر مجبور ہو گئے، ان کو یہ بشارت دی گئی ہے، کہ ضرور دنیا میں اُنہیں اُس مقام سے بہتر مقام ملے گا، جس مقام سے اُنہیں ہجرت کرنی پڑی۔ جگہ بھی اچھی ہو گی، ماحول بھی اچھا ہو گا، حق کی ادائیگی میں انہیں وہ آسانیاں حاصل ہوں گی جو پہلے انہیں حاصل نہ تھیں۔ آخرت کا اجر بہت بڑا ہو گا، کہ وہاں اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، اور وہاں کافر صریحاً خسارے میں ہوں گے۔ جس کو یہ علم ہو کہ اللہ کے ساتھ سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے، اسے مصائب و آلام کے دور سے گزرتے دیر نہیں لگتی، اور دکھ کی شدّت بھی بہت کم ہو جاتی ہے۔

حاصل : مظلوم مہاجرین کی مدد کرنی چاہئے، حق کی اَحسن ادائیگی کے لئے انہیں آسانیاں مہیا کرنی چاہئیں۔ اللہ سے بڑا اجر دینے والا کوئی نہیں۔ جسے علم ہو وہ قادرِ مطلق کے ' ساتھ ' کے مقابل کسی ساتھ کو اہمیّت نہیں دے سکتا۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

جنہوں نے صبر کیا، اور اپنے ربّ پر توکّل کیا۔

اللہ کی رضا کے تحت ہجرت کرنے والوں کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں: وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور متوکّل ہوتے ہیں۔ ظلم کو سہتے ہوئے اپنا توازن حق کے حوالے سے برقرار رکھنا صبر ہے۔ اپنی ذات کو جو دکھ پہنچ رہا ہو اسے باذنِ اللہ جاننا حق ہے، دوسروں کو پہنچنے والے دکھ کو دور کرنے کے لئے کوشش اس یقین کے ساتھ کرنی چاہئے کہ بھلائی کی ابتداء کرنے کے لئے موجودہ حالات، بہترین حالات ہیں، مزید جو جو درکار ہو گا، علیم مطلق کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا۔ یہی توکّل کرنے والوں کی طریقت ہے۔

حاصل : صبر اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے اور دکھوں کے مداوے کے لئے ہوتا ہے، معاشرے کے حوالے سے جو ذمہ داری عاید ہوتی ہو، اس کی ادائیگی کے لئے توکّل کے ساتھ سعی کرنی چاہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور ہم نے آپ سے قبل مرد ہی بھیجے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، تو اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

جن لوگوں کو بے علمی کی وجہ سے یہ اعتراض ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے، ان پر اللہ تعالیٰ کی سنّت کو واضح کیا جا رہا ہے، کہ اللہ کے رسول ان سے قبل بھی آتے رہے ہیں، اُن کی طرف وحی بھی کی جاتی رہی ہے، اور اللہ کی یہ سنّت ایسی ہے، جس کے بارے میں اہلِ ذکر سے پوچھا جا سکتا ہے۔ ان سے پوچھا جائے تو وہ یہ شہادت دیں گے، کہ علمِ الٰہی سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ حکمِ خداوندی اُس حوالے سے ہم تک پہنچے جو رضائے الٰہی کا یقینی علم رکھتا ہو اور ہمارے حسنِ عمل پر شہادت دے سکتا ہو۔ اہلِ ذکر وہ لوگ ہیں، جو ماضی اور حال کا ایسا علم رکھتے ہیں، کہ ان سے پوچھنے والے کو

صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جاتا ہے۔

حاصل : علمِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ اہلِ ذکر سے پوچھا جائے تو وہ بڑے علم سے حال پر صراطِ مستقیم کو ماضی کے حوالے سے روشن کر دیتے ہیں۔ فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے، جسے علم کے حصول کی طلب ہو۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

روشن نشانیوں اور صحیفوں کے ساتھ اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر نازل فرمایا، کہ آپ لوگوں پر روشن کر دیں، جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ تفکّر کریں۔

انبیاء سابقین کو معجزات بھی عطا ہوئے اور صحائف بھی عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس حال پر جس نبی کو جو عطا فرمایا، اس سے علمِ الٰہی کی برتری اس زمانے کے علم پر واضح ہوئی۔ قرآن پاک کو یہاں ذِکر فرمایا گیا ہے، اس کو لوگوں پر روشن کرنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔ جب تک اس ذکر کو آپ واضح نہ کریں رضائے الٰہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں نے حضور سے اس طرح سیکھا، کہ ان کی اپنی کوئی بات نہ رہی، ان مخلصین کی بات حضور کی بات ہو گئی، ان کا حسنِ عمل حضور کے اسوۂ حسنہ سے روشن ہوا، اب قیامت تک وہی اس ذِکر کو روشن کرنے کا ذریعہ ہیں، یہی لوگ علم حدیث کے امین ہیں۔ تفکر کرنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ علمِ الٰہی کے علاوہ کوئی علم سب مقامات پر سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکتا، اور علمِ الٰہی سے استفادہ کرنے کی صورت ہر حال پر موجود ہوتی ہے۔ خوف و حزن سے نجات پانے کی طریقت کو نہ اپنانا بڑی بے شعوری ہے۔

حاصل : قرآنِ پاک انبیاء سابقین کا مصدّق ہے۔ علمِ حدیث سند کا درجہ رکھتا ہے۔ علمِ حدیث کے امین وہ لوگ ہیں جو حضور کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ اب ذِکر کو روشن کرنا انہی کا کام ہے۔ تفکّر اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

تو کیا جو لوگ بُرے مکر کرتے ہیں، اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ اُنہیں زمین میں دھنسا دے یا اُنہیں وہاں سے عذاب پہنچے جہاں سے اُنہیں شعور بھی نہ ہو۔

جو لوگ حال پر حق کی بات کو سن کر اور ماضی کے حوالے سے اس کی تصدیق کرنے کے بعد بھی اپنی حیثیت و قدرت کو صحیح تناظر میں نہیں دیکھتے، وہ من مانی کرنے کے لئے جو تدبیریں کرتے ہیں، وہ سب بُرے مکر ہیں۔ ان لوگوں کو یہ ڈر کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ ان کی حرکات کو زمین میں دھنسا کر ختم کر دے تو قدرتِ الٰہی کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے، یہ لوگ کیا مدافعت کر سکتے

ہیں۔ جہاں بھی یہ لوگ ہوں قدرتِ الٰہی کے احاطے سے باہر نہیں جاسکتے۔ پھر ان لوگوں پر وہاں سے بھی عذاب آ سکتا ہے، جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو، مدافعت کا سامان کرنا تو بعد کی بات ہے۔

حاصل : حق کو سن کر من مانی کی تدبیریں کرتے چلے جانا، بُری تدبیریں کرنا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہیچ جاننا چاہئے ورنہ برا انجام دور نہیں ہوتا۔

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾

یا اُنہیں چلتے پھرتے پکڑ لے تو وہ اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ کسی سامان یا کسی تیاری سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ قادرِ مطلق خوب جانتا ہے، کہ کس کو کس وقت کہاں پکڑنا ہے۔ وہ چلتے پھرتے مجرموں کو پکڑ لے، تو وہ فوراً عاجز و بےبس ہو جاتے ہیں، پھر وہ کہیں بھاگ کر جا نہیں سکتے۔ جب ماضی میں یہ ہو چکا ہے، اور بڑی قوت و استطاعت والے فوراً بےبس دیکھے گئے ہیں، تو حال والوں کو اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ یہی عقل مندی ہے۔

حاصل : چلتے پھرتے بھی ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہنا چاہئے اور حق کے مطابق چلنا پھرنا چاہئے۔ قادرِ مطلق کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، یہ یقین ہو تو اعتدال قائم رہتا ہے۔

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾

یا اُنہیں خوف زدہ کرنے کے بعد پکڑ لے۔ تو بےشک تمہارا رب مہربان ہے، رحم کرنے والا ہے۔

ماحول کا اثر قبول نہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ماحول میں عذاب کے آثار نظر آئیں، تو خوف ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچانک بھی پکڑ سکتا ہے، بتدریج بھی پکڑ سکتا ہے، قدرتِ الٰہی کے سامنے انسان کی بےبسی بہرحال ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، کہ وہ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا، جو اصلاح کو قبول کر لے اس کو رحم سے بھی نوازتا ہے۔

حاصل : اللہ کی پکڑ اچانک ہو یا بتدریج ہو، انسان اس کے سامنے بالکل بےبس ہوتا ہے۔ سزا دینے میں جلدی نہ کرنا اور اصلاح کی طرف آنے والوں پر رحم کرنا اللہ کی سنّت ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ

کیا دیکھتے نہیں، کہ جو شے بھی اللہ نے خلق فرمائی ہے، اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اور وہ

سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ اظہارِ عجز کر رہے ہیں۔

ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر شے جس کا سایہ ہو اسی طرح نظر آتی ہے، کہ اُس کا سایہ طلوعِ آفتاب سے لے کر نصفُ النہار کے قریب تک مخالف سمت میں سجدہ ریز ہے، اور سورج کے راس سے آگے جھکنے کے ساتھ ہر شے کا سایہ سجدہ کرتے ہوئے مخالف سمت میں نظر آتا ہے، اس طرح ہر شے اللہ کے سامنے اظہارِ عاجزی کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ کوئی طاقت ہر شے کی اللہ کے حضور عاجزی کے اس اظہار کو روک دینے پر قادر نہیں ہے، اس کو بدل دینے پر قادر نہیں ہے۔ جس کی قدرت کے دائرے میں ہر شے کی مقامی حیثیت اس کی عاجزی سے واضح ہو رہی ہے، اس کے احکام کو نہ ماننا انتہائی جہالت ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے احاطے میں ہر شے کی حیثیت نظر آتی ہے۔ اپنی حیثیت کو دیکھتے ہوئے وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جس سے بندگی کا ثبوت ملے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے جان داروں میں سے اور ملائکہ، اور وہ اِستکبار نہیں کرتے۔

آسمانوں اور زمین میں جو جاندار ہیں، خالقِ کل کے منشاء کے مطابق اپنے اپنے دائروں میں مصروفِ کار ہیں، یہ اللہ کو ہر وقت سجدہ کرنے کی صورت ہے۔ انسان کو جو توفیق دی گئی اس کے استعمال میں رُخ کا تعین انسان کے ذمے ہے، مگر جانا انسان کو بھی اسی قادرِ مطلق کی طرف ہی ہے۔ اگر کوئی حق کو نہیں مانتا تو ناحق سے بچ جانا اُس کے بس میں نہیں رہتا۔ ملائکہ قربِ الٰہی کے اعتبار سے بڑا درجہ رکھتے ہیں، اور اُن کی یہ شان ہے کہ وہ اِستکبار نہیں کرتے۔ جو اپنے منشاءِ تخلیق سے غافل نہ ہو وہ استکبار کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔

حاصل : اللہ کی بندگی ہی ہمارے بندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ پاکیزگی اور اِستکبار کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جسے اللہ کی رضا مطلوب ہو وہی اِستکبار سے بچ سکتا ہے۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾

اپنے اوپر اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں اور وہی کرتے ہیں، جس کا اُنہیں امر ہو۔

ملائکہ قربِ الٰہی کے باوجود اپنے اوپر اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں۔ انہیں ڈر یہ ہوتا ہے کہ مالکِ کل علیم مطلق ہے، اور وہ اس کے مملوک ہیں، کسی مقام پر مالک کی منشاء میں مملوک کی منشاء شامل نہ ہو جائے کہ یہ حضوری کے آداب کے منافی ہے۔ فرشتے وُہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں امر ہوتا ہے، انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قدم بڑھانا اطاعت کے دعوے کی نفی کر دیتا

ہے۔

حاصل : مملوک کو مالک کا ڈر رکھنا چاہئے اور ادب سے اُس کے امر کی تعمیل کرنی چاہئے، یہ حضوری کے آداب ہیں۔ فرشتوں کو یہ یقین ہوتا ہے، کہ ماضی، حال اور مستقبل میں کسی مقام پر ربّ العالمین سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں، اس لئے تعمیلِ ارشاد میں وہ ہمیشہ یکسو رہتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُنہیں کا حال بُرا ہے۔ اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے اور وُہی عزّت والا، حکمت والا ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾

اور اللہ نے فرمایا، دو معبود نہ ٹھہراؤ، معبود تو ایک ہی ہے، تو مجھ ہی سے ڈرو۔

عبد کو معبود کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ جب اللہ کی رضا کے ساتھ انسان کی اپنی خواہش بھی مطلوب کے درجے میں آ جائے، تو یہ دو معبود ٹھہرانے کی صورت ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یکسوئی ہوگی تو شرک سے بچنا ممکن ہو گا، اور یکسوئی اسی صورت میں ہوگی، جب معبود ایک ہی مانا جائے۔ معبود کا ڈر اس طرح ہونا چاہئے، کہ خلوت و جلوت کے ہر ہر مقام پر اپنی پسند کو اس کی رضا کے تابع رکھا جائے۔

حاصل : اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی رضا کے مقابل کبھی اپنی پسند کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، یہی اللہ سے ڈرنے کی طریقت ہے۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾

اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اُسی کا دِین دائمی ہے، تو کیا غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔

ہر شے کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو کچھ کسی کے استعمال میں آتا ہے، اس کے لئے شکریہ مالکِ حقیقی کا ہی ادا کرنا چاہئے، اور مالکِ حقیقی کا شکریہ اسی طرح ادا ہوتا ہے، کہ اس کی عطا کو چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو، اُس کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اللہ کا روشن کردہ نظامِ حیات ہی وہ دین ہے جس کو دوام ہے، باقی کسی نظام کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ غیر اللہ سے ڈرنے کے معنی اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اور اس کی دی ہوئی مہلت کو ضائع کرنا ہے، اور یہ قطعاً جہالت ہے۔

حاصل : ہر شے جو ہمیں بالواسطہ یا بلاواسطہ حق کے مطابق حاصل ہوتی ہے، اس کو عطائے الٰہی جان کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ غیر اللہ سے ڈرنا جہالت ہے، اور اللہ سے ڈرنا علم ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾

اور تُمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں دکھ پہنچتا ہے، تو اُسی کی طرف پناہ لیتے ہو۔

جو نعمت بھی کسی کو حاصل ہے، وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس کے استعمال کے ایک ایک پہلو پر نظر کر کے دیکھئے، سب کچھ باذنِ اللہ معلوم ہو گا۔ جب دکھ پہنچتا ہے، تو پھر اللہ سے دعا کی جاتی ہے۔ دکھ کے وقت میں جس سے مدد مانگنا طبعی طور پر آسان ہے، اس قادرِ مطلق کا کوئی شریک نہیں۔ کسی مشکل میں، کسی مقام پر، کسی وقت اللہ سے دعا مانگنی آسان ہوتی ہے، عبد و معبود کا یہ رشتہ بھی باعثِ ہدایت ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی ہر ہر نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ دکھ انسانی تجویزوں کو ناکام بنا دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا آسان ہو جاتا ہے، یوں دکھ بھی قُربِ الٰہی کے لئے سواری کا کام دیتا ہے۔

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

پھر جب وہ تم سے دکھ کو ٹال دیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اپنے ربّ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

من مانی کرنا جن لوگوں کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، وہ دکھ کے وقت اللہ کو بہت پکارتے ہیں۔ جب ان کے دکھ کو ٹال دیا جاتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی بجائے، اسباب کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اسباب کا ذکر بھی اس انداز سے ہوتا ہے، جس سے مسبّب الاسباب کی شان واضح نہ ہو، بلکہ بیان کرنے والے کی فہم و بصیرت اور بڑائی ظاہر ہو، یہی شرک ہے۔

حاصل : من مانی کرنے والے دکھ کے وقت میں اللہ کو پکارتے ہیں، جب وہ دکھ کو ٹال دیتا ہے، تو وہ اپنی فہم و بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے اِستکبار کرنے لگتے ہیں، یہی شرک ہے۔

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

کہ ہماری عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کریں۔ تو بَرت لو، کہ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

اللہ کی عطا کردہ نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہے، اور کفرانِ نعمت سے برکت ختم ہو

جاتی ہے، برکت ختم ہو جانے کے بعد نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ ناشکری کرنے والوں سے فرمایا گیا ہے، کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے، اسے برت لو، چند روز کی تو بات ہے، تمہیں جو وقت دیا گیا ہے، اس میں سے کچھ گزر چکا ہے، کچھ باقی ہے، اسے لاپرواہی سے ضائع کیا جا رہا ہے، مہلت کے خاتمے پر تمہیں معلوم ہو جائے، تمہیں کیا کرنا چاہئے تھا، اور تم کیا کرتے رہے، مگر اس وقت کا ماننا تمہیں نفع نہ دے گا۔

حاصل : کفرانِ نعمت سے برکت ختم ہو جاتی ہے، برکت ختم ہو جائے، تو نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ حال ہی وہ زمانہ ہے، جس میں اصلاح کو اختیار کرنا نفع دیتا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۗ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے اُن کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں۔ خدا کی قسم، تم سے تمہارے افتریٰ کے بارے میں ضرور پوچھ ہو گی۔

رزق دینے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ جب اس کے دیئے ہوئے رزق سے خلافِ حق استعمال ہو، اور جن کے نام پر خرچ کیا جائے، انہیں معطی سمجھا جائے، انہیں نفع اور ضرر دینے والا سمجھا جائے، تو یہ عملاً شرک ہے، اور افتریٰ باندھنے کی صورت ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ افتریٰ باندھنے والوں سے پوچھا جائے گا، کہ تم نے غیر اللہ کو کیوں معبود جانا، کس طرح تم ان کو معطیٔ مطلق کہتے رہے، کس طرح اور کس علم سے ان کا حصہ مقرر کرتے رہے، تمہارے علم میں قطعاً ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہ تھی۔ جب یہ پوچھ ہو گی، تب خلافِ حق بات کرنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا رزق اس کے فرمان کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے۔ مخلصین کی طریقت کے مطابق استعمال ہو تو برکت بڑھتی ہے۔ عقائد کے درست ہونے کی سند موجود ہونی چاہئے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾

اور اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے، اور اپنے لئے جو اپنا دل چاہتا ہے۔

اللہ پر افتریٰ باندھنے والے، اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہوئے کہتے ہیں، کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ کی شانِ بے مثل میں یہ بڑی بے ادبی ہے، کہ اس کے لئے اولاد ٹھہرائی جائے۔ اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے، اور اللہ کی مثل ہو نہیں سکتی۔ افتریٰ باندھنے والے، اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا بھی نہیں مانتے، کہ جو اللہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں وہ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں

حاصل : اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا ایک علم ہے، جو شاہدین سے سیکھا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ عبد باادب ہو تو معبود سے اس کا تعلق حقیقی ہوتا ہے، تعلق حقیقی ہو تو نورِ معرفت حاصل ہوتا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾

اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔

اللہ پر افترٰی باندھنے والوں میں سے جب کسی کو یہ خبر دی جاتی ہے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے، اور وہ غصہ کھاتا ہے۔ اس خبر کو ناپسند کرنے کی وجوہ سب استکبار سے تعلق رکھتی ہیں، اور ان لوگوں کو اپنی بڑائی سے زیادہ کچھ عزیز نہیں ہوتا۔ جس کو یہ نظر آتا ہو کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ احتیاج سے خالی نہیں ہے، اس کو اللہ کے سامنے بڑائی کی بات کرتے ہوئے یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ کو کبھی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔

حاصل : بیٹی ہو یا بیٹا، عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کی عطا، بڑے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کی عطا کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھنے والا شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾

اس بشارت کی برائی کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، کیا اسے ذلّت کے ساتھ رکھے گا یا اُسے مٹّی میں دبا دے گا۔ دیکھو کتنا بُرا حکم لگاتے ہیں۔

اللہ پر افترٰی باندھنے والوں کو بیٹی کی بشارت سن کر یہ خیال آتا ہے، کہ یہ زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا اور یہ بھی ان کی بڑائی کی نفی کرنے کی صورت ہوگی۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس ذلّت کو قبول کر لیا جائے، جو کسی کو داماد بنانے کی صورت میں ہوگی، دوسری یہ کہ اس کو زندہ یا مردہ دفن کر دیا جائے اور ذلّت سے خود کو بچایا جائے۔ اس حکم کی برائی ملاحظہ ہو، جس سے یہ بیٹی پیدا ہوئی ہے، وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، اپنی بیوی کے لئے جو کسی کی بیٹی ہے اور طرح سوچا جائے اور اپنی بیٹی کے لئے جو کسی کی بیوی بنے گی اور طرح سوچا جائے تو یہ صریحاً برائی ہے۔

حاصل : اِستکبار کرنے والوں کو بیٹی کی بشارت سے بڑا دکھ ہوتا ہے، وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ جو بات ہمیں اپنی بیوی کے لئے جو کسی کی بیٹی ہے اچھی لگتی ہے، وہی ہمیں اپنی بیٹی کے لئے بھی پسند کرنی چاہئے۔ جو حکم معاشرے کے توازن کو بگاڑنے والا ہو وہ بُرا حکم ہے، جو بہت بگاڑنے والا ہو وہ بہت ہی بُرا حکم ہے۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کا حال بُرا ہے۔ اور اللہ کی شان سب سے بلند اور وہ عزّت والا حکمت والا ہے۔

مشرکین آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کا حال برا ہے۔ اگر نتیجہ ان کی پسند کے مطابق ہو تو مزید کی طلب انہیں پریشان کرتی ہے اور اگر نتیجہ ان کی پسند کے خلاف ہو تو وہ فوراً دکھ کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ انہیں کبھی راحت نہیں ہوتی۔ آخرت میں ان کا انجام بہت برا ہو گا۔ اللہ ہر شے کا مالک ہے، مگر اس کی شان ہے، کہ اسے کوئی احتیاج نہیں۔ جو بھی بناتا ہے، علم مطلق سے بناتا ہے۔ جس کو جو عطا کرتا ہے، وہ اس کے لئے باعث فلاح ہو سکتی ہے۔ جو فرماتا ہے اس میں ماننے والے لوگوں کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔ جس سے اللہ نے منع کیا ہو، اس سے منع نہ رہنے میں خسارہ ہوتا ہے۔ اس سے بڑی کوئی شان نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی۔ اللہ کی عزت اس کی قدرت کے ساتھ ہے، اور اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ اللہ کی حکمت اس کے علم کے ساتھ ہے اور اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ جس کو عزت اور حکمت کی طلب ہو، اسے وہ راہ لینی چاہئے جس میں اللہ کی رضا معلوم ہو۔

حاصل : آخرت پر ایمان نہ لانے والے حال پر بےاطمینانی کے دکھ میں ہوتے ہیں، آخرت میں انہیں عذاب ہو گا۔ جسے عزت اور حکمت کی طلب ہو اسے اللہ کی رضا کے لئے سعی کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ الکہف (١٨) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے لگا، اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا، تو کسی کو نہ چھوڑتا، ولیکن وہ انہیں اجلِ مسمّٰی تک ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کی اجل آئے گی نہ ایک ساعت پیچھے ہٹیں گے نہ آگے جائیں گے۔

حق کا پتہ ہونے کے باوجود، خلافِ حق کیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر فوراً گرفت کرتا تو کوئی ظالم زمین پر باقی نہ رہتا۔ یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، مگر اُس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خلافِ حق کرنے والوں کو اجلِ مسمّٰی تک مہلت دیتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی کُلّی مہلت کے ختم ہو جانے پر گرفت ہو گی اور وہ گرفت ایسی نہیں ہو گی، کہ اس میں گرفتار ہونے والے کی پسند کو کچھ دخل ہو، ایک ساعت پیچھے ہٹنا یا آگے بڑھنا ممکن نہ ہو گا۔ بات ظلم کرنے والوں کی ہو رہی ہے، مجرموں

کی ہو رہی ہے، اور اللہ کا فرمان اس بات کی سند ہے، کہ مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہوتے، اس لئے مسلم اس زمرے میں شمار نہیں ہیں۔

حاصل : ظالم کو اصلاحِ حال کے لئے ڈھیل دینی چاہئے۔ اللہ اگر چاہتا تو ایک ظالم بھی زمین پر چلنے والا نہ رہتا۔ گرفتار ہونے والے کی پسند کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے خلافِ حق کرنے والوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

اور اللہ کے لئے وہ ٹھہراتے ہیں، جس سے خود اُنہیں کراہت ہے۔ اور جھوٹ کہتی ہیں ان کی زبانیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے۔ ثابت یہی ہوا کہ ان کے لئے آگ ہے، اور وہ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

ظالم لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں سے کراہت کرتے ہیں، مگر اللہ کے ساتھ اولاد کو منسوب کرتے وقت فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ عقیدے کا نقص دیکھئے کہ اپنے معبود سے خود کو برتر ثابت کیا جا رہا ہے، اور پھر یہ دعویٰ بھی ہے، کہ ہم یہاں بھی آسانی سے رہ رہے ہیں، آخرت میں بھی ہمیں آسانی حاصل ہو گی۔ حیاتِ دنیا کی آسانی کا استعمال خلافِ حق ہو تو آخرت میں عذاب ہو گا، اس لئے ثابت یہی ہوا کہ آخرت میں ان کے لئے آگ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

حاصل : معبود کے سامنے خود کو کمترین ثابت کرنا ادب ہے۔ بات سند سے ہو تو سچی ہوتی ہے۔ جو لوگ عطائے الٰہی کو خلافِ حق استعمال کرتے ہوئے اِس دنیا سے جاتے ہیں، اُن کے لئے آگ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ رزق ناپاک ہو تو وہ بھلائی کے لئے استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

اللہ کی قسم ہم نے تم سے قبل امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کیا، تو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اِس مقام پر اللہ تعالٰی کی طرف سے قسم اس بات کو واضح کرتی ہے، کہ سابقہ امتوں کا رویہ بھی یہی رہا ہے جو اس امت کا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات پہلے لوگوں پر بھی تھیں، اب بھی ہیں، ہوتا یہی رہا ہے کہ لوگوں نے متاعِ حیات کو اہمیت دی ہے، اور جس کے پاس انہیں وسعتِ حال نظر آئی ہے، وہ ان کی نظر میں لائقِ احترام ٹھہرا ہے۔ شیطان نے انہیں یہی دکھایا ہے کہ جس کے پاس متاعِ حیات بہت ہے، اسی کے اعمال خوب ہیں۔ اس کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے شیطان کی دوستی اور المناک عذاب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

حاصل : اعمال اُسی کے خوب ہیں، جو حق کے مطابق رہتا ہے، اور وسعتِ حال کو اپنی فضیلت کی بنیاد نہیں بناتا۔ شیطان جن کا دوست ہے، وہ دنیا میں خوف و حزن کے دائرے سے نکل نہیں سکتے، اس کے بعد ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی کہ آپ روشن کر دیں جس بات میں وہ اختلاف کریں، اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

قرآنِ پاک کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، جو خاتم النبیین ہیں، منشائے نزول یہ بتایا گیا ہے، کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کو روشن فرما دیا جائے، روشن فرمانے والا، کتابِ الٰہی سے سند دے کر اختلاف کو دور کرے۔ اختلاف میں مبتلا لوگ، اگر کتابِ الٰہی سے براہِ راست استفادہ کریں، اور روشن کرنے والے کی ذات فیصلہ کرنے والی نہ ہو، تو اختلاف کبھی دور نہ ہو گا۔ ایمان والے لوگ وہی ہوتے ہیں، جو ناصحین سے محبت رکھتے ہیں، انہی کے لئے قرآنِ پاک باعثِ ہدایت و رحمت ہے۔

حاصل : اختلاف کو دور کرنا شاہد کی شان ہے۔ شاہد کی طرف سے دی گئی سند ہمیشہ قرآنِ پاک سے ہو گی۔ جنہیں ناصحین سے محبت ہو وہ ایمان والے ہیں، اُنہیں کے لئے قرآنِ پاک باعثِ ہدایت و رحمت ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ع

اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ کیا۔ بےشک اس میں سننے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

زمین کی قوتِ نامیہ فنا ہو جائے تو وہ مناسب نمی اور مناسب درجۂ حرارت کے نہ ہونے کی وجہ سے اگانے کی صلاحیت کھو دیتی ہے، ایسی زمین کو مُردہ زمین کہا جاتا ہے۔ ایسی زمین کو اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے، اور اس کی اگانے کی صلاحیت

عود کر آتی ہے۔ زیرِ زمین پانی بھی پانی ہے اور آسمان سے برسایا گیا پانی بھی پانی ہے مگر اس کے ذائقے کا فرق، اس کے زمین پر اثرات کا فرق، حضرتِ انسان کے دیکھنے میں آتا ہے۔ پھر بارش کے پانی میں بو نہیں پیدا ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ سن لیا ہے، کہ زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد، اللہ اسے زندہ کرتا ہے، انہیں اللہ کی قدرت کا ایسا مشاہدہ ہوتا ہے، کہ وہ غور و فکر کرنے لگتے ہیں اور ایک وقت کے بعد بَعث بعدَ الموت کو مان لیتے ہیں۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال ممکن ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت انسان کے مشاہدے میں آتی ہے۔ جس نے سن لیا ہے، کہ اللہ بارش کے پانی سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسے بَعث بَعد الموت کو مان لینا مشکل نہیں ہوتا۔ بارش کے پانی اور زیرِ زمین پانی کے خواص کا فرق تو کسی حد تک انسان کو معلوم ہے، یہ معلوم نہیں کہ بارش کے پانی میں زمین کو زندہ کرنے والا جزوِ لطیف کون سا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرّوم (۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے، جس دن قیامت قائم ہو گی اُس دن ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو جائیں گے۔ تو جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے ان کی جنّت میں عزّت افزائی ہو گی۔ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَكَذَّبُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا وَلِقَآئِ ٱلْـَٔاخِرَةِ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ فِى ٱلْعَذَابِ مُحْضَرُونَ۔ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیات اور آخرت کے ملنے کی تکذیب کی وہ عذاب میں لادھرے جائیں گے۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِى ٱلْأَنْعَـٰمِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِى بُطُونِهِۦ مِنۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّـٰرِبِينَ ﴿٦٦﴾

اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں سبق ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اُس سے جو اُن کے بطون میں گوبر اور خون کے بیچ میں سے ہے، خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوش گوار ہوتا ہے۔

حکمتِ الٰہی کے بہت سے عجائب چوپایوں میں پائے جاتے ہیں۔ حضرتِ انسان کے لئے ان میں بڑا سبق موجود ہوتا ہے۔ جانور کھانے پینے میں اپنے اعتدال کو قائم رکھتے ہیں، اپنی نوع کے خواص کے دائرے سے باہر نہیں جاتے، بقائے نسل کے دائرے میں کبھی بے محل عمل نہیں کرتے۔ مادہ جانوروں کی خوراک سے صرف خون اور فضلہ نہیں بنتا، بلکہ اُن کے درمیان سے ایک لطیف شے دودھ بھی بنتی ہے، جس کا کوئی مزاج نہیں ہوتا، جو پینے میں خوش گوار ہوتا ہے، اور پینے والے کے جسم کے اندر موجود کیفیت کو ابھارتا ہے۔ دودھ کی مقدار مویشیوں میں اس قدر ہوتی ہے، کہ وہ اُن کے بچوں کی ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، اور اِس طرح انسانی غذا کا ایک حصہ فراہم ہوتا رہتا ہے۔ انسانی علم سے خوراک کو خون اور دودھ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : چوپایوں کے اندر بھی ہمارے لئے سبق موجود ہیں۔ جو اللہ خون اور گوبر کے درمیان سے دودھ جیسی لطیف شے کو نکال سکتا ہے، اس کی قدرت کا کوئی جواب نہیں۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے

مقام کو دیکھتے رہنا چاہئے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور کھجور اور انگور کے ثمرات سے نشہ بناتے ہو اور اچھا رزق۔ بے شک اُس میں عقل والے لوگوں کے لئے ضرور نشانی ہے۔

کھجور اور انگور کے ثمرات سے نشہ اور مائع تیار کی جاتی ہے، جس کا محل استعمال علاج معالجے اور صنعتی ضروریات کے دائرے میں ہو تو یقیناً درست ہو گا، اور نشے کے لئے اس شراب کو استعمال کیا جائے تو یہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہو گا۔ ان دونوں نعمتوں کو اچھے رزق کی صورت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، تب ان کا استعمال خوراک کی صورت میں ہوتا ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ خواص ہر شے کے اللہ نے رکھے ہیں۔ بنانے والے علیم و حکیم کے علم کی روشنی میں کسی شے کا مفید ہونا یقینی ہے۔ اور جب انسان کی چاہت کسی شے کا سوء استعمال مقصود ٹھہرا لے، تو نقصان بھی بری راہ اختیار کرنے والے کو ہوتا ہے۔

حاصل : عقل والے کسی بھی شے کو استعمال کریں، افادیت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ خواص سب اللہ نے رکھے ہیں۔ کوئی بھلائی کی راہ اختیار کرے یا برائی کی راہ اختیار کرے، اپنے کئے کی جزا پائے گا۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا، کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور بلند کئے گئے مقامات پر چھتے بنا۔

شہد کی مکھی کو اس کا مقصد تخلیق خالق کل ہی بتا سکتا تھا۔ وہ مقامات جہاں پر اس کا قیام اس کے کام کو آسان بنا دے اس پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیئے۔ پہاڑوں پر، درختوں پر اور بلند مقامات پر وہ بلندی بلند عمارتوں کی بدولت ہو، یا بلند کی گئی بیلوں کی صورت سے ہو شہد کی مکھی اپنے کام میں اس طرح مصروف ہے کہ کبھی اپنے منشائے تخلیق سے غافل نہیں ہوتی۔ اس کا کام اس قدر نفیس ہے کہ مصنوع کے فعل کو دیکھ کر نظر صانع کی طرف ضرور جاتی ہے۔ صحیح مقام کا انتخاب، اپنے گھروں کو بنانے کے لئے ایسی مائع کو استعمال کرنا جو جلد ہی ٹھوس بھی ہو جائے، اور اس وزن کو بھی سہار سکے جس کے لئے اسے بنایا گیا ہے، اس گھر کو اس طرح خانوں میں تقسیم کرنا کہ شہد بھی بنتا رہے، سنبھالا بھی جائے، بقائے نسل کا کام بھی ہو، اور فیصلہ کرنے والی مکھی جب نقل مکانی کا فیصلہ کر دے یا مدافعت کا حکم دے دے تو اس کا حکم سب کو فوراً معلوم ہو، اور ہر رکن فوراً ہنگامی خدمت کے لئے مستعد ہو جائے اور بہت سے دوسرے کام اس قدر صحت سے انجام پا رہے ہوتے ہیں کہ شہد کی مکھی کا مطالعہ، انسان کے لئے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع پیدا کرتا ہے۔

حاصل : شہد کی مکھی جائے قیام کو، اللہ کے عطا کردہ علم سے منتخب کرتی ہے۔ اپنا گھر بنانا، اُس کے خانوں کو مختلف کاموں کے لئے تقسیم کرنا، ایک حکم دینے والے کے تابع رہنا، اپنا اپنا کام بڑے حُسن سے انجام دینا، دوسرے کے کام میں رکاوٹ نہ بننا، بلکہ اس کے کام میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور اس کے علاوہ بہت کچھ، شہد کی مکھی کے مطالعے سے سیکھا جا سکتا ہے۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

پھر سب ثمرات سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لئے آسان ہیں۔ اس کے بطن سے مختلف رنگوں کی پینے کی ایک چیز نکلتی ہے، جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ بےشک اس میں تفکّر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

شہد کی مکھی کو یہ بھی بتا دیا گیا، کہ جس مقام پر تمہارا قیام ہو، وہاں قرب و جوار میں جو بھی پھول ہیں، پھل ہیں، انہیں کھاؤ، ان سے شہد بناؤ۔ چھتے سے پھولوں کی طرف پرواز کرنا اور پھولوں سے چھتے کی طرف آنا یہ مکھی کے لئے آسان ہے۔ یہ آسانی اسے اللہ نے دی ہے۔ شہد کی مکھی کے بطن سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے، یہ کئی رنگوں میں ہوتی ہے، رنگوں کا اختلاف، مکھی کے منتخب کردہ مقام، حاصل کردہ غذا اور موسم کی بدولت ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہوتی ہے۔ دوا بیرونی استعمال کی ہو یا اندرونی استعمال کی ہو، شہد کو اس میں ضرور شامل کیا جاتا تھا، کہ اس میں شفا کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ غور و فکر کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جن ثمرات سے مکھی غذا حاصل کرتی ہے، ان میں ایک وقت کے بعد تعفن پیدا ہو جاتا ہے، مگر شہد میں کبھی ناگوار بو پیدا نہیں ہوتی۔ ثمرات کے لطیف اجزا کو حاصل کرنا، ان کو اپنے پیٹ کے اندر کئی طرح کی کیمیاوی تبدیلیوں سے گزارنا، اور پختگی کے بعد اسے چھتے میں جمع کرنا، یہ اتنے نفیس کام ہیں، کہ دیکھنے والا اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر کے اپنے عقیدے کو درست کر سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کا مشاہدہ، عقیدے کو درست کرنے میں مدد دیتا ہے۔ شہد میں شفا رکھی گئی ہے، محلِ استعمال، طریقِ استعمال اور مقدار کا فیصلہ معالج کرتا ہے۔ جو تفکّر نہ کریں وہ اللہ کی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا

اور اللہ نے تمہیں خلق فرمایا، پھر تمہیں وفات دے گا۔ اور تم میں سے کوئی ارذل عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے

يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾

بعد کچھ نہیں جانتا، بےشک اللہ علم والا قدرت والا ہے۔

اللہ خالق کل ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی وفات دے گا۔ نہ پیدائش میں انسان کی پسند کو دخل ہے، نہ موت میں اس کی پسند کو دخل ہے، اس لئے پیدائش و موت کے حوالے سے جب بھی بات کی جائے اسی حق کو ملحوظ رکھ کر کی جائے۔ بعض لوگ اتنی لمبی عمر پاتے ہیں، کہ جاننے کے بعد ان پر نہ جاننے کا مقام آ جاتا ہے۔ وہ علم جو انہیں دوسروں کے مقابل امتیاز بخشتا تھا، باقی نہیں رہتا۔ طاقت کے بہت کم ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی ذات کو بھی قویٰ اور حواس کے اعتبار سے اعتدال پر نہیں رکھ سکتے۔ علم الٰہی کو دوام ہے، قدرتِ الٰہی کو دوام ہے، اور جہاں علم و قدرت موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ جسے ارذل عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے، اس کے علم کے دعوے کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے، اس کی قدرت کا دعویٰ بھی بے معنی ہو جاتا ہے۔

حاصل : پیدائش و موت کے حوالے سے جب بھی بات ہو، علیم مطلق کا ذکر ضرور ہو۔ ارذل عمر کی طرف جن لوگوں کو پھیرا جاتا ہے، وہ جوانی میں اپنے علم اور قدرت پر فخر کرتے رہے ہوں تو لوگ اُن کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔ علم اور قدرت، اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، اُسی کے فرمان کے تابع رہ کر ہی ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (٣١) میں ارشاد فرمایا ہے:

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾

یہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تو مجھے دکھاؤ تو سہی جو اُس کے مقابل دوسروں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ ظالم گمراہی میں ہیں۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾

اور اللہ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی۔ تو جنہیں فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوک لوگوں میں نہیں بانٹ دیں گے کہ وہ سب اُس میں مساوی ہو جائیں۔ تو کیا اللہ کی نعمت کے منکر بنتے ہو۔

رزق عطا کرنے والا، اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنی حکمت سے بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ جو لوگ ناجائز طریقوں سے رزق حاصل کر کے اپنا مقام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں پاک لوگوں کے

معاشرے میں کبھی قدر و منزلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا عطا کردہ رزق وہ ہے جو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ کسی کو حاصل ہو۔ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل نہ ہو تو سرمائے کا بہاؤ رک جائے، اور اس بہاؤ کے بغیر معاشرتی زندگی عدم توازن کا شکار ہو جائے گی۔ انسانی رویہ یہی ہے کہ لوگ اپنے غلاموں کو عطائے الٰہی سے اس طرح نہیں نوازتے کہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں، بلکہ انہیں حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو درکار ہو خوف خدا رکھنے والے انہیں وہ ضرور دیتے ہیں۔ درجات کی موجودگی، زندہ معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مملوک کبھی مالک کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر مالک کل کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بڑی جہالت کی بات ہوگی۔ اگر انسان کو یہ دعویٰ ہے کہ اس کی تقسیم میں علم موجود ہوتا ہے، اس میں حکمت موجود ہوتی ہے، تو پھر اسے علم و حکمت عطا کرنے والے کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔ نعمت کی ناشکری کرنے والا بے حقیقت ہو جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا رزق پاک ہوتا ہے۔ جس کو رزق کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہو، اس کے ذمّے کام بھی اسی نسبت سے ہوتے ہیں۔ اپنے ماتحت لوگوں کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے مدد دینی چاہئے۔ درجات کی موجودگی، معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعمت کا درست استعمال شکر گزاری ہے تو اس کا خلافِ حق استعمال ناشکری ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے انفس سے عورتیں بنائیں، اور تمہارے لئے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور تمہیں طیّبات سے رزق دیا، تو کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کو نہیں مانتے۔

بقائے نسل انسانی کے لئے مرد کے ساتھ اسی کی نوع سے عورت کو پیدا کیا گیا ہے، اور میاں بیوی کے رشتے کو مودّت اور رحمت سے قوت دی گئی ہے۔ بقائے نسلِ انسانی کے عمل میں اگر انسان کو اپنے اوپر جبر کرنا پڑتا، تو انسانی زندگی بہت سے نقائص سے جڑ جاتی۔ میاں بیوی کے درمیان طبعی انس زندگی کو حسین بناتا ہے۔ عورتوں سے اولاد ہوتی ہے۔ اس طرح بیٹے سے بیٹا پیدا ہو تو پوتا کہلاتا ہے، بیٹی کے ہاں ہو تو نواسہ کہلاتا ہے۔ اولاد عطا کرنے والا، اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ نوعِ انسانی کو اللہ تعالیٰ قائم رکھنے والا ہے۔ پھر فرد کی زندگی کو بھی دیکھا جائے تو اللہ نے طیّبات سے جو رزق عطا فرمایا ہے وہ بقائے شخصی کے لئے ضروری ہے۔ حق کو ماننا، اللہ کی نعمت کو ماننا ہے، اور حق کا انکار کرنا باطل پر ایمان لانا ہے۔ اللہ نے اگر کسی کی دعا کو اس کی ذات کے لئے قبول کیا تو بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا، اور کسی مخلص کی دعا کو کسی دوسرے کے حق میں قبول کیا تو بھی قبول کرنے والے کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

حاصل : نوعِ انسانی کو باقی رکھنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ عورت ہو، بیٹا ہو، پوتا ہو یا کوئی بھی اہلِ بیت ہو، اس کو حق کے مطابق رہنے کا علم سکھانا چاہئے۔ اللہ کے پاک رزق سے کھانا چاہئے اور کسی شے کی

بےقدری نہیں کرنی چاہئے۔ حق کو ماننا ہمیشہ باعثِ برکت ہوتا ہے، باطل کو ماننے والے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٧٣﴾

اور اللہ کے مقابل اُن کی عبادت کرتے ہیں، جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی رزق نہیں دیتے اور نہ انہیں استطاعت ہی ہے۔

آسمان سے رزق دینا اللہ کا کام ہے، کہ وہ بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ سورج، چاند، ستاروں کی روشنی سے لوازماتِ زندگی کو وہ کچھ عطا کرتا ہے، جس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ زمین کو اگانے کی صلاحیت بھی اللہ نے دی ہے۔ معبود کی شان تو یہ ہے، کہ وہ اپنے عبد کی ضروریات کا پورا پورا علم رکھتا ہے، اس کی ضروریات کو اس طرح پورا کرتا ہے، کہ ہر جگہ پر اعتدال قائم رہتا ہے۔ اس کا علم ہر جگہ محیط ہے، اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے، اس کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا، جسے جو استطاعت حاصل ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ دائرۂ عبدیت سے باہر نکل جانے کی استطاعت کسی کو ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : معبود کی شان ہے کہ وہ آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کسی دوسرے کو یہ استطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ بندے کو اپنی ضروریات کا پورا علم نہیں ہوتا، اللہ کو ہر ایک کی ضروریات کا بڑا علم ہوتا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾

تو اللہ کے لئے امثال نہ بناؤ۔ بےشک اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

جو لوگ اللہ کے لئے مثالیں گھڑتے ہیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے، کہ یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے، کہ اسے اس کے اختیارات میں مخلوق کی طرح سمجھا جائے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے علم کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کا یہ مقام نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی مشیّت ہر جگہ کارفرما ہے۔ رخ کے اختیار کرنے کی آزادی ضرور دی گئی ہے، مگر نتائج پر قدرت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ علمِ مطلق تو ہے ہی اللہ کی شان کے لائق۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بات نہ کرے وہ بےعلمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

حاصل : اللہ کے لئے مثالیں بنانا قطعاً بےعلمی ہے۔ اللہ کی مشیّت کے خلاف کرنا ناممکن ہے۔ جو علمِ حقیقی سے روشنی نہ لے وہ بےعلمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی۔ ایک بندہ

يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

مملوک ہے، کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا. اور ایک وہ جسے ہم نے خوب رزق دیا ہے، تو وہ اسے چُھپے اور ظاہر خرچ کرتا ہے۔ کیا وہ مساوی ہوں گے۔ حمد اللہ ہی کی ہے، پر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اللہ کی بیان کردہ مثال، انسان کے مشاہدے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک بندہ تو وہ ہے جو مملوک ہے، غلام ہے، کسی شے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا، مالک کی اجازت کے بغیر وہ کسی تصرف کا حق نہیں رکھتا، دوسرا بندہ وہ ہے، جسے مالک ہونے کا شرف ہے، اس کو خوب رزق دیا گیا ہے، وہ اس رزق کو چھپے بھی اللہ کی رضا پر خرچ کرتا ہے، ظاہر بھی اللہ کی رضا پر خرچ کرتا ہے، کوئی اس کو روکتا نہیں۔ کیا یہ دونوں بندے مساوی ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا، کہ یہ دونوں مساوی ہو سکتے ہیں، اس لئے یہاں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمایا گیا ہے۔ جب یہ دونوں نوع کے اعتبار سے بندے ہونے کے باوجود برابر نہیں ہو سکتے، تو مالکِ کل کے سامنے کسی کو برابر قرار دینا بالکل بے جا ہو گا۔ اللہ کی شان بے مثل ہے۔ مشرک لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

حاصل : مملوک کبھی مالک کے برابر نہیں ہو سکتا، تو مالکِ کل کے ساتھ کسی کی برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مشرک کو کبھی مومن معاشرے میں معلّم نہیں بنانا چاہئے، کہ مشرک علم والا ہو ہی نہیں سکتا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ ع

اور اللہ نے مثال بیان فرمائی، دو مرد ہیں، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کچھ کام نہیں سنوار سکتا اور وہ اپنے مولیٰ پر بوجھ ہے، جدھر بھیجے کچھ بھلائی نہ لائے، کیا مساوی ہیں یہ اور وہ شخص جو عدل سے امر کرتا ہے، اور وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔

اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے، کہ دو مرد ہیں، ایک گونگا ہے، بہرا ہے، جو کچھ کام نہیں سنوارتا۔ اس کا مولا اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، مگر وہ اپنے مولا کو کچھ سکھ نہیں دیتا۔ جس طرف بھی اس کو بھیجا جائے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، بھیجنے والے کے منشاء کے مطابق کام نہیں کرتا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عدل سے امر کرتا ہے، حق کے حوالے سے پوری بات کرتا ہے، نورِ حق کو پھیلاتا ہے، اور سیدھی راہ پر رہتا ہے، اس کے صراطِ مستقیم پر ہونے کا فائدہ، طالبین کو بھی ہوتا ہے، کہ وہ اس مردِ پاک کو دیکھ کر اپنے رخ کو درست کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں مرد برابر نہیں ہو سکتے، تو پھر معیارِ عدل کا مقرر کرنے والا اور صراطِ مستقیم کا تعیّن کرنے والا ایسی شان کا مالک نہیں کہ کوئی اس کے ساتھ برابری کر سکے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ مطلق سے عدل کے معیار کو مقرر کیا ہے، اپنے علمِ مطلق سے صراطِ مستقیم کا تعین کیا ہے، بندہ کبھی عدل کے معیار کو مقرر نہیں کر سکتا تھا، بندہ کبھی صراطِ مستقیم کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اللہ سے کسی کی برابری کیسے ہو سکتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزّمر (٣٩) میں ارشاد فرمایا ہے، کیا انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں، فرمائیے کیا اگر چہ وہ کسی شے کے مالک نہ ہوں اور عقل نہ رکھتے ہوں،

قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

فرما دیجئے، شفاعت تو سب اللہ کے ہاں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے۔ تو تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾

اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کا ہے، اور امرِ ساعت تو ایسے ہی ہے جیسے پلک کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی قریب، بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ انسان کو نظر آتا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ غیب ہے۔ اللہ نے اسے اپنے علم سے رکھا ہے۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ اس کائنات کا نظام جس کے علم سے چل رہا ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ قیامت کے بارے میں لوگوں نے ہمیشہ یہ جاننے کی کوشش کی ہے، کہ وہ کب واقع ہو گی، تو اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اس کے واقع ہونے میں وقت اتنا ہی لگے گا جیسے پلک جھپکنے میں لگتا ہے، بلکہ اس سے بھی کم اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ اُس کی قدرت کا احاطہ ہر جگہ موجود ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے کو ہے، اور جزا کے لئے رکھا گیا شروع ہونے والا ہے۔ حقائق کا انکار، عقل کی موجودگی میں ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : اپنا حق ادا کرنے کے بعد غیب کے مالک سے بھلائی کی دعا مانگنی چاہئے۔ قیامت کو آتے دیر نہیں لگے گی۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے والا ہے۔ جزا کے لئے رکھا گیا وقت شروع ہونے والا ہے۔ اللہ کی قدرت کو کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بطون سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

تم شکر کرو۔

انسان کا بچہ پیدائش کے وقت سنبھالنے والوں کے ہاتھوں میں ہی سلامت رہ سکتا ہے۔ اس کو اپنی ذات کے بارے میں، اپنے ماحول کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔ حصولِ علم کے لئے اللہ نے کان، آنکھ اور دل کو ذریعہ بنایا ہے۔ کان کا کام ہے سننا اور حق کے حوالے سے درست اور غلط کا فیصلہ کرنا، آنکھ کا کام ہے دیکھنا اور حق کے حوالے سے اپنے مقام کا تعین کرنا، دل کا کام ہے تدبر کرنا، اور نورِ معرفت حاصل کر کے، تضاد سے پاک رہنا اور سچے لوگوں کی تائید کرنا۔ جسے جو مقام حاصل ہے، اس کو معطیٔ مطلق کا شکر گزار ضرور ہونا چاہئے، کہ جو ذرائع اس مقام کے حصول کا باعث بنے ہیں، وہ سب اللہ کے عطا کردہ ہیں۔

حاصل : پیدائش کے وقت انسان کو کچھ علم نہیں ہوتا۔ کان کو حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کرنا آ جائے، آنکھ کو حق کے حوالے سے درست اور غلط کا فیصلہ کرنا آ جائے اور دل کو تدبّر کرنا آ جائے، تو بندہ فلاح پا جاتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾

کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں مسخّر ہیں۔ اللہ ہی اُنہیں تھامے رکھتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

پرندوں کا خالق بھی اللہ ہے، کہ وہی خالقِ کل ہے۔ ان کا جسم اپنی ثقالت کے باوجود ہوا میں ٹھہر سکتا ہے۔ کبھی کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا، کہ پرندوں کی اڑنے کی صلاحیت میں اس کا کچھ کمال ہے۔ اللہ نے ہی انہیں ایسا جسم دیا ہے، اُن کے پروں کو ایسی ساخت دی ہے، کہ ہر نوع کو اپنا اعتدال قائم رکھنے کے لئے جو کچھ درکار تھا عطا فرما دیا گیا ہے۔ جن کو رزق کی تلاش میں دور دور دیکھنا پڑتا ہے، وہ بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں۔ ان کے پروں کی ساخت، ان کی دم کی ساخت کم بلندی پر پرواز کرنے والوں سے کچھ مختلف ہوتی ہے۔ کس کے علم سے یہ پرندے آسمان کی فضا میں ٹھہرے رہتے ہیں۔ رزق پرندوں کی بھی ضرورت ہے، انہیں اس کے حصول کے لئے بےچینی نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی پرندہ اپنے طبعی ماحول میں خوراک کی کمی کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوا۔ انسان بھی اپنے رازق سے وہ تعلق محسوس کر لے جو پرندوں کا اپنے ربّ سے ہوتا ہے، تو پھر اس کے رویئے میں اطمینان نظر آنا چاہئے۔

حاصل : پرندوں کے جسم اور پروں کی ساخت، آسمان کی فضا اور سب لوازماتِ پرواز، اللہ کے علم سے ہیں۔ ایمان والے یہ دیکھتے ہیں، کہ مخلوق تبھی ٹھیک رہ سکتی ہے، جب وہ خالق کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے۔ نشانیاں اسے فائدہ دیتی ہیں، جسے ہدایت مطلوب ہو۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾

اور اللہ نے تمہیں سکونت کے لئے گھر دیئے. اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے. جو تمہارے سفر کے دوران اور تمہاری اقامت کے دن ہلکے پڑتے ہیں، اور اُن کی اون اور ببری اور بالوں سے کتنے اثاثے اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک۔

سکونت کے لئے گھر بھی اللہ کی عطا ہے۔ اگر وہ پاک مال سے بنایا گیا ہے، تو اس میں راحت ہوتی ہے، ورنہ خوف و حزن اینٹ، پتھر اور لکڑی سے بھی منتشر ہوتا رہتا ہے۔ خیمے بنانے کے لئے چوپایوں کی کھالیں استعمال ہوتی ہیں۔ سفر میں ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہلکے ہونے کی وجہ سے ان کا ساتھ لے جانا بھی آسان ہوتا ہے، اور اقامت کے دن ان کا نصب کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ پھر جانوروں کی اون، ان کی پشم اور ان کے بالوں سے کتنی ہی چیزیں ایک وقت تک حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ تو جس نے انسان کی ضرورت کا سامان اس کی طلب کے اظہار سے بہت پہلے تیار کر رکھا ہے، اس ربِ وَدود سے کسی کا مقابلہ کرنا نہایت بےادبی ہے۔

حاصل : سکونت کی جگہ کو باعثِ راحت ہونا چاہئے۔ شور سکون میں کمی کرتا ہے۔ چوپایوں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بڑی افادیت رکھتے ہیں۔ موسم کی شدّت سے بچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی بندوبست سفر میں نہیں ہو سکتا۔ ربِ وَدود نے انسان کی ضرورت کا سامان، اس کی طلب کے اظہار سے بہت پہلے تیار کر رکھا ہے. اس لئے اس سے کسی کا مقابلہ کرنا نہایت بےادبی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

اور اللہ نے اپنی بنائی چیزوں سے تمہیں سائے دیئے، اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی، اور تمہارے لئے کچھ پہناوے بنائے کہ گرمی سے تمہیں بچائیں، اور کچھ پہناوے بنائے کہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرتا ہے، کہ تم ماننے والے بنو۔

سایہ انسانی ضرورت ہے، اور سایہ بادل کا ہو، درخت کا ہو یا کسی بھی شے کا ہو، اس شے کا بنانے والا، اس شے کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس قدر اس انسانی ضرورت کی اہمیت معلوم ہو گی، اسی قدر اس ضرورت کے پورا کرنے والے کا احسان مانا جائے گا۔ پہاڑوں کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے، کہ یہ تمہاری ضرورت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ یہاں تم موسم کی شدّت سے بھی خود کو بچا سکتے ہو، دشمن کے ساتھ لڑائی میں بھی چھپنے کی جگہ بہت مدد دیتی ہے۔ فائدہ اٹھانے والوں کو شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔ لباس انسانی ضرورت ہے۔ گرمی اور سردی سے جسم کو بچانے کی تدبیر انسانی شعور کا خاصہ ہے۔ جس مالکِ کل نے حفاظت کا سامان مہیا کیا ہے، اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔ لڑائی میں جسم کی حفاظت کے لئے جو کچھ استعمال ہوتا ہے، وہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے۔ حفاظت کا کونسا مقام ہے، جو یہ روشن نہیں کرتا، کہ انسان کی حفاظت، الحفیظ کے علم سے ہو رہی ہے۔ شعور کی موجودگی میں اللہ کا شکر ادا ہونا چاہئے۔ ہر مقام پر سامانِ حفاظت مہیا کرنے والے کی قدر کی جائے، جیسے اس کی قدر کا حق ہے تو اتمامِ نعمت کو ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

حاصل : ہر مقام پر حفاظت کا بندوبست، اللہ ہی کر سکتا ہے۔ حفاظت کا احساس ہو، تو سرِ تسلیم ضرور خم ہوتا ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو آپ پر تو صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

اگر حق کو سن کر لوگ بھلائی کی طرف نہیں آتے، تو وہ سنے کو اَن سنا کر دیتے ہیں، اور منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں شاہدین کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ ان کا کام رضائے الٰہی کے حوالے سے پورا ہو چکا ہے، یا نہیں۔ اگر پورا ہو چکا ہو، تو جاہلین سے اعراض کریں ورنہ بلغ المبین پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ جو حق کو نہیں مانتا وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔

حاصل : بھلائی کی طلب ہو تو حق بیان کرنے والے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ شاہد کا کام کسی کو راہِ راست پر لانا نہیں، حق کو روشن کر کے دکھا دینا ہے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے اپنے اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع

اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اُس سے منکر ہوتے ہیں، اور وہ اکثر کافر ہیں۔

حق اللہ کی نعمت ہے، جس کو اس کی روشن نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جو لوگ اس کو انسان کے بنائے ہوئے پیمانوں سے ناپتے ہیں، خواہشاتِ نفسانی سے پیدا ہونے والے معاشرتی علوم کے حوالے سے دیکھتے ہیں، وہ حق کا انکار کرنے لگتے ہیں، وہ کبھی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے اور اکثر حالتِ کفر میں ہی اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل : حق کو پہچان لیا جائے، تو اسے تسلیم کرنے میں قطعاً دیر نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں ماننا نہیں ہو

گا، انکار ضرور ہو گا، اور حق کا انکار انسان کو خسارے میں ڈال دیتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٧﴾
اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کے لئے اس کے پاس کوئی برھان نہ ہو، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

اور جس دن ہر امّت سے ہم ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کافروں کو نہ اذن ہو گا اور نہ وہ منا سکیں گے۔

ہر امّت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن صاحب کو معیار بنا کر بھیجا گیا ہے، انہی کی اطاعت سے، انہی کے اتباع سے تعلّق مَعَ اللہ کا ثبوت مل سکتا ہے۔ مشہود اگر شاہد کی صفات کو محبت سے اپنے اندر سمو لیتا ہے، تو وہ حق کو ماننے کے دعوے میں سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسے مشہود سے اس کے شاہد کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ یومِ الدّین کو ہر امت سے جب اس کی طرف بھیجا ہوا گواہ اٹھایا جائے گا، تو ان سے محبت رکھنے والے، پھر ان محبت رکھنے والوں سے محبت رکھنے والے پھر ان محبت رکھنے والے سے محبت رکھنے والوں کا ایک سلسلہ موجود ہو گا جو دارِ عمل کی انتہا تک پایا جائے گا۔ شاہد کو دیکھ کر ماننے والے بھی موجود ہوں گے، شاہد کو بالواسطہ دیکھ کر ماننے والے بھی موجود ہوں گے۔ ماننے والوں کی پاک صفات ان کی شان کو واضح کر رہی ہوں گی۔ اس دن کافروں کو لب کشائی کی اجازت نہیں ہو گی۔ اور اس وقت عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہو گی، اس لئے جزا دینے والے کو راضی کرنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو جس زمانے میں جہاں پیدا کیا گیا ہے، علمِ مطلق سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ معیار ہمیشہ معلوم ہوتا ہے، جس کے حوالے سے قیامت کے دن پوچھ ہو گی۔ حال پر ملے ہوئے وقت اور حال پر ملی ہوئی مہلت و توفیق کو فلاح پانے کے لئے کافی جاننا، ایمان کی نشانی ہے۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جب ظلم کرنے والے عذاب کو دیکھیں گے، تو نہ اُن پر تخفیف ہو گی اور نہ اُنہیں مہلت ہی ملے گی۔

جو خلافِ حق کرتا ہے، وہ ظالم ہے۔ جزا کے دن ظالم عذاب کو دیکھیں گے، تو انہیں یہ طلب ہو گی، کہ انہیں کچھ مہلت دی جائے، جس میں وہ دعوتِ حق کو قبول کریں اور اللہ کے پیاروں کا اتباع کریں، مگر یہ ممکن ہی نہ ہو گا۔ اس دن خلافِ حق

کرنے والے یہ کہیں گے، یہ دن بڑا سخت ہے۔ جو حال پر حق کے خلاف کرتا ہے وہ خسارے کی راہ اختیار کرتا ہے, عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اس کا مان لینا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ پھر اس عذاب میں کمی بھی نہ ہوگی، اس میں انقطاع بھی نہیں ہو گا۔

حاصل : حق کو پانا، مقصدِ حیات کو پورا کرنے کی صورت ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں پر عذاب مسلسل ہو گا اور اس میں تخفیف نہ ہو گی۔ سزا دینے والا علیمِ مطلق جو سزا دے گا وہ قطعاً پوری ہو گی۔

وَإِذَا رَأَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾

اور جب شرک کرنے والے، اپنے شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے، اے ہمارے ربّ یہ ہیں ہمارے شریک کہ جن کو ہم تیرے مقابل پکارتے تھے۔ تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم یقیناً کاذب ہو۔

شرک کرنے والے قیامت کے دن دعوتِ شرک دینے والوں کو دیکھیں گے، تو کہیں گے، اے ہمارے ربّ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم پکارتے رہے ہیں، جن کی ہم پیروی کرتے رہے ہیں۔ دعوتِ شرک دینے والے فوراً کہیں گے، تم یقیناً جھوٹے ہو۔ شیطان برائی کی دعوت دیتا ہے لیکن کسی پر اس کا زور نہیں چلتا۔ جو اس کی دعوت کو مانتا ہے، اپنی غرض و غایت کے لئے مانتا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ قیامت کے دن دعوتِ شرک دینے والے یہ کہیں گے، کہ شرک کرنے والے خود کو ملامت کریں۔ شرک کرنے والوں نے اس لئے شرک نہیں کیا کہ دعوتِ شرک دینے والوں نے ان سے ایسے کہا تھا، بلکہ شرک کرنے والوں نے حق کو جانتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور وہ گمراہ ہوئے۔

حاصل : جس تعلق کی بنیاد پاکیزگی پر ہو، وہ تعلق دائمی ہوتا ہے۔ جو تعلق غرض و غایت کے حوالے سے ہو، وہ اپنی خواہش کے حوالے سے ہوتا ہے۔ نفس کا مزاج یہی ہے، کہ خسارے کو دیکھ کر، بُرے اعمال کی ذمہ داری، برائی کی دعوت دینے والوں پر ڈال دیتا ہے۔ برائی کی دعوت دینے والے، قیامت کے دن کسی کی برائی کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

اور اُس دن اللہ کی طرف تسلیم سے گریں گے، اور گم ہو جائیں ان سے جو افترٰی وہ باندھتے تھے۔

قیامت کے دن شرک کرنے والے بڑی عاجزی کے ساتھ اطاعتِ الٰہی کے لئے تیار ہوں گے۔ مگر جب عمل کے لئے دیا

گیا وقت پورا ہو چکا ہو، تو کسی کو عمل کے لئے حکم نہیں دیا جا سکتا، اس لئے مشرکین کی یہ عاجزی بے معنی ہو گی۔ خسارہ سامنے نظر آ رہا ہو، تو افتریٰ سب گم ہو جاتے ہیں۔ جب تک خسارے سے بچ جانا ممکن نظر آئے، افتریٰ باندھنے والے، افتریٰ باندھتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل : حق کو اس وقت ماننا جب اس کا انکار ممکن نہ ہو، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب خسارہ احاطہ کرتا ہوا نظر آئے اور بچ جانے کی کوئی صورت نہ رہے، تو افتریٰ سب گم ہو جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

جو لوگ کفر کرتے رہے اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے، ہم انہیں عذاب پر عذاب بڑھائیں گے، اس لئے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

کفر کرنا، حق کا انکار کرنا ہے اور یہ جرم ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا، جرم کی ترغیب دینا ہے، اور زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ اس فساد سے انسانوں کے مابین رشتے بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور معاشرہ بگڑنے لگتا ہے۔ اللہ کی متعیّن کی ہوئی راہ ہی ایک راہ ہے، کہ جس پر چلنے سے سب کا بھلا ہو سکتا ہے۔ باقی سب راہیں فساد سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان کی تجویز کردہ راہوں میں فساد کی کمیت، کیفیت اور نوعیت مختلف ہو سکتی ہے، اس لئے عذاب بھی سب کو ایک جیسا نہیں ہو گا۔ جو لوگ جرم پر جرم کرتے چلے جائیں انہیں عذاب پر عذاب بڑھتا جائے گا۔

حاصل : ہمیں حق کے مطابق رہنا چاہیئے، امن اسی طرح قائم ہو سکتا ہے۔ سزا جرم کے مطابق ہو گی اور فساد کرنے والے فساد کی کیفیت اور نوعیت کے مطابق سزا پائیں گے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ١٢ ١٨

اور جس دن ہم ہر امّت میں سے شاہد مبعوث فرمائیں گے کہ ان پر گواہی دیں اور آپ کو اُن سب پر شاہد ٹھہرائیں گے۔ اور ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل فرمائی کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے، اور مسلمین کے لئے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے۔

ہر امّت میں سے گواہی دینے والا یہ گواہی دے گا، کہ اس نے اللہ کے فرمان کو ان لوگوں تک پہنچایا جن کی طرف اسے

مبعوث فرمایا گیا تھا، اس نے وہ نمونۂ عمل اس کے سامنے رکھا جو خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دیتا تھا اور اس نے اتمامِ حجت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انبیاء سابقین اپنی اپنی قوم پر حق کو واضح کرتے رہے، خاتم النبین ساری کائنات کے لئے حق کو روشن کرنے کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ یہ کُل کا مقام ہے۔ جزو کی شہادت پہلے ہوتی ہے، کل کی شہادت بعد میں ہوتی ہے۔ جزو کی تصدیق کل سے ہو، تو بات پوری ہوتی ہے۔ قرآن پاک وہ کتاب ہے، جس میں ہر شے کا بیان ہے۔ یہ کتاب بھی کل کا درجہ رکھتی ہے، اور ساری کائنات کے لئے ہے۔ ماننے والوں کو مقصدِ حیات کے عرفان کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے حصول کے لئے خاتم النبین کے اسوۂ حسنہ کے مطابق کس طرح استعمال کرنا ہے اور کس مقام پر اتباع کا حق کس طرح ادا ہونا چاہیے۔ اس ہدایت سے استفادہ کرنے والے رحمت کے احاطے میں رہتے ہیں، تائیدِ ایزدی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے، حال پر انہیں وہ راحت حاصل ہوتی ہے، کہ جس میں مستقبل کی فلاح بصورتِ بشارت موجود ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا اتباع کرنے والے قیامت تک شاہدین کی صورت سے آپ کے اسوۂ حسنہ کو روشن کرتے رہیں گے، تاکہ لوگوں کو یہ نظر آتا رہے، کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور فلاح کے حصول کے لئے انہیں کیا کرنا چاہیئے۔

حاصل : انبیاء سابقین کی شہادت کے بعد خاتم النبین کی شہادت سے گواہی کا کام پورا ہو جائے گا۔ قرآن پاک ساری کائنات کے لئے ہے۔ ماننے والے اس سے ہدایت پاتے ہیں، انہیں رحمت سے نوازا جاتا ہے، اور انہیں فلاح کی بشارت حاصل ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ

اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم اور لوگوں پر گواہی دو۔

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ وَإِيتَآئِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَٱلْبَغْىِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

بےشک اللہ عدل و احسان اور قربیٰ کو دینے کا امر کرتا ہے اور بےحیائی و بُرائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، تمہیں وعظ کرتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

یہاں امر کے تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں: عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ۔ اپنی ذات کے متعلق بات ہو، اپنے والدین کے متعلق بات ہو، اپنے اقربا کے بارے میں بات ہو، کسی غنی کے بارے میں بات ہو یا کسی فقیر کے بارے میں بات ہو رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔ جہاں خواہش کی پیروی ہو گی عدل نہیں ہو گا۔ ۴.۱۳۵۔ احسان یہ ہے کہ لوگوں کو حق کے مطابق رہنے میں آسرا دیا جائے۔ احسان نہ ہو تو جو بھی ہو گا وہ فساد ہو گا چاہئے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا گیا ہو۔ قربیٰ کو دیتے وقت یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ خالی گھروں کو بھرنا حق ہے، بھرے ہوئے گھروں کو مزید بھرنا حق نہیں ہے۔ نبی کے بھی

تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں: بے حیائی، برائی اور سرکشی۔ جب عدل نہیں ہو گا، تو بے حیائی کی ابتدا ہو جائے گی، اور جب شیطان کے امر کی تعمیل ہو گی، تو بے حیائی کی انتہا ہو گی۔ برائی وہ ہے جس کی ترغیب نفسِ امارہ کی طرف سے ملے۔ برائی خلوت میں ہو گی تو جلوت میں بھی آئے گی۔ برائی ہمیشہ عدم احسان سے بڑھتی ہے۔ برائی بڑھ رہی ہو تو اس سے یہی ثابت ہو گا کہ صاحبِ ثروت لوگ احسان کو بھول چکے ہیں۔ جب بے حیائی اور برائی ہوتی چلی جائے، تو پھر سرکشی کا مقام آتا ہے۔ تب بھلائی کی راہیں روکنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ یہ وعظ ہے جو اعلم کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ اس کو مان لیا جائے تو دونوں جہانوں میں بھلا ہو گا، نہ مانا جائے تو دونوں جہانوں میں خسارہ ہو گا۔ ان چھ مقامات کو واضح کرتے رہنا بھلے لوگوں کا کام ہے۔ حسنِ معاشرت اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔

حاصل : جن کاموں کے کرنے کا امر دیا گیا ہے، وہ ہیں عدل، احسان اور ایتاءِ ذِی القربٰی۔ جن سے منع فرمایا گیا ہے وہ ہیں بے حیائی، برائی اور سرکشی۔ جس وعظ میں وعظ کرنے والا کسی اجر کا سوال نہ کرے، اور اسے سامعین کی بھلائی میں خوشی ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اسے سن کر کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور مانا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جب آپس میں عہد کرو، اللہ کا عہد پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو، اور تم اللہ کو اپنے اوپر کفیل ٹھہرا چکے ہو، بے شک اللہ کو علم ہے جو تم کرتے ہو۔

حدود اللہ کو مانتے ہوئے، آپس میں معاملات کے وقت عہد کرنے کی صورت بنتی ہے، یہ عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کو اللہ کی رضا کے لئے پورا کرنا چاہئے۔ جب کسی مقام پر کسی فرد یا جماعت کو پوری سنجیدگی کے ساتھ قسم کھا کر کسی امر کا یقین دلایا جائے تو اس قسم کو توڑنے سے بہت بڑے بڑے نقصانات ہو جاتے ہیں: قسم کھانے والے کا اعتبار اٹھ جاتا ہے، دوسرے قسمیں کھانے والے بھی قابلِ اعتبار نہیں رہتے، شکوک و شبہات سے تاریکی بڑھنے لگتی ہے، بہت سا وقت، بہت سرمایہ اور بہت قوت معاملات میں احتیاطی تدابیر کرتے کرتے ضائع ہو جاتے ہیں۔ عہد توڑنے والا یہ تو مان چکا ہوتا ہے، کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔ جب اللہ سے بڑا کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے، تو پھر عہد شکنی ایمان کی کس کیفیت کو ظاہر کرے گی۔ اللہ کو ہر فعل کے پیچھے نیّت کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہ یقین ہو تو پھر نیّت کو بھی درست رہنا چاہئے، فعل کو بھی درست ہونا چاہئے۔

حاصل : عہد صرف اللہ کے فرمان کی تعمیل کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے، خلافِ حق کوئی عہد نہیں ہوتا۔ معاملات میں لوگوں کے ساتھ عہد، اللہ کے ساتھ عہد ہوتا ہے، اُسے پورا کرنا لازم اور اُس کا توڑنا گناہ ہے۔ جو اللہ کو کفیل مانتا ہے، اس کو خسارے کا خدشہ کیوں ہو گا۔ نیّت ٹھیک ہو تو فعل ٹھیک ہو گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور اس عورت کی طرح مت ہو، جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، کہ اپنی قسموں کو ایک دوسرے میں دخل دینے کا بہانہ ٹھہراؤ کہ کہیں ایک گروہ دوسرے سے چڑھا ہوا نہ ہو۔ اللہ تو تمہیں اس سے پرکھتا ہے اور ضرور قیامت کے دن تم پر واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

سوت کات کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اپنی محنت کو برباد کر دینے کی صورت ہے، اور قطعاً خلافِ عقل معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے عہد کو قسموں سے پکا کرتا رہے اور جہاں معاہد قوم کے ضعف کا احساس ہو، عہد کو توڑ دے اور پھر کسی طاقت ور قوم سے عہد کر لے، تو یہ اسی عورت کی طرح ہے، جو سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ ایسے انسان کو یہ دعویٰ بھی ہو کہ وہ بہت عقل والا ہے، تو اسے اس کیفیت پر نظر کرنی چاہئے۔ قوت و ضعف میں اقوام کے اختلاف ضرور مشاہدے میں آتا ہے، مگر معاہدات کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اور ان کا احترام بھی حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اسی سے انسان کی پرکھ ہوتی ہے۔ اقبال کی طلب اور ادبار سے بچاؤ طبعی بات ہے، مگر نتائج پر قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے، وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی۔

حاصل : جن باتوں میں ہم دوسرے لوگوں کو بے عقل کہتے ہیں، دیکھنا چاہئے، کیا ہم بھی وہی بے عقلی تو نہیں کر رہے۔ معاہدات حق کے حوالے سے ہوں اور ان کا احترام بھی حق کے حوالے سے ہو۔ قوت کا بڑھانے والا بھی اللہ ہے، کم کرنے والا بھی اللہ ہے۔ وہ کمزور جو حدود اللہ کا احترام کرتا ہے، اس طاقت ور سے بہت بہتر ہے، جو اپنی خواہشات کی پیروی میں وقت ضائع کرتا چلا جا رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت ٹھہرا دیتا، ولیکن اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے، اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور تم سے ضرور سوال ہو گا جو عمل تم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اگر چاہتا تو بنائے اختلاف ہی نہ ہوتی اور لوگ ایک ہی امّت ہوتے۔ مگر اس اعلم نے ایسا نہیں چاہا، اور انسانوں کے لئے یہ موقعہ فراہم کیا ہے، کہ گمراہی کی طرف جائیں تو بھی شعوری کوشش کے ساتھ اور

ہدایت کی طرف آئیں تو بھی شعوری کوشش کے ساتھ ۔ جو عقل کے ساتھ اپنے تضاد کو دور نہ کرے وہ گمراہی کی طرف بڑھ رہا ہے اور جو عقل کے ساتھ اپنے تضاد کو دور کرے وہ ہدایت پا لیتا ہے۔ ہدایت یافتہ ہی حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے بچ سکتا ہے۔ جو رخ بھی کسی نے اختیار کیا ہو اس سے پہلے اس نے اس کی نیت کی ہوتی ہے، اسی نیّت کو عمل کی جان کہا جاتا ہے۔ توفیق عطا کرنے والا ضرور پوچھے گا، کہ اس کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کیا گیا۔

حاصل : اللہ کا کام اتنے بڑے علم سے ہے، کہ صرف مخلصین ہی اس کی حکمت کو جان سکتے ہیں۔ گمراہی بھی شعوری کوشش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، ہدایت بھی شعوری کوشش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اپنی نیّت کو درست رکھا جائے تو عمل درست ہوتا ہے، تب یہ تسلیم کرنا فائدہ مند ہوتا ہے، کہ ہم سے ہمارے عمل کے بارے میں پوچھ ہو گی۔

وَلَا تَتَّخِذُوٓا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَتَذُوۡقُوا السُّوۡٓءَ بِمَا صَدَدۡتُّمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِۚ وَلَـكُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۹۴﴾

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ ٹھہراؤ کہ کہیں کسی کا قدم ثبات کے بعد متزلزل نہ ہو جائے اور تم اس بات پر سزا چکّھو کہ تم نے اللہ کی راہ سے روکا، اور تم کو بڑا عذاب ہو۔

حق کو ماننے کا دعویٰ ہو، تو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ ہمارے عمل سے لوگ ہماری قوم کے اجتماعی عمل اور اجتماعی رویئے کے بارے میں ایک رائے قائم کریں گے، اور اگر ہم نے اپنی قسموں سے ایک دوسرے کو دھوکا دیا، تو وہ لوگ جو اسلام کو بہتر دین سمجھ کر اس کی طرف آرہے ہیں، متزلزل ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے اپنی قسموں سے ایک دوسرے کو دھوکا دیا ہو، وہ دیکھنے والوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے مرتکب ہوں گے۔ ان کے بارے میں، اسلام میں نووار دوں کو یہی یقین ہو گا کہ ان دھوکا دینے والوں کا ساتھ کبھی باعثِ عافیت نہیں ہو سکتا۔ اس کے اثرات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر مرتب ہوں گے۔ یہ بڑے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے، وہ عذاب حیاتِ دنیا میں بھی ہو گا، آخرت میں بھی ہو گا۔

حاصل : اپنے عمل پر نظر رکھنی چاہئے، کہ اس سے ماحول پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ہمارے رویئے سے اگر حق کی طرف آنے والے کا قدم لغزش کھاتا ہے تو ہم نے اسے اللہ کی راہ سے روکا ہے۔ یہ اجتماعی مفاد کو ذاتی خواہش پر قربان کرنے والی بات ہے، اجتماعی مفاد کو ذاتی خواہش پر قربان کرنا، بڑے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًاؕ اِنَّمَا عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اور اللہ کے عہد پر تھوڑے دام نہ لو، بےشک وہ جو اللہ کے پاس ہے، تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

اللہ کے ساتھ عہد یہ ہے کہ ہم خلوت میں تیری رضا کے تابع رہتے ہوئے پاک رہیں گے، جلوت میں تیرے شاہد کا اسوۂ حسنہ ہمارا معمول ہو گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ساتھ دائمی ہو جائے گا۔ اگر کسی مقام پر خلافِ حق کیا جائے گا، تو وہ اللہ کے عہد کو دنیاوی مفادات پر قربان کرنے والی بات ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی ہے کہ جو کچھ تمہیں میرے عہد پر قائم رہنے کی صورت میں مل سکتا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے، جو عہد کو نظر انداز کر کے تم لے لیتے ہو۔ خلافِ حق کرنے سے جو کچھ بھی ملے گا، خوف و حزن اس کے ساتھ ہو گا، اور وہ حیاتِ دنیا میں بھی باعثِ راحت نہ ہو گا۔ بہت تھوڑے وقت کی خوشی کے بہت بڑا دکھ خرید لینا، جس سے جان چھڑانا بھی ممکن نہ ہو، قطعاً بے عقلی ہے۔

حاصل : خلوت و جلوت میں پاک رہنا، شانِ عبدیت ہے۔ بہتر وہی ہے جو اللہ نے دیا ہے اور جو اللہ دے گا۔ حدود اللہ کے عدم احترام سے جو کچھ بھی ملے وہ ناپاک ہے اور باعثِ حزن و ملال ہوتا ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

جو تمہارے پاس ہے، ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہے گا۔ اور ہم ضرور صبر کرنے والوں کو اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔

انسان اپنی تجویز کو جب حق کے مقابل زیادہ اہم مانے گا، تو جو کچھ بھی اسے حاصل ہو گا فانی ہو گا اور ایک وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اس وقت میں بھی اس سے راحت نہیں ملے گی، پریشانی ملے گی۔ اور جو کچھ اللہ کی معیّت میں پاک رہنے سے ملے گا، وہ دائمی ہو گا اور باعثِ شان ہو گا۔ وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کرنے والے صابر ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کے حسنِ عمل کا بڑا اجر ہے۔

حاصل : انسان کی اپنی تجویز سے حاصل ہونے والا فائدہ وقتی ہوتا ہے، اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیّت میں پاک رہنے سے حاصل ہونے والا فائدہ دائمی ہوتا ہے اور باعثِ رفعت ہوتا ہے۔ جو اجر اللہ دے سکتا ہے، وہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

جس نے صالح عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو ہم اس کو حیاتِ طیّبہ سے زندہ رکھیں گے، اور انہیں ان کے خوب کاموں کا، جو وہ کرتے تھے، اجر دیں گے۔

صالحین کی طریقت کے مطابق کیا جانے والا عمل، صالح عمل ہوتا ہے۔ مرد ہو یا عورت، صالح عمل کرنے کی اہلیت، اللہ

تعالیٰ کا عطا کردہ مقام ہے۔ مرد اپنے حسبِ حال صالح عمل کرے گا، عورت اپنے حسبِ حال صالح عمل کرے گی۔ اگر صالح عمل کرنے والا مومن ہو گا تو اس کو اس کے حسنِ عمل کی جزا حیاتِ طیبہ کی صورت میں دی جائے گی۔ دنیا میں اس حیاتِ طیبہ والے کی یہ شان ہوتی ہے، کہ خوف و حزن کا سایہ اس پر نہیں پڑتا، اور وہ تعلق مَعَ اللہ میں اس قدر راحت پاتا ہے، کہ کسی مقام پر اسے پریشانی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی ہے، لوگ اس کی قدر کو باعثِ برکت جانتے ہیں۔ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی وہ بڑی عزت کے ساتھ رخصت ہوتا ہے۔ آگے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت سے بڑا انعام بھی کیا ہے۔

حاصل : صالح عمل وہ ہے، جو صالحین کی طریقت کے مطابق ہو۔ مرد و عورت اپنے اپنے حسبِ حال صالح عمل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ صالحین کو ان کے حسنِ عمل کی جزا، حیاتِ طیبہ کی صورت میں دی جاتی ہے۔ یہ وہ جزا ہے جس کو عطا کرنے والا جانتا ہے، یا جزا پانے والا جانتا ہے۔ اس تجربے کو محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان میں اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾

تو جب تم قرآن پڑھو، تو اللہ کی پناہ مانگو، شیطان مَردود سے۔

قرآن پاک، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا کام بھی اسی وحدہ لاشریک نے اپنے پاس رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو پڑھنے سے پہلے باوضو ہونا ضروری ہے اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے یہ عہد کرنا ضروری ہے، کہ اللہ کے فرمان کو اپنی پسند سے نہیں جوڑنا، اپنی پسند کو اللہ کے فرمان کے تابع رکھنا ہے۔ اس قلبی عہد کے بعد زبان سے تعوذ پڑھا جائے گا تو اللہ کی پناہ کا احساس پورے جسم میں ہو گا۔ شیطان جس بات سے مردود ہوا ہے، وہ ہے امرالٰہی کی تعمیل کی بجائے اپنی چاہت کا رخ رکھنا۔ مردود کی صفت جہاں ہو گی وہاں موصوف بھی ہو گا۔

حاصل : قرآنِ پاک سے ہدایت پانے کی نیّت ہو، تو ادب ہر مقام پر ملحوظ رہے گا۔ کسی مقام پر اس کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش مَردود کے ساتھ ملا دے گی۔ باوضو ہو کر تعوذ پڑھ کے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنی چاہیئے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾

بےشک اُس کا زور اُن پر نہیں چلتا، جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں۔

شیطان کے قابو سے بچنے والوں کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان یہ ہے کہ انہیں ناصحین سے محبت ہوتی ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں، اور توکّل یہ ہے کہ انہیں یہ یقین

ہوتا ہے کہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہے وہ ان کے پاس موجود ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ معطیٔ مطلق کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا، اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جواب دہ ہیں۔

حاصل : ایمان ہو تو حق بیان کرنے والوں سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت ایسی راحت عطا کرتی ہے کہ شیطان کی ترغیبات سے کراہت ہونے لگتی ہے۔ توکّل ہو تو پاکیزگی برقرار رہتی ہے، پاکیزگی برقرار رہے تو شیطان کا زور نہیں چلتا۔

إِنَّمَا سُلْطَٰنُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُۥ وَٱلَّذِينَ هُم بِهِۦ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾

اُس کا زور اُنہیں پر ہے جو اُس سے دوستی کرتے ہیں اور اُسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

جو حق کو نہیں مانتا وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ جو خلافِ حق کرنے میں فرحت پائے وہ شیطان کا دوست ہوتا ہے۔ وہ شیطان کے امر کو ماننے کی وجہ سے اس کے قابو میں آ جاتا ہے۔ جو نتائج کو باذن اللہ نہیں مانتا، وہ اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے، شرک اس کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، شیطان اسے اس طرح قابو کرتا ہے کہ خسارے تک پہنچا کر ہی اسے چھوڑتا ہے۔

حاصل : شیطان سے دوستی کرنا اور شرک کرنا، شیطان کو اپنے اوپر پورا پورا اختیار دینا ہے۔ جہاں شیطان کا زور چلے گا وہ اپنے ماننے والے کو اس مقام تک پہنچا کر چھوڑے گا، کہ اس کی واپسی ممکن نہ رہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم (٣٠) میں ارشاد فرمایا ہے ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَىْءٍ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے۔ اُسے پاکی اور برتری ہے، ان کے شرک سے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا۟ إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں، اور اللہ کو سب سے بڑا علم ہے جو وہ نازل فرماتا ہے، کہتے ہیں، تم تو بنا لاتے ہو۔ بلکہ وہ اکثر لاعلم ہیں۔

آیاتِ الٰہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں۔ اللہ سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جس حال پر جو حکم فرمایا گیا ہے وہی اصلاحِ حال کے لئے موزوں تھا۔ احکام وقتی بھی ہوتے ہیں، اور جب ایسے احکام کا منشاء پورا ہو جاتا ہے تو انہیں بدل دیا جاتا ہے اور

دائمی احکام ان کی جگہ آ جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے صاحب کتاب کو مفتری کہا وہ یقیناً لاعلم ہیں۔ علم والے جانتے ہیں، کہ فرد ہو یا جماعت، روحانی فرض میں بھی بعض چیزوں سے وقتی طور پر اجتناب کی تاکید کی جاتی ہے، اور جب استقامت کے ساتھ پاک رہنے کا شرف مل جائے تو پھر اس پرہیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس کلام کے مثل کلام لانا قدرت بشری سے باہر ہے اس کو افترىٰ کہنا قطعاً جہالت ہے۔

حاصل : احکام وقتی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں، دائمی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ جس کو بڑے علم والا مان لیا جائے اس میں تضاد ثابت کرنا بےادبی ہو گی اور جہالت ہو گی۔ حق بیان کرنے والے کی اپنی کوئی بات ہوتی ہی نہیں، وہ مفتری کیسے ہو سکتا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

فرما دیجئے اسے تمہارے ربّ کی طرف سے روحُ القدس نے حق کے ساتھ اتارا، تاکہ ایمان والوں کو ثبات دے اور مسلمین کو ہدایت و بشارت ملے۔

قرآنِ پاک کو افترىٰ کہنے والوں کو امرِالٰہی کے مطابق یہ روشن جواب دیا جا رہا ہے، کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پاک کلام کو امرِالٰہی کے تحت مجھ پر اتارا ہے۔ اس پاک کلام سے ایمان والوں کو جو شاہد سے محبت رکھتے ہیں، ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے، اور مسلمانوں کو جن کی زبان پاک ہو جاتی ہے، جن کا ہاتھ امین ہو جاتا ہے، ان کو اس سے راستہ ملتا ہے، اور فلاح کی بشارت کے ساتھ وہ اس راستے کو اختیار کرتے ہیں۔

حاصل : طنز و مزاح کا سامنا ہو یا استہزاء کا، جواب میں سنّتِ رسول کے مطابق بالکل روشن بات کرنی چاہئے۔ شاہد کی بات سے محبت رکھنے والوں کو ثابت قدمی ملتی ہے، مبتدی حضرات کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾

اور بےشک ہمیں علم ہے کہ وہ کہتے ہیں، یہ تو کوئی بشر ہے، جو اِن کو سکھاتا ہے۔ جس کی طرف تعریض کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے، اور یہ ہے روشن عربی زبان۔

منکرین نے قرآنِ پاک کے منزّل مِنَ اللہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ تو کوئی بشر ہے جو ان حضرت کو سکھا دیتا

ہے، اور یہ اسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جس بشر کی طرف ان لوگوں نے اشارہ کیا وہ تھا بھی عجمی اور قرآنِ پاک صریحاً عربی زبان میں ہے۔ سکھانے والے کا عکس سیکھنے والے پر ضرور پڑتا ہے اور قرآنِ پاک میں سے اگر معترضین یہ دکھا سکتے کہ یہ کلام یا اس کلام کا یہ حصہ اس مقام پر عربی زبان میں نہیں ہے، تو ان کے اعتراض کو وقعت مل سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے، کہ یہ صریحاً عربی زبان میں ہے، اور فصحاء ہمیشہ اسی کو زبان کے حوالے سے سند کے طور پر پیش کریں گے۔ زبانِ عربی میں اس قرآنِ پاک سے بڑا معیار کوئی نہیں ہے، ہو بھی نہیں سکتا۔

حاصل : اعتراض کو درست ثابت کرنا، معترض کی ذمّہ داری ہوتی ہے۔ جب اعتراض غلط ثابت ہو جائے اور اعتراض کرنے والا ماننے کی طرف نہ آئے تو پھر اس کو ضدّی ہی کہا جا سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

بےشک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ اُنہیں ہدایت نہیں دیتا اور اُن کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ کے پاک بندوں سے میل جول ہو، تو خیر کی طلب رکھنے والا ان کی بات کو بہتر جانتے ہوئے اپنی بات کو چھوڑ کر پاک لوگوں کی بات کرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح اس کا قول ایک وقت کے بعد سدید ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے اعمال کی اصلاح کا مقام آتا ہے۔ اس مقام پر اسے پاک کرنے والے شاہد سے محبت ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کی آیات پر ایمان لاتا ہے۔ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننے والا ہی اللہ کی مدد سے صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے۔ ایمان نہ لانے والا خوف و حزن کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔ ایسے لوگوں کے لئے ان کے اعمال کی بدولت المناک عذاب حال پر بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہو گا۔

حاصل : اللہ کی آیات پر ایمان نہ لانے والے کبھی ہدایت نہیں پاتے۔ اُن کے لئے المناک عذاب اُن کے اعمال کی بدولت حال پر بھی ہوتا ہے، مستقبل میں بھی ہو گا۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾

جھوٹ افتریٰ تو وہی لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور وہی کاذب ہیں۔

جن لوگوں کو ناصحین سے محبت نہیں ہوتی، وہ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، باتیں بناتے ہیں۔ کسی بات کے درست ہونے کا یا درست نہ ہونے کا فیصلہ ان کی پسند سے ہوتا ہے۔ کاذب کی یہ نشانی ہے کہ اس کے سامنے اس کی پسند کے علاوہ کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔

حاصل : جو ناصحین سے محبت نہیں رکھتے وہ ایمان نہیں لاتے، افتراء سازی اُنہی کا کام ہے۔ جس کے سامنے اُس کی پسند کے علاوہ کوئی حوالہ نہ ہو وہی جھوٹا ہوتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

جس نے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کیا، سوائے اُس کے جو مجبور کیا جائے اور اُس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو، اور جو دل کھول کر انکار کرے، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

حق کو مان لینے کے دعوے کے ساتھ جب شاہد سے اپنے تعلق کو توڑ لیا جائے تو یہ ایمان کے بعد کفر کرنے کی صورت ہو گی۔ اعدائے حق کے دباؤ سے اگر کوئی کلمہ زبان سے خلافِ حق نکالا جائے مگر قلباً شاہد کی محبت دل میں برقرار ہو تو اس اطمینانِ قلب کی موجودگی میں خلافِ حق کہنے پر گرفت نہیں ہوگی۔ مگر جہاں اطمینانِ قلب ختم ہو جائے وہاں جو کچھ بھی خلافِ حق کہا جائے باعثِ غضبِ الٰہی ہو گا اور باعثِ عذابِ عظیم ہو گا۔

حاصل : ایمان کے بعد اللہ کا انکار کسی مجبوری کے تحت ہو تو گرفت نہیں ہو گی۔ قلباً انکار کسی جبر کے تحت نہیں ہوتا۔ قلباً حق کا انکار باعثِ غضبِ الٰہی اور باعثِ عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾

یہ اِس لئے کہ اُنھوں نے حیاتِ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایمان کے بعد جو حق سے پھر جائے وہ کسی جبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا، اسے آخرت کے دائمی فائدے کے مقابل حیاتِ دنیا کے وقتی فائدے میں راحت نظر آتی ہے، وہ اس راحت کی طلب میں مبتلا ہو کر حق کا انکار کرنے لگتا ہے۔ ایسا منکر حق یہ دیکھ چکا ہوتا ہے، کہ شاہد سے محبت رکھنے والے حیاتِ دنیا کے مقابل حیاتِ آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور استقامت سے راہِ حق پر رہتے ہیں۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر ترجیح دے اور وقتی نقصان سے بچتے ہوئے دائمی نقصان کو قبول کرے، اسے ہدایت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طلب ہو، شاہد سے محبت ہو، حیاتِ دنیا پر حیاتِ آخرت کو ترجیح دی جائے اور جو وقت پاک لوگوں کی معیت میں گزرے اسے سرمایۂ حیات سمجھا جائے۔

حاصل : حیاتِ دنیا کو حیاتِ آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہو تو اس کے پیچھے کبھی جبر موجود نہیں ہوتا۔ ہدایت اسے ہوتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو، شاہدین کی معیت اختیار کرے اور نفس کے شح سے بچتا رہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾

یہ ہیں وہ لوگ جن کے قلوب پر، جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مُہر کر دی ہے، اور وہی غافل ہیں۔

وہ لوگ جو حیاتِ دنیا کو آخرت کے مقابل عزیز رکھتے ہیں، اور حق کو مان لینے کے دعوے کے بعد پھر جانے کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے قلوب، ان کے کان اور ان کی آنکھیں، حق شناسی کی استعداد سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی کے حوالے سے یہی لوگ غافل ہیں۔

حاصل : قلب میں ناصح سے محبت موجود ہو تو وہ باحقیقت ہے، کان نصائح سے لگے ہوئے ہوں تو وہ باحقیقت ہیں اور آنکھیں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے طریق رشد کو اختیار کریں تو وہ باحقیقت ہیں۔ غافل کا قلب، اس کے کان اور اس کی آنکھیں سب بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾

ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی خسارے والے ہیں۔

حیاتِ دنیا کو بہت عزیز رکھنے والے، آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ جب اعمال کی جزا کا وقت آئے گا تو لامحالہ یہی لوگ خسارے میں ہوں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں، دنیا میں ان سے بڑا جاہل کون ہو سکتا ہے۔ جزا سے غفلت دائمی خسارے میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے رضائے الٰہی کے مطابق استفادہ کرنا خسارے سے بچ جانے کی صورت ہے۔ جزا کا یقین نہ ہو تو لامحالہ جزا کے دن خسارہ ہی ہو گا۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع

پھر بےشک تمہارا ربّ اُن کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد اس کے کہ انہیں ستایا گیا، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر والے ہوئے، بےشک تمہارا ربّ اس کے بعد ضرور بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

قلب پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں نے جبر کے تحت ایسے کلمات کہہ دیئے ہوں جو خلافِ حق ہوں مگر دل میں ان کے ایمان ہو تو اس ایمان کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے اگر منکرین حق کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی ہو اور اس دکھ کے بعد

ہجرت کی ہو، تو یقیناً ان کا منشاء بندگی کے لئے بہتر ماحول کی جستجو ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان پر جہاد کا وقت آئے اور وہ جہاد کریں اور اللہ کی عطا کو پورا جانتے ہوئے حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور یوں صبر کا ثبوت دیں، تو عملاً ایسے لوگوں نے ہجرت سے جس سے قبل انہیں ستایا گیا تھا، جہاد سے اور صبر سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کر دیا۔ ایسے لوگوں کی کوتاہیاں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخش دی جاتی ہیں، اور ان پر رحم فرمایا جاتا ہے۔ ربّ العالمین کی سنّت یہی ہے۔

حاصل : ہجرت سے پہلے ستائے جانے کا مقام لازم ہوتا ہے۔ ہجرت بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے بہتر ماحول کی جستجو کے لئے کی جاتی ہے۔ جو اپنی صداقت کا ثبوت ہجرت سے دے، جہاد اور صبر سے دے اس کی کوتاہیوں کو معاف کر دینا چاہئے، اور اس پر رحم کرنا چاہئے کہ اس کو حق کی ادائیگی میں آسانیاں حاصل ہوں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل (۲۷) میں فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤﴾ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے زینت دی، تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٥﴾ یہ وہ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے، اور آخرت میں وہی سب سے بڑھ کر خسارے میں ہیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

جس دن ہر نفس اپنی ہی طرف جھگڑتا ہوا آئے گا، اور ہر نفس کو پورا ملے گا جو عمل اُس نے کیا، اور اُن پر ظلم نہ ہو گا۔

بَعث بعد الموت کے وقت کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ ہر نفس پر یہ کیفیت طاری ہو گی، کہ اسے صرف اپنی جزا کی فکر ہو گی، اور وہ اپنی برأت کے لئے عذر تراشتا ہوا اس مقام کی طرف بڑھ رہا ہو گا، جو اس کے لئے علیم مطلق نے جزا کے حوالے سے ٹھہرایا ہوا ہو گا۔ اس مقام سے آگے پیچھے ہو جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ اس دن ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا ملے گا۔ اگر اس نے نیکی کی ہو گی تو اس کی جزا بھی پوری ملے گی اور اگر اس نے برائی کی ہو گی، تو اس کی جزا بھی اتنی ہی ہو گی جس کا وہ مستحق ہو گا۔ ان پر ظلم قطعاً نہیں ہو گا۔

حاصل : جزا کا یقین اصلاحِ حال کے لئے ضروری ہے۔ نفس کا مزاج ہے کہ وہ برأت کے لئے عذر تراشتا ہے۔ عدل کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے مقام کا تعین ان کے اعمال کے حوالے سے کرے، اور فیصلہ کرتے وقت وہ صرف حق کے حوالے سے فیصلہ کرے، اس کی خوشی اور ناخوشی فیصلے پر اثرانداز نہ ہو۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً

اور اللہ نے ایک قریئے کی مثال بیان فرمائی،

مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾

کہ امن چین سے تھا۔ ہر جگہ سے اس کو رزق بافراغت ملتا تھا۔ تو وہ بستی اللہ کی نعمتوں کا کفران کرنے لگی۔ تو اللہ نے انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزّہ چکھایا، بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔

اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرما کر حال پر لوگوں کو دعوتِ فکر دی ہے، کہ وہ اپنی اصلاح سے لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کریں، ورنہ سنّتِ الٰہی کے مطابق ان لوگوں کو بھی ایسی صورت حال سے واسطہ پڑے گا کہ یہ اپنے کئے پر پکڑے جائیں گے۔ جس بستی کی مثال بیان فرمائی گئی ہے، اس کے مکین امن چین سے رہ رہے تھے۔ ان کو ہر جگہ سے رزق بافراغت ملتا تھا۔ لوگ اس بستی کے لوگوں پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے کاروبار میں لوگوں کو یہ یقین ہوتا تھا کہ انہیں کبھی دھوکا نہیں دیا جائے گا۔ اس بستی کے لوگ اپنے اجتماعی رویئے کی بدولت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے، اور لالچ میں پڑ کر لوگوں کو نقصان پہنچانا ان کا وطیرہ ہو گیا، تو لوگوں کا اعتماد ان پر سے اٹھ گیا، اور بھوک اور خوف نے بستی والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ بھوک اور خوف ان کے کئے کی بدولت ان پر مسلّط کی گئی۔ جب رزق ان کو بافراغت ملتا تھا، تو ان کی ضروریات بھی اسی نسبت سے تھیں، پھر رزق بافراغت ملنا بند ہوا تو ضروریات کو کم کرنے پر بھی نفس کی چیخ نکلتی ہے۔ ایک عرصے کے لئے اسی دکھ میں مبتلا رہنا بہت بڑی سزا ہے، مگر ہے یہ ناشکری کی بدولت۔

حاصل : جس بستی میں لوگ امن چین سے رہتے ہوں، انہیں اس امن چین کی قدر بھی کرنی چاہئے، اس کی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے اجتماعی رویئے کو درست رکھنا اس طرح ممکن ہے کہ افراد اپنے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر کبھی ترجیح نہ دیں۔ ناشکری اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ گرفت ہے، اور اللہ کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ بھوک اور خوف کے دائرے سے نکلنا اس طرح ممکن ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کیا جائے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾

اور بےشک اُن کے پاس ایک رسول اُنہیں میں سے تشریف لائے تو ان کی تکذیب کی، پھر انہیں عذاب نے پکڑا اور وہ ظالم تھے۔

مذکورہ بستی والوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان تھا، کہ وہاں ایک رسول کی بعثت ہوئی، جو باہر سے تشریف نہیں لائے تھے، انہیں میں سے تھے۔ اس سے ان لوگوں کو یہ سہولت ملی کہ وہ رسول ان کے مسائل کو پوری طرح جانتے تھے۔ ان کا بتایا ہوا حل بستی والوں کی سمجھ میں آتا تھا۔ مشکل سے نجات کا راستہ بتانے والے کو یقینی علم حاصل تھا۔ مگر بستی والوں نے رسول کو جھٹلانے کا

راستہ اختیار کیا، اور اپنی پسند کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔ یہ لوگ عذاب کے راستے پر تو جا ہی رہے تھے، رسول کی پیروی ان کی نجات کا باعث ہو سکتی تھی، مگر یہ لوگ رسول کی پیروی سے کراہت کرتے تھے۔ انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور یہ اپنے ظلم کے نتیجے میں پکڑے گئے۔

حاصل : رہنمائی کرنے والا، رہنمائی چاہنے والوں سے ہو، تو یہ بڑی رحمت کی بات ہوتی ہے۔ اس کا انکار باعثِ تکلیف ہوتا ہے جو علمِ یقین سے بات کرتا ہو۔ ظالم ہمیشہ اپنے کئے پر ہی پکڑے جاتے ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾

تو کھاؤ اللہ کا دیا ہوا رزق حلال طیّب اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔

اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل ہو۔ حرام اور حلال کی وضاحت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔ اگر طریقۂ استعمال آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو گا تو استعمال ہونے والی شے طیّب ہو جائے گی۔ اللہ کی نعمت وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس نعمت کا شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ حکم اللہ کا مانا جائے نمونہ اس کے رسول کا پیشِ نظر ہو۔ یہی اللہ کی بندگی کی سند ہے۔ یہ نہ ہو تو اللہ کے نزدیک بندگی نہ ہو گی۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو حدود اللہ کے احترام سے ملتا ہے۔ حلال و حرام کی وضاحت علمِ الٰہی سے کی گئی ہے، طریقہ استعمال اسوۂ حسنہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ نعمت کا شکریہ ادا کرنا شانِ عبدیت ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

تم پر حرام یہی ہے، مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کو پکارا گیا ہو، پھر جو لاچار ہو، تو نہ خواہش کرے اور نہ حد سے بڑھے، تو بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ چار ہیں: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جن کے ذبح کرتے وقت سنّتِ نبوی کے مطابق تکبیر نہ پڑھی گئی ہو کیونکہ اس کے علاوہ جو بھی ذبح کرتے وقت پڑھا جائے گا وہ خلافِ حق ہو گا۔ مذکورہ چاروں حرام چیزوں کے بارے میں بھی یہ رعایت موجود ہے کہ اگر کچھ میسر ہی نہ ہو، تو یہ بے چارگی کا مقام ہو گا، ایسی صورت میں ان چیزوں کو

اس قدر استعمال کرنے کی اجازت ہے، کہ نہ تو ان کی طرف رغبت ہو اور نہ اُس حد سے تجاوز کیا جائے جسے ہلاکت سے بچنے کے لئے پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔ اس رعایت میں بھی اللہ کی بخشش اور رحم کو طلب کرنے والا ہی اپنا توازن قائم رکھ سکے گا۔

حاصل : مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، یہ چاروں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کھانے کو کچھ نہ ملے تو یہ بے چارگی ہوگی، بے چارگی میں بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت ہے۔ نہ خواہش سے کھایا جائے نہ حد سے تجاوز ہو، تو اللہ اس کوتاہی کو بخش دے گا، رحم بھی فرمائے گا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ؕ

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ اللہ پر جھوٹ سے افترٰی باندھو گے۔ بے شک اللہ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاتے۔

مالک کل کی شان ملاحظہ ہو کہ حلال و حرام کی حدود کا تعین اسی کے نام سے ممکن ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے قیاسات سے بات کرتے ہیں، وہ اپنی سوچ کو وقعت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی باتیں بنا کر حرام و حلال کی حدود کا ذکر کرتے ہیں، یہ بے سند باتیں کرنے والے اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ کی بات کرنے کے لئے جس پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے نصیب ہوتی ہے، جو صرف حق کو لائقِ بیان جانتا ہو۔ جو پاک نہ ہو اسے اللہ کی بات کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

حاصل : زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہیئے۔ اللہ کے بارے میں وہی کہنا چاہیئے، جس کی سند موجود ہو۔ ہماری پسند کبھی سند کا درجہ نہیں رکھتی۔ اللہ کے بارے میں بڑی احتیاط سے بات نہ کرنے والے کبھی مومن نہیں ہوتے اور فلاح پانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

تھوڑی متاع اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، انہیں جزا کا یقین نہیں ہوتا، ان کے لئے متاعِ حیاتِ دنیا میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔ دنیا میں ان کو جو کچھ بھی برتنے کو ملا ہے، اس کے ساتھ خوف و حزن بھی ہے، وقت بھی صرف اتنا ہی ہے کہ اتمامِ حجت ہو جائے، اس کے بعد المناک عذاب کا لامتناہی مقام ہو گا، اور اس عذاب سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : مفتری کی طلب کے حوالے سے جو کچھ بھی اس کے پاس ہوتا ہے قلیل ہی ہوتا ہے، اور اس قلیل

متاع کو خلافِ حق استعمال کر کے وہ المناک عذاب کو اپنے لئے مقدّر کر لیتا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾

اور یہودیوں پر ہم نے جو کچھ حرام ٹھہرایا تھا وہ اِس سے قبل تم پر بیان کی جا چکی ہیں، اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

یہودی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، سود لیتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع فرمایا گیا تھا، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے تھے، (۴: ۱۶۰، ۱۶۱) لوگوں کو دکھ دے کر یہ لوگ مزا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے کچھ حلال چیزوں کو ان پر حرام ٹھہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے ان لوگوں کو منع فرما دیا تھا، ان سے منع ہو جانے میں ان کی بھلائی تھی۔ یہ ایک وقت کے لئے پرہیز تھی۔ پرہیزگاری کے لئے بھی پرہیز ضروری ہوتی ہے۔ یہ پرہیز ان کی روحانی مرض کے حوالے سے تھی اور روحانی مرض میں مبتلا ہونے کے لئے ان لوگوں نے بہت سعی کی تھی۔

حاصل : جس کی بات علمِ حقیقی سے ہو وہی روحانی طبیب ہو سکتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ کس فرد یا گروہ کے لئے کس چیز سے رک جانا باعثِ فلاح ہو گا۔ پرہیزگاری کے لئے بھی پرہیز ضروری ہوتی ہے۔ فیوض و برکات کے حصول کے لئے اہلیت موجود ہو گی تو ان کا حصول ممکن ہو گا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ ع ۱۵ / ۲۱

تو بےشک تمہارا ربّ ان کے لئے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں پھر اس کے بعد تائب ہوں اور اصلاح لیں، تو ان باتوں کے بعد ضرور بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ جہالت سے ایسی بات کر بیٹھیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، پھر انہیں احساس ہو جائے کہ ہم نے جو کیا ہے اس کی سند تو موجود نہیں اور یہ یقیناً گناہ ہے، تو وہ رجوع الی اللہ ہوتے ہوئے توبہ کرتے ہیں، اور اس توبہ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آئندہ وہ بےسند بات نہیں کریں گے، پھر وہ صالحین کی طریقت کے مطابق بات کرنے کا عزم کرتے ہیں اور اصلاح کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحم سے فیض یاب ہو جاتے ہیں۔

حاصل : جن لوگوں کو احساس ہو جائے کہ انہوں نے جہالت سے بُرا عمل کیا ہے، وہ توبہ بھی کرتے ہیں، اصلاح کو بھی قبول کرتے ہیں۔ توبہ کے بعد برائی کا اعادہ نہیں ہونا چاہئے۔ اصلاح کے بعد صالحین کی طریقت کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ایسی صورت میں ماضی کی کوتاہیاں بخش دی جاتی ہیں، اللہ کا رحم شامل حال ہو جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

جس توبہ کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے، وہ اُنہیں کی ہے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں پھر جلد ہی توبہ کر لیں۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

یہ توبہ ایسے لوگوں کی نہیں ہوتی، جو برائی کرتے کرتے موت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے۔ اب میں نے توبہ کی۔ اور نہ ان کی جو مریں اور ہوں کفار۔ ان کیلئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار، یکسو اور وہ مشرکین سے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشاد بصورت سند نازل فرمایا ہے، کہ وہ اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے جامع تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، یکسو تھے اور مشرکین سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں دیکھنا چاہئے کہ آپ سے تعلق کا ثبوت اللہ کی فرمانبرداری، یکسوئی اور عدم شرک سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ تعلق کے دعوے کی تکرار کبھی سچا ہونے کی سند نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے مسائل کو ان کے علم اور ان کی لاعلمی کے حوالے سے دیکھتے تھے۔ اپنا اتباع کرنے والوں کو اپنے ساتھ دیکھتے تھے۔ نہ ماننے والوں کے لئے اللہ سے ایک وقت تک مغفرت اور رحم طلب کرتے رہتے تھے۔ حقوق العباد کے دائرے میں منشاء ایزدی کے حوالے سے یہ بلند ترین مقام ہے۔ یہی آپ کا طریق زندگی تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کا طریق زندگی یہ کبھی نہیں تھا۔

حاصل : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار اگر اللہ کی فرمانبرداری، یکسوئی اور عدم شرک کو اپنا حال بنا لیں تو وہ آپ کے سچے ساتھی ہیں۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾

اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے والے۔ اللہ نے آپ کو چن لیا اور صراطِ مستقیم کی طرف چلایا۔

حال پر اللہ تعالیٰ کی عطا اپنی ضروریات کے حوالے سے ناکافی نظر آئے، تو شکر گزاری محال ہوتی ہے۔ جب یہ عطا ان سب حقوق کو ادا کرنے کے لئے پوری نظر آئے جن کا تعلق حال سے ہے تو یہ شکر گزاری تعلق مَعَ اللہ کی سند ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات کو اللہ کی رضا کے حوالے سے اس طرح تقسیم کیا کہ کسی شے کو بھی اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ اللہ نے آپ کو اپنی نبوت اور خُلّت کے لئے چن لیا، اور اس راستے پر چلایا جو اللہ کے نزدیک دائرۂ عبدیت میں سب سے بہتر راستہ ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے والا ہی شکر گزار بندہ ہوتا ہے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ جسے آسانی مطلوب ہو اسے ایسے صاحب کے ساتھ ہو جانا چاہئے۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾

اور ہم نے اُنہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی اور بے شک وہ آخرت میں صالحین سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا، اس سے جو شان آپ کو حاصل ہوئی اس سے بڑی شان کیا ہو سکتی ہے۔ آپ کی امامت کو تسلیم کیا گیا اور آپ نے وہ سب کچھ ہوتے دیکھا جس کا ہونا آپ کو پسند تھا۔ آپ نے ہر مقام پر اصلاح کا رخ رکھا، چاہے اس اصلاح کو ماننے کے لئے لوگ جلدی تیار ہو گئے یا لوگوں نے اس کو ایک مخالفت کے بعد مانا۔ آخرت میں حضرت کو یہ شان حاصل ہے کہ وہ صالحین میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ دنیا و آخرت کے بارے میں یہ شہادت تعلق مع اللہ کے سب مقامات کو روشن کرتی ہے۔

حاصل : اللہ سے بھلائی کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ جو حال پر صالحین کے ساتھ ہے اور صداقت سے ان کا اتباع کرتا ہے وہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہو گا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ ملّتِ ابراہیم حنیف کا اتّباع کیجئے اور وہ مشرکین سے نہ تھے۔

ملّتِ ابراہیم حنیف کی پسندیدگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی معیار کا درجہ رکھتی ہے۔ ملتِ ابراہیم کے ساتھ جو تعلیمات حق کا درجہ رکھتی تھیں، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو روشن فرمایا، اور یہ تعلیمات قیامت تک روشن رہیں گی۔ تحریف کی سب صورتیں جو ان تعلیمات کے ساتھ ملا دی گئیں یقیناً خلاف حق تھیں اور شرک کے زُمرے میں بھی آتی تھیں، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کا منسوب کرنا ممکن نہیں ہے، کہ وہ مشرک نہ تھے۔ جو راستہ خلیل اللہ ہونے کے حوالے سے

آپ کے نقوش قدم سے واضح ہوا. وہ یقیناً یکسوئی کاراستہ تھا۔ یہود و نصاریٰ کے بے جاتصرف کے بعد یہ یکسوئی کاراستہ نہ رہا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے امر الٰہی کے مطابق اس راستے سے شرک کی سب آلودگی ختم کر دی۔

حاصل : ملتِ ابراہیم حنیف کی موجودہ صورت وہ صورت ہے جس کی تصدیق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ جہاں شرک ہو گا، یکسوئی نہ ہو گی، اور جہاں یکسوئی ہو گی وہاں شرک نہ ہو گا۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

ہفتہ تو اُنہیں پر مقرر کیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا، اور بے شک تمہارا ربّ قیامت کے دن اُن میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

ہفتہ کے دن شکار نہ کرنے کا حکم دیا گیا تو کسی نے اس حکم کو مانا کسی نے نہ مانا۔ بنی اسرائیل چاہتے یہی تھے کہ ہفتہ کا دن لائقِ تعظیم ہونے کے اعتبار سے ان کی پہچان بن جائے، مگر حکمِ خداوندی کو ماننے کے لئے حسنِ نیّت کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ جب نیت حق کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی ہو، تو پھر حکم کی وضاحت اپنی پسند کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ اختلاف کرنے والے اس دائرے سے کیسے نکل سکتے ہیں۔ حکمِ خداوندی کی اطاعت شاہد کے حوالے سے ہی ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے حکمِ خداوندی کی اطاعت میں اختلاف کیا، قیامت کے دن ان کے سامنے یہ سند ہو گی، کہ جس صاحب کو شاہد بنایا جانا ضروری تھا، ان کے حوالے سے اگر اس حکم کو مانا گیا ہے، تو ماننے کا دعویٰ کرنے والے سچے ہیں ورنہ سچے نہیں ہیں۔ اختلاف اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

حاصل : حکمِ خداوندی کا ماننا شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف کا مقام نہیں آتا، اپنی سمجھ سے ہو تو اختلاف سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن کا فیصلہ، خاسرین پر اصلاح کی طرف آنے کی مہلت نہ ہونے کی وجہ سے بہت بھاری ہو گا۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾

اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دو، اور ان سے بحث کرو تو بطریقِ احسن کرو۔ بے شک تمہارا ربّ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

جب لوگوں کو فلاح کی طرف بلایا جائے تو اللہ کے نزدیک اس کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اس دعوت میں حکمت اور موعظتِ حسنہ ہو، اور بحث کا مقام آ جائے تو احسن طریق سے بحث کی جائے۔ حکمت یہ ہے کہ سننے والے کے فہم و ادراک کو ملحوظ رکھ کر بات کی جائے۔ اگر سننے والے کے مقام کو نہ دیکھا جائے گا تو سنانے والا اپنا حق ادا نہیں کر سکے گا۔ موعظتِ حسنہ یہ ہے کہ دعوتِ حق دینے والا اپنا حال بیان کرے اور سننے والے کو خیالی فلسفے اور قیاس آرائی سے نکلنے میں مدد دے۔ سننے والے سے یہ کہا جائے کہ بیان کرنے والا وہ انعام تقسیم کر رہا ہے جو اسے ملا ہے۔ انعام کا طالب وہ راستہ اختیار کرے جو حق کے مطابق اسے کرنا چاہئے تو وہ بھی انعام یافتہ ہو جائے گا۔ بحث میں احسن طریقہ یہ ہے، کہ جھگڑا کرنے والے کے دلائل کا تضاد اس پر واضح کر دیا جائے۔ دعوتِ حق دینے والے کے ذمّے نتائج کا پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ سننے والا کیا رخ اختیار کرتا ہے، اس کی پوچھ دعوتِ حق دینے والے سے نہیں ہوگی۔ جزا دینے والا خوب جانتا ہے، کون راہِ راست پر ہے اور کون راہِ راست پر نہیں ہے۔

حاصل : دعوتِ حق دینے والے کو حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ بات کرنی چاہئے۔ بحث میں احسن طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ نتائج کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾

اور اگر تم سزا دو تو اُسی قدر دو جیسی تمہیں دی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

دعوتِ حق کے عمل میں ایسے لوگوں سے بھی میل ہوتا ہے، جو اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو بہت تقدس دیتے ہیں اور حق کے حوالے سے بات کرنے والے کو جبر سے خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ حق بیان کرنے والے کو سزا دینا ہے۔ دعوتِ حق دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ قدرت حاصل ہونے پر وہ اسی قدر بدلہ لے جس قدر اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی، اگر وہ اس حد سے تجاوز کرتا ہے، تو یہ اللہ کی راہ سے بہک جانے والی بات ہوگی۔ اگر بدلہ نہ لینے کی راہ اختیار کی جائے تو یہ صبر ہوگا، اور اللہ کے ساتھ ہونے کا ثبوت اسی سے ملے گا۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل : سزا دیتے وقت، بدلہ لیتے وقت اپنے توازن کو قائم رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ حد سے تجاوز خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ بدلہ نہ لینا صبر ہے۔ صبر سے اللہ کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بہتر اور کیا مقام ہو سکتا ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾

اور صبر کرو اور تم اللہ کی مدد سے ہی صبر کر سکو گے، اور ان کا غم نہ کھاؤ اور تنگ مت ہو اس سے جو مکر وہ کرتے ہیں۔

بدلہ لینے کی اجازت کے بعد صبر کو بہتر فرمایا گیا تھا، یہاں صبر کا امر دیا گیا ہے، اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے، کہ صبر اللہ کی

مدد سے ہی ہو سکتا ہے۔ مشکل مقامات پر پورا رہ کر دکھانے والے کی ذات سے ادب و احترام کا رشتہ ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو تو اسے اللہ کی مدد جاننا چاہئے۔ مخالفین کے مظالم پر صبر کرنا بہت بڑا کام ہے۔ مخالفین کے انجام کو دیکھنے والا اپنے حق کی ادائیگی کے بعد خود کو فارغ رکھے تو غم نہ کھانے کی صورت ممکن ہوگی۔ منکرین حق خفیہ تدبیریں کرتے ہی رہتے ہیں، ان کا مکر اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اللہ کی لامحدود قدرت کو دیکھتے رہنا، تنگی میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔

حاصل : صبر یہ ہے کہ مخالف کو سزا دینے کی قدرت حاصل ہونے کے باوجود، اللہ کی معیّت کے احترام میں سزا نہ دی جائے۔ صبر، اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ منکرین کے انجام کو اللہ پر چھوڑنا اور اُن کی خفیہ تدبیروں کو اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا لازم ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾ ع ١٦ ٢٢

بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور جو محسن ہیں۔

اللہ کا ساتھ جن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، ان کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان کی ایک صفت تقویٰ ہے، دوسری صفت احسان ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ عطائے الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو ہمیشہ چھوٹا سمجھتے ہیں، اور کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ احسان یہ ہے کہ یہ نہیں دیکھتے لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، یہ دیکھتے ہیں انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، جس سے شاہدین کی معیت کا ثبوت ملے۔

حاصل : اللہ کا ساتھ مطلوب ہو، تو دیکھنا چاہئے ہماری زندگی میں تقویٰ اور احسان موجود ہیں۔ اگر اللہ سے ڈرنا اور لوگوں کو آسانی دینا ہمارا طریقِ زندگی نہیں ہے، تو ہم فلاح کی راہ پر نہیں ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل (١٧) میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا

بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے، اور مومنین کو بشارت دیتا ہے جو صالح عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۲۹۷,۱۲۲۹

297,1229 فضل شاہ حضرت

تفسیرِ فاضلی، (یُونس تا النحل) ۔ مرتبہ محمد اشرف فاضلی

لاہور۔ فاضلی فاؤنڈیشن ۔ پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور پوسٹ کوڈ : 54770

ج۔ ۱ (منزلِ سوُم)

ہر گاہ میں نے تفسیرِ فاضلی کی منزلِ سوُم (یُونس تا النحل) کا عَرَبی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عَرَبی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غَلَطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل

نزد مینارِ پاکستان راوی روڈ۔ لاہور

۱۵ر نومبر ۱۹۹۳ء